وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۵۱:۵۵)

اور اے محمدؐ! خدا کا قانون پھر یاد دِلا دو کیونکہ یہ یاد دلانا لامحالہ اُس قوم کو جو اُس پر یقین

کر کے عامل ہو جائیگی اِس دنیا میں سربلند کر دیگا۔ (قرآن حکیم)

مقالات

مجلد اوّل

یعنی خاکسار تحریک کے ہفتہ وار جریدہ "الاصلاح" کے وہ عظیم الشان

مقالاتِ افتتاحیہ

جنہوں نے ایک سال کے اندر اندر تحریک کو ہندوستان گیر کر دیا

عنایت اللہ خان المشرقی

بارِ دوئم

فہرست مضامین "مقالات" (مجلد اوّل)

(مقالے کے اندر کے عنوانات کا قلم مہین ہے، مقالہ کا عنوان جلی قلم سے ہے)

"مقالاتِ مجلدِ اول کی فہرست ختم ہوئی"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

قول کے متعلق عام طور پر خیال ہے کہ عمل پیدا نہیں کرتا۔ زندہ قوموں میں یہ محاکمہ درست نہیں کیونکہ اُن میں آج "پریس" بڑی طاقت ہے اور اُن کا بیشتر عمل اُن اقوال پر ہے جو صحافت کے ذریعے سے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ زندہ قوموں کے افراد میں ہر بات کو "سُننے" کی بڑی قابلیت ہوتی ہے، زندگی اور حیاتِ قومی کا جوہر لطیف اُن کے کان ہر دم کھڑے رکھتا ہے۔ وہ شیخ سعدی کی مردی کی تعریف کے مطابق "پند بر دیوار"† کو بھی آویزۂ گوش بنا لیتے ہیں۔ ذکاوتِ ذہن اور قوّتِ سامعہ کی تیزی اُنکو عمل پر آمادہ کر دیتی ہے اور عمل پر تیار کرنے کے لئے اُن کو کسی ایسے قائل کی ضرورت باقی نہیں رہتی جو عمل کر کے دکھلائے۔

زندہ قومیں لا تنظر الیٰ من قال وانظر الیٰ ما قال پر عمل کرتی ہیں، وہ صرف یہ دیکھتی ہیں کہ کیا کہا گیا ہے کہنے والے کی طرف اُن کی نظر نہیں اُٹھتی۔ یہ بھی اسی لئے کہ اُن کی سننے کی قوت تیز ہوتی ہے۔ آنکھ کو وہ اِس ادنیٰ مقصد کیلئے کہ کہنے والا کون ہے استعمال نہیں کرتے گاہک کبھی دکاندار کی طرف نہیں دیکھتا۔ صرف مال پرکھتا ہے۔ اگر مال اچھا ہے فوراً لے لیتا ہے اور فائدہ دیکھکر اپنے استعمال میں لاتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں بدترین حیوان "شر الدواب" اُس قوم کو کہا ہے جو نہیں "سُنتی"۔ گری ہوئی قوموں نے پیغمبروں کی باتوں کو دیر تک نہیں سُنا۔ پیغمبر پکار پکار کر کہتے رہے اور لوگ ڈھیٹھ اور مچلے بنے رہے۔ حضرت نوحؑ بلاتے رہے اور قوم نے لنذیرؐ دعُو دعای الا فرارا کی صورت میں جواب دیا۔ یہی وجہ تھی کہ گری ہوئی قوموں میں نبی یعنی بڑی خبر دینے والے آتے رہے تاکہ قوم اُن کی "بڑی خبر" سُنکر چونک اُٹھے اور کام میں لگ جائے۔ ازندہ قوموں میں آج ہر قول "بڑی خبر" ہے وہ اس کو بڑی خبر سمجھکر سُنتے ہیں۔ اگر قول اچھا ہوا اُس پر عامل ہو جاتے ہیں، مفید نظر نہ آیا مسترد کر دیتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ آج زندہ قومیں انبیاء کے بغیر ترقی کر رہی ہیں اخاذ کے سب ممکن انعام جو انبیائے کرام علیہم السلام کی قوموں کو مل رہے تھے آج اُن کو مل رہے ہیں۔ رافت، رحمت، اتحاد، اطاعت، وراثتِ زمین، غلبہ، مال و اولاد کی کثرت، قوت، نعمت، مکارمِ اخلاق، الغرض سب کچھ جو قرآنِ حکیم نے مسلمانوں کو کبھی زمانہ میں قرآن پر عمل کرنے کے عوض میں دیا تھا اُن میں اپنے اپنے عمل کے مطابق ہے۔ کمزور آنکھ اگر ان چیزوں کو نہ دیکھ سکے تو اور بات ہے لیکن یہ امر مسلّم ہے کہ خدا کی میز پر دنیا کی سب قوموں کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے صرف **قرآن** رکھا ہے، قرآن کے سوا کوئی اور قانون نہیں، اسی قرآن کو دیکھ کر خدا انعام دیتا ہے، اسی قرآن کو دیکھ کر چھین لیتا ہے۔ جب قرآن ہی سب قوموں کا قانون اور "ذکر للعٰلمین" ٹھیرا تو پھر سُننے والی قوم کیوں نہ زندہ ہو!

جریدہ "الاصلاح" کے مقالات اگرچہ قول تھے مگر الحمدللہ کہ صحیح معنوں میں مسلمان قوم نے انہیں سُنا، ایک سال کے اندر اندر خاکسار تحریک تمام ہندوستان میں پھیل گئی، چند دنوں میں بڑے بڑے مخلص آدمی گوشوں سے نکل پڑے، جان و مال کی عظیم الشان قربانیاں فوراً ہونے لگیں، ہزارہا مسلمان یکدل اور ہمخیال ہو گئے، محبت کی نہریں پھوٹ بہیں، خدمتِ خلق کا حیران کن منظر پیدا ہو گیا۔ یہ سب اِسلئے کہ مسلمان زندہ قوم تھی، سُننے کی قابلیت رکھتی تھی۔ کھوٹے اور کھرے میں تمیز کر سکتی تھی۔ اس سے پہلے کوئی سُنانیوالا ہی نہ تھا بیچاری کیا سُنتی۔ میں اپنے قلم سے لکھے ہوئے مقالات اکٹھا شائع کرتا ہوں جنہیں قوم نے سُنا۔ میں چاہتا ہوں کہ ان مقالات کو قوم کے باقی لوگ بھی سُنیں اور جلد بیدار ہو جائیں! **عنایت اللہ خان المشرقی**

۲۴ جولائی ۱۹۳۴ء

† "مرد باید کہ گیرد اندر گوش ور نوشت ست پند بر دیوار" کی طرف اشارہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"بڑی طاقت"

مطبوعہ جریدہ "الاصلاح"

۲۳ر نومبر ۱۹۳۴ء

مطابق ۱۵ر شعبان ۱۳۵۳ھ

مغرب کی زندہ قوموں نے پریس یعنی اخبارات کو ملک کی ایک بڑی طاقت مانا ہے۔ اس تسلیم کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اخبارات یا رسالے کسی خبر یا رائے یا حقیقت کو ملک کے طول و عرض میں یکدم پھیلا دیتے ہیں، زندہ قوموں کے افراد اُس شئے کو ماننے یا نہ ماننے کے لئے فوراً تیار ہو جاتے ہیں اور ملک میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے۔ پھر عمل کا دریا بہتا ہے اور ہر مخالف شئے کو سیلاب کی طرح بہالے جاتا ہے۔ اصلاح یا ریفارم کی یہ صورت ایسی ہے کہ اس کے مقابل بازاری افواہیں یا ڈھنڈورے اور لکچر، یا عبرت انگیز سزائیں اور انعام، اس قدر جلد اثر پیدا نہیں کر سکتے اور چونکہ حکومت وقت کو رعیّت کے بالمقابل ہمیشہ اپنی حفاظت کی ضرورت رہتی ہے، پریس کا مسئلہ مغرب میں حکومت کی نظروں میں ہمیشہ سے کھٹکتا ہی رہا ہے۔

مسلمانوں میں "بڑی طاقت" کا مفہوم

ہندوستان اور بالخصوص یہاں کے مسلمانوں میں جہاں اور باتوں میں مغرب کی اندھا دھند

تقلید ہے "پریس" کو پریس کے مالک ایک "بڑی طاقت" سمجھ کر شروع کرتے ہیں۔ جس دن سے ڈیکلریشن منظور ہُوا اور چار پیسے خرچ کرنے کو جیب میں ہوئے، مالک، ایڈیٹر، حتیٰ کہ پرنٹر اور پبلشر، سب کی نگاہیں بدل جاتی ہیں۔ مالک سمجھتا ہے کہ "میرا اخبار ہے" اور اس کی "بڑی طاقت" یہ ہے کہ میں اس کے ذریعے سے دولت جمع کرونگا، دولت سے نام ہوگا اور نام کے ساتھ ساتھ کام۔ ایڈیٹر کرسیوں پر ڈٹے بیٹھے ہیں کہ "بڑی طاقت" کے مالک ہیں۔ جس کی چاہیں گے پگڑی اُتار دیں گے، جس کا پسند ہوگا نام اُچھالیں گے، ہماری آواز ہوگی، سب چُپ ہونگے، ہم ہی ہم ہونگے، نکتہ چینی کریں گے، مدح سرائی کریں گے، گھر میں فساد کا تماشا دیکھیں گے، دُوسری قوموں سے لڑیں گے، حکومت کو چھیڑ سکیں گے، "تیس مار خاں" ہونگے، "دس پچھاڑ جنگ" ہونگے۔ الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو اِس ملک کے اسلامی حلقوں میں پریس کی "بڑی طاقت" کے معنی کچھ اور ہی ہیں۔ اِن دونوں طرح کی طاقتوں سے جو مالک اور ایڈیٹر کے ذہن میں ہیں، نہ اصلاح اور دُرستی پیدا ہو سکتی ہے، نہ حکومت کی نظروں میں ایسا پریس صحیح معنوں میں "بڑی طاقت" کا مالک ہو سکتا ہے۔ حکومت صرف ایسے پریس کی بدعنوانیوں کی روک تھام کے لئے قانون بنا دیتی ہے لیکن اس کی اِنقلاب انگیز طاقت سے کچھ خوفزدہ نہیں رہتی۔

اِسلامی ادبی اور مذہبی پریس

اِس زمانے میں اِسلامی پریس کا ایک بہت بڑا حِصّہ وہ ناکارہ اور بے نتیجہ ملبا ہے جس کا نام بدقسمتی سے "ادب" بلکہ "علمِ ادب" رائج ہے۔ یہ ادب ایک گری ہُوئی قوم کی ناقہ مستیاں، یا زیادہ سے زیادہ

اس کی جیخیں اور کراہیں ہیں جو عشق انگیز افسانوں، بے کار عبارت آرائیوں، یا کسی بے عمل شاعر کے قومی ترانوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس تمام لٹریچر میں اوّل سے آخر تک نہ "علم"[1] ہے نہ ادب نہ علمِ ادب۔ مفلس شخص جب اپنی روزی کی فکر میں دن رات کڑھتا رہتا ہے اور کہیں راحت نہیں پاتا تو راحت ڈھونڈنے کے لئے روزانہ اپنی بیوی سے ہم بستر ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اور خوشی میسّر نہیں تو یہی سہی۔ اس راحت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ جسمانی طاقت کے روزانہ ضائع ہو جانے کے باعث بیماریاں دونوں طرف اور حملہ کرتی ہیں، روٹی کی فکر کے ساتھ ساتھ صحّت کا غم جان کو کھاجاتا ہے، ارزق کی کمی کے باعث بچّے ہر دم بیمار رہیں، اُدھر ہم بستری کی کثرت سے اولاد آئے سال بڑھتی جاتی ہے اور اس کی یہ "بے گناہ لذّت" ہی اُس کے لئے وبالِ جان بن جاتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال ایک گری ہوئی قوم میں آج کل کی اِسلامی ادبی لٹریچر کی کثرت کا ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ اِس میں مزا اور راحت ہے لیکن بے نتیجہ عبارتیں اور شعر پڑھ پڑھ کر بے عملی کی کمزوریاں قوم کی رگ رگ میں اثر کر جاتی ہیں، ناکارہ رہنے اور کام چور بننے کے نئے شاخسانے ہر طرف پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ قوم جہنم کے گہرے گڑھے میں خود بخود گرتی جاتی ہے۔ کسی زندہ اور طاقتور قوم کی طرف دیکھو اس کی راحتیں قطعاً اور قطع کی ہیں۔ اِن میں اس طرز کے "علمِ ادب" کی چاہت ہرگز نہیں جیسا کہ مسلمانوں میں آجکل رائج ہے۔

ادبی پریس سے قطع نظر کر کے مسلمانوں کی اس "بڑی طاقت" کا دوسرا بڑا حصّہ مذہبی پریس ہے۔ یہ وہ بے شمار رسالے اور چیتھڑے ہیں جو کسی شکست خوردہ فوج کے ٹکڑوں کی طرح ایک دوسرے کے بالمقابل صف باندھے کھڑے ہیں۔ ہر چھوٹا سا چیونٹی جتنا ایڈیٹر

[1] علم کے اصطلاحی بلکہ قرآنی معنی وہ شئے ہے جو حقیقت ہو اور آنکھ، کان اور دماغ اس کی تصدیق کریں۔ اسی بنا پر تمام سائنس کے فنون علم ہیں۔

اپنے خریداروں کو چھوڑ کر تمام آٹھ کروڑ مسلمانوں کے پیچھے پڑا ہے۔ سب کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھ رہا ہے۔ اپنی "بڑی طاقت" اس میں دیکھ رہا ہے کہ کس طرح ذرا سی قلم کی حرکت سے قتل عام کا معجزہ دکھلائے۔ اخباروں کا ایسا بڑا جمگھٹا جس کی دلیل آپس میں فساد کی ہو ظاہر ہے کیا اصلاح اور کیا اتحاد پیدا کر سکتا ہے اور وہ کس طاقت کا مالک بن سکتا ہے؟

روزانہ اور ہفتہ وار اخبارات

ان دونوں حصوں کو الگ کر کے مسلمانوں کے پریس کا باقی مختصر حصہ ہفتہ وار اور روزانہ اخبارات ہیں جن کے مستقل پڑھنے والے غالباً پچاس ہزار سے زیادہ نہیں۔ اگرچہ آٹھ کروڑ قوم میں یہ تعداد ایک نہایت مختصر تعداد ہے مگر عملی حرکت کو پیش نظر رکھ کر نہایت اہم ہے۔ اسلامی پریس کے اس حصہ کی ساخت بھی عجیب و غریب ہے۔ اوّلاً کسی اخبار کی توجہ قوم کی کسی خاص بیماری یا نقص کی طرف نہیں، کسی ایک کا کوئی خاص مقصد نہیں، کوئی مستقل پالیسی مدِ نظر نہیں، کسی منتہا کی طرف میلان نہیں، کسی سیاسی یا غیر سیاسی جماعت سے تعلق نہیں۔ تمام اخبار ذاتی ہیں، اور صرف اشخاص ان کو چلا رہے ہیں۔ دوم کسی اخبار کے متعلق اطمینان نہیں کہ یہ کس رہنمائے قوم کا طرفدار ہے اور کس کا مخالف ہے۔ سب اخبار (اِلّا ماشاءاللہ) بے پیندے کے لوٹے ہیں، جدھر حرکت دے دی لڑھک گئے۔ اور مزا یہ ہے کہ حرکت ان کو صرف روپیے سے ہوتی ہے۔ قوم پر حادثات کے طومار یا مصلحت وقت کو دیکھ کر یہ طائفہ حرکت نہیں کرتا۔ قوم کے ایک رہنما نے کچھ مدت ہوئی مزیدار حکایت سنائی۔ کہا کہ ایک اخبار تین ماہ سے مسلسل میرے پیچھے پڑا تھا،

تمام قسم کے جھوٹ اس نے میری شہرت کو تباہ کرنے کے لئے بولے۔ میں لاچار ہوگیا۔ تین سو روپیہ پر فیصلہ ہوا۔ اگلی اشاعت میں ہی میرے نام کے آگے "مدظلّہ العالی" لکھا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ میں کہتا ہوں کہ اس اخبار نے تین سو کے عوض میں اپنے اعتماد کی خودکشی کرلی۔ پبلک کا اعتماد ہمیشہ کے لئے اُٹھ گیا۔ مسلمان کیونکر کسی ایک رہنما کے پیچھے لگیں اور ایسا اخبار کیونکر ایک "بڑی طاقت" بن سکے؟

سوئم۔ روزانہ یا ہفتہ وار اسلامی اخبار اخبار بین پبلک پیدا کریں تو کریں لیکن "جماعت" پیدا نہیں کرسکتے۔ اس کی وجہ صاف ہے۔ جماعت اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب بہت سے ہم خیال یا ہم عمل لوگ کسی ایک مقصد کے درپے ہوجائیں اور ایک دوسرے سے مل جل کر یا باہمی تبادلۂ خیال کرکے ہم سفر ہونے کا اقرار کریں۔ یہاں نہ مقصد سامنے ہے نہ ایک دوسرے سے مل جلنا، نہ تبادلۂ خیال، نہ یک عملی۔ صرف حضرت ایڈیٹر کی آواز ہے جو اخبار کے لیڈر میں بول رہی ہے باقی تمام سُننے والے چپ ہیں۔ گویا ایڈیٹر اپنے آپ کو معلّم اوّل فرض کرلیتا ہے اور باقی سب کو مدرسے کے بچے۔ وہ فرض کرلیتا ہے کہ دماغ کا مالک صرف میں ہوں۔ باقی سب کو جو میرا اخبار پڑھتے ہیں میری رائے کے مطابق جبراً ہونا چاہیئے۔ خدا نے سب کو اپنا اپنا دماغ دیا ہے اس لئے اِس رعونت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ رائے والے لوگ ایڈیٹر کو سُنکر مسکرا دیتے ہیں۔ اس کی رات کی پریشانی میں لکھی ہوئی تحریروں کو تفریح طبع سمجھ کر پڑھ لیتے ہیں۔ جو موافق ہوتے ہیں وہ بھی اِسی طرح گھر بیٹھے واہ واہ کرتے ہیں۔ ایڈیٹر کے پاس اپنی تحریر کی حرارت کا تھرما میٹر موجود نہیں۔ جس نے یہ سرد گرم نہیں چکھا وہ آپس میں متحد ہوکر سرگرم عمل ہونے والی جماعت کیونکر پیدا کرسکے اور وہ اخبار کیونکر "بڑی طاقت" بن سکے؟

اخبارات کے مطالعہ سے ذہنی پریشانی

چہارم :- آج کل کے اسلامی اخبارات اخبار بین پبلک کے دماغوں میں ذہنی پریشانی پیدا کر رہے ہیں۔ اخبار کا پہلا نمبر نکلتا ہے تو ڈنکے کی چوٹ کہا جاتا ہے کہ یہ واحد قومی اخبار ہوگا۔ یہ ہوگا وہ ہوگا۔ ہر روز پیشانیوں پر اس کے قومی ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اخبار پر مصیبت آئے تو قومی قومی اور اُمتی اُمتی کہہ کر روپیہ مانگا جاتا ہے۔ پبلک سمجھتی ہے کہ یہ قومی اخبار ہی ہوگا۔ اٹھاتی ہے اور ایک کالم میں ایڈیٹر کی ہائے وائے دیکھتی ہے کہ "واحسرتا! قوم کے اخلاق بگڑ گئے مسلمان عجیب بدعادتوں اور بداعمالیوں میں گرفتار ہیں، جب تک قوم رسولِ خدا صلعم کا اُسوۂ حسنہ پھر اختیار نہ کریگی، نجات مشکل ہے" وغیرہ وغیرہ۔ حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ وعظ بھی ایک بے نتیجہ پکار ہے، اس کا مقصد صرف حضرت ایڈیٹر کی اپنی نیکیوں اور نیک بینیوں کا اشتہار ہے، لیکن دو کالم آگے بڑھ کر پبلک کو ایک مقطّع اور چورس چوکھٹے میں لگا ہُوا اشتہار نظر آجاتا ہے اس میں لکھا ہوتا ہے کہ "آج رات کو فلاں تھیئٹر میں فلاں خوبصورت اور جوان عورت آدھی ننگی ہو کر ناچیگی۔ اس کا رقص مدہوش کر دیگا، سینما اور ٹاکیز کا وہ نظارہ ہوگا کہ ہوش اُڑ جائیں گے وغیرہ وغیرہ"۔ بیچاری پبلک حیران ہے کہ ایڈیٹر کے قلم کی سیاہی ابھی سُوکھی نہیں اور یہ کیا ماجرا ہے۔ لیکن اپنے دِل کو کچھ طفل تسلی دے کر اس اشتہار سے بھاگنا چاہتی ہے :- "مینجر نے چھاپ دیا ہوگا"۔ "ایڈیٹر سے اس کا کیا واسطہ"۔ "مالک اخبار کے روپیہ کمانے کے طریقے ہیں" وغیرہ وغیرہ۔ مگر اسی اثنا میں بیچارے ایڈیٹر کو گھر جانے سے پہلے ایک چھوڑ چار "پاس" ننگی عورت کے نچوانے والوں کیطرف

سے مفت مل جاتے ہیں اور وہ اپنی تمام داستانِ آہ اور واویلاہ بھول جاتا ہے۔ چوتھے صفحے پر اُسی قلم سے بڑے عنوانوں کے ساتھ لکھ دیتا ہے کہ فلاں سینما میں جو نئی مس صاحبہ آئی ہیں اُن کا ناچ قابل دید ہے۔ "شائقین" جوق در جوق جائیں اور "ملاحظہ" کریں۔ اس عنوان کے نیچے ایڈیٹر کے دستخط نہیں ہوتے مگر پبلک اتنی خرِ دماغ نہیں کہ ان کا خیال فوراً اُسی نجات مانگنے والے اور رسولِ خدا صلعم کے اسوۂ حسنہ پر چلانے والے کی طرف نہ دوڑے۔ "ننگی عورت" اور "نئی مس صاحبہ" کے الفاظ دیکھ کر حریص دلوں، نہیں سب دلوں پر وہ نامحسوس سیاہی جم جاتی ہے کہ اس کو زمین کے سات سمندر دھو نہیں سکتے۔ مگر پبلک کی ذہنی پریشانی جو اس قطع کے اخبارات کے مطالعے سے پیدا ہوتی ہے اس سیاہی کی شدّت سے کہیں بڑھ کر ہے!

اخبارات کے مضامین اور ذہنی ویرانی

دوائیوں کے جھوٹے اور فحش اشتہارات، مکاروں کے مکر، نیم ملّاؤں کے استخارے، روحانی عاملوں کی ابلہ فریبیاں، حسن و عشق کے افسانے، پیروں کے جنتی ٹوٹکے، "نکاہات" اور افکار و حوادث کے شر انگیز اور غائبانہ بر انداز کالم، بے نتیجہ شعر و اشعار، ہر اشاعت پر بیلدار چوکھٹوں میں فلاں شاعر کا "طبعزاد" یا "تازہ کلام"، ایڈیٹروں اور رہنماؤں کی آپس میں شرمناک لڑائیاں، سب کی سب پبلک کی اس ذہنی پریشانی کو کئی گنا کر دیتی ہیں۔ قومی ایڈیٹر یا مالک اخبار کو پبلک کے دلی محسوسات اور نفسیات کا پورا حکیم ہونا چاہیئے۔ اگر اُس کا اخبار فی الحقیقت قومی اخبار ہے تو ایسا پرانا مریض جیسا کہ مسلمان ہے اس دوا کو جس میں مٹی تلچھٹ اور تنکے نظر آ رہے ہیں کبھی پینا گوارا

نہ کرے گا، وہ اس شخص کو کوسے گا جس نے ایسی دوا لا کر دی ہے۔ پس پبلک کی نظر ایڈیٹر کے ہر فعل پر ہے اور جس اخبار پر ایڈیٹر کا نام بطور مدیر یعنی "چلانے والا" لکھا ہو اس کی ہر سطر بلکہ ہر کتابی غلطی، ہر آن، ہر عنوان کا ذمہ دار ایڈیٹر ہے، اگر ایڈیٹر نہیں تو مالک اخبار کسی صورت میں اس ذمہ داری سے نکل نہیں سکتا۔ دونوں صورتوں میں وہ اخبار ہرگز قوم کا اخبار نہیں ہو سکتا۔ قومی طاقت پیدا نہیں کر سکتا۔ خود "بڑی طاقت" نہیں بن سکتا۔ لوگ جب اس کو ختم کر کے اٹھیں گے، خالم خولی ہی اٹھیں گے۔ ذہن کے الٹے اور سیدھے نقش، اس کے مثبت اور منفی اثرات جو اخبار کے مطالعے سے پیدا ہو چکے ہیں فوراً ایک دوسرے کو مات کر کے پڑھنے والے کے دل میں وہ ویرانیِ خیال پیدا کر دیں گے جس کا نتیجہ قومی تعمیر کے حق میں صفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اخباروں سے قوم نہیں بنتی۔

فکاہات کے فحش کالم

فکاہات اور مضحکات کا نیا کالم، جو ایک مدت سے اسلامی اخبارات میں کسی بڑے آدمی کی بدسگالی کے باعث رائج ہے اور جس کو ہر نیا اخبار طاعون کے کیڑوں کی طرح اپنے اندر جذب کر لیتا ہے، فی الحقیقت مسلمان کے آج کل کے قومی اخلاق کی ہو بہو تصویر ہے۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ مسلمان بٹیر باز بٹیروں کی چونچیں تلوار کی طرح تیز کر کر کے آپس میں ان کو کیوں لہولہان کراتے ہیں، یا سپین میں اب تک بیلوں کی لڑائیاں کیوں اس شرمناک طریقے پر جاری ہیں۔ جواب ملا کہ قومی کیرکٹر کا سفلہ پن ہے جو مسلمان بٹیر باز یا سپین کے عیسائی ان میں راحت کے سامان دیکھ

رہے ہیں۔ اگر "ہنسی مخول" کے ان کالموں کو علیٰ ہذالقیاس قوم چٹخارے لے لے کر اس لئے پڑھتی ہے کہ اس میں کسی بزرگ کی پگڑی اچھالی ہوگی یا غیر قوم سے چھیڑ خانی کی ہوگی، تو یہ وہ جرم عظیم ہے جس کے ذمہ دار سراسر اخبارات کے ایڈیٹر ہیں۔ یاد رکھو کہ فکاہات کی ایک سطر جس میں اس طرح کے شیطانی جذبے سے کام لیا گیا ہے، اور جو قومی ایڈیٹر اپنی بے ہوشی میں آکر لکھ دیتے ہیں اور ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم نے یہ لکھا وہ لکھا پبلک کے ذہن سے اُن ایک ہزار وعظوں اور نصیحتوں کے اثر کو یک قلم مٹا دیتی ہے جو اس نے رو رو کر لکھی تھیں۔ جب ایڈیٹر ثقہ نہیں، اس میں اپنی ایڈیٹری کی وجاہت نہیں، اس کے الفاظ میں وزن نہیں تو جو کچھ وزن دار بھی کہیگا خود بخود صفر ہو جائے گا اس کے لئے کسی بڑے تدبّر کی ضرورت نہیں۔ ع

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا است

ایڈیٹر اگر اخبار میں مذاق چاہتے ہیں تو ہزاروں قسم کے بے ضرر مذاق یورپ کے کسی مقتدر رسائے میں آئے دن مل جاتے ہیں ان میں معصومانہ ہنسی ہے مگر کسی کو دُکھ دے کر نہیں۔ یہ یورپ کے بلند کیریکٹر کی روشن دلیل ہے کہ ان کے ادنےٰ سے ادنےٰ اخباروں میں ذاتیات پر بحث اس طرح نہیں جس طرح کہ ہمارے بلند طبقے کے اخباروں میں کئی سالوں سے موجود ہے۔ میں نہایت سوچ کے بعد کہونگا کہ اسلامی پبلک اگرچہ ان کالموں کو آنکھ بچا کر پڑھ لیتی ہے لیکن ہر ثقہ مسلمان پڑھنے کے بعد دل میں کہتا ہے کہ ایڈیٹر بہادر نے ہم سے یہ زناکاری جبراً کرائی ہم نے تو ایک آنہ خبریں پڑھنے کے لئے دیا تھا نہ اِن خرافات کے مطالعے کے لئے۔ کم علم مسلمان پر اس تحریر کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کو دُکھ دے کر خوش ہونا اپنی زندگی کا شعار بنا لیتے ہیں

اور تمام قوم کا کیرکٹر اونے ا کردیتے ہیں۔ ایڈیٹر کا مقام دیکھو کس قدر نازک ہے!

ایڈیٹر کی بدحواسی

پانچواں نکتہ جو اسلامی روزانہ اور ہفتہ وار اخباروں میں نمایاں ہے یہ ہے کہ ایڈیٹر کے دماغ میں قوم کو بہتر بنانے کی کوئی مستقل تجویز نہیں۔ اخبار کے مضامین مسلسل نہیں، ان میں ربط نہیں، آج کے لیڈر میں اگر کچھ ہے تو کل کے لیڈر میں کچھ اور۔ ابھی پبلک کسی ایک مضمون کے متعلق اپنے خیالات کو بنا سنوار رہی تھی کہ اگلے دن دوسرا مضمون پیش ہوگیا جس کا پہلے سے تعلق نہ تھا اور یہ اور وُہ دونوں ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیئے گئے۔ مجھے ایک نہایت ہوشمند اخبار پڑھنے والے شخص نے کہا "کریں کیا ایڈیٹر مخبوط الحواس ہیں۔ ابھی ایک معاملے کے متعلق نہایت خوبصورتی سے ایک بات کہی اور انتظار ہے کہ کل اسی کے متعلق کچھ اور ہوگا یا اس سے ایک قدم آگے بڑھینگے مگر کل ایڈیٹر اپنا پہلا لکھا ہوا بھول جاتا ہے اور تمام معاملہ کھٹائی میں پڑجاتا ہے"۔ دوسرے لفظوں میں اس کے معنی یہ ہیں کہ "قومی" اخبار کے ایڈیٹر کے ذہن میں کچھ نہیں۔ ایڈیٹر کا ہاتھ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے پبلک کی نبض پر ہونا چاہیئے۔ وہ اسی صورت میں مریض پبلک کو تندرست کرسکتا ہے اگر یہ نہیں تو صبح کو نیلوفر شام کو بادام روغن، اور پھر صبح کستوری کھلانے سے مریض کا تندرست ہونا ممکن نہیں!

اخبارات "بڑی طاقت" کیونکر بن سکتے ہیں

الغرض ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر یہ امر یقینی ہے کہ ہندوستان کا اسلامی پریس اُن

معنوں میں "بڑی طاقت" ہرگز نہیں جن معنوں میں پریس ہر جگہ بڑی طاقت تسلیم کیا گیا ہے۔ بڑی طاقت کے پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلا اور سب سے ضروری مرحلہ یہ ہے کہ اخبار کے کالموں میں پبلک گویا (یعنی بولتے والی) ہو۔ اخبار پبلک کی آواز ہو۔ پبلک کا آرگن (یعنی عضو ہو) نہیں، پبلک کا ارغنون* (یعنی باجہ) ہو۔ مختلف آوازیں کوئی اونچی کوئی نیچی، کوئی زیر کوئی بم مختلف اطراف سے آئیں اور سب کی ملاوٹ سے مزیدار راگ پیدا ہو، وہ لے سب کو مست کرے، ہم نوا اور یکسُو کر دے، ہارمونی پیدا کر دے۔ سب سمجھیں کہ قوم زندہ ہے، سب جاگ رہے ہیں، سب میں عمل کی تڑپ ہے، سب میں حرکت ہے، نہ یہ کہ اس میں صرف ایڈیٹر کی آواز ہو، باقی سب چُپ ہوں، دم بخود سُنتے ہوں، ساکت اور صامت ہوں۔ سقراط مٹکوں کو زمین پر اوندھے مار کر لکچر دینا سکھا کرتا تھا۔ ایسی آواز مٹکوں کے سامنے لکچر ہے۔ صدا بہ صحرا ہے۔ ایڈیٹر کی بڑائی اس میں ہرگز نہیں کہ صرف وُہی بول رہا ہے اور سب طوعاً و کرہاً سُن رہے ہیں۔ ایڈیٹر کی صحیح بڑائی اس میں ہے کہ پبلک اوپینین (یعنی عام لوگوں کی رائے) اُس کے ساتھ ہے، قوم اُس کی ہے، قوم کو گرما دیا ہے، قوم میں جان ڈال دینے پر قادر ہے۔ یا قوم اس کی آواز سے چیخ اُٹھی ہے، اس کو زخم اور تازیانے لگے ہیں، ایک طبقہ دُرست دُرست کہہ رہا ہے، دوسرا غلط غلط کہہ رہا ہے، یا ایڈیٹر جو کہتا ہے آمنّا کی آواز ہر طرف سے آتی ہے جو بولتا ہے صدّقنا کی سند مل جاتی ہے۔ جو کہتا ہے قوم سے کرا دیتا ہے، جو مانگتا ہے لے لیتا ہے۔ جنگ عظیم کے دَوران میں انگریزوں کو دُوربینوں کی ضرورت پیش آئی۔ محکمہ جنگ نے اعلان کیا کہ سب

* انگریزی زبان میں "آرگن" باجے اور عضو اور اخبار تینوں کو کہتے ہیں۔

کارخانے گولہ اسلحہ اور بارُود بنانے میں مصروف ہیں اس لئے دس لاکھ دوربینوں کی کمی قوم کے لئے باعثِ خطرہ ہے۔ ایک ہفتہ وار اخبار نے اعلان شائع کر کے تجویز پیش کی کہ ہر شخص جس کے پاس اُس کی اپنی ذاتی دُوربین ہے اپنے نام کا ٹکٹ لگا کر دفتر میں روانہ کردے۔ پہلے ہفتہ کے اندر اندر دو لاکھ دُوربینیں پہنچ گیئں۔ ایڈیٹر نے تعداد کا اعلان کر دیا۔ دوسرے ہفتہ سات لاکھ اور تیسرے ہفتہ جب دس لاکھ سے زیادہ پارسل پہنچنے لگے اعلان کیا کہ اب ضرورت نہیں رہی۔ اور نہایت متانت سے اپنا پہلا سلسلہ کلام پھر جاری کر دیا، یہ ایڈیٹر فی الحقیقت عظیم تھا۔ اُس کے اخبار میں "بڑی طاقت" تھی، اُس کی قوم بڑی تھی، اُس کی تحریر میں عظمت تھی، اُس کے اعلان اور قلم میں عظمت تھی، اس کے متانت سے اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھنے میں عظمت تھی۔ ناحقیقت شناس لوگوں نے کاہل، ناکارہ اور بے عمل شاعروں کو جن کی بابت قرآن حکیم نے یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنؕ کہا ہے؛ اور جو تنکا دُہرا نہیں کر سکتے انبیاء سے تشبیہ دی ہے۔ میں کہتا ہوں ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے، سرورِ کائنات علیہ التحیتہ والسلام کے قانون کے بعد کسی دوسرے قانون کی ضرورت باقی نہیں رہی، لیکن اسلام، تسلیم اور ایمان کے قانون پر عمل جاری رکھنے کے لئے ہر وقت، ہر قوم اور ہر اُمت میں نبیوں کے سے عمل کرنے والوں کی ضرورت ہے اور وہ نبیوں کے سائے آج قلم کے پروپاگنڈا کے زمانے میں، اگر کوئی لوگ ہو سکتے ہیں تو قومی اور سیاسی ایڈیٹر ہیں۔ یورپ کے ایڈیٹر نے کئی دفعہ اپنے زورِ قلم سے سلطنتوں کے تختے اُلٹ دیئے ہیں، بڑی سے بڑی ریفارم پیدا

---

* یعنی گمراہ لوگ ہی شاعروں کے پیچھے لگتے ہیں۔

کردی ہے، قومی کیرکٹر بدل دیا ہے مگر ہندوستان کا مسلمان ایڈیٹر افسوس قوم کے اِس انتہائی زوال کے زمانے میں کچھ نہیں کرسکتا!

لاطائل چارہ فرمائیاں

اِس میں شک نہیں کہ جہاں اخبارات میں نقص ہیں وہاں قوم میں نقص کچھ نہ کچھ ضرور ہیں۔ ان نقصوں کی فہرست ہمارے مرثیہ خوانوں کی طفیل کچھ مدّت سے اس قدر لمبی اور اتنی دفعہ بار بار دُہرائی گئی ہے کہ سورۂ فاتحہ کی طرح ہر شخص کی زبان پر ہے اور سورۂ فاتحہ کی طرح اِس کا مطلب معلوم نہیں رہا۔ مریض کے سامنے یہ کہتے رہنا کہ تمہارا دل کمزور ہے، تمہارا جگر بڑھا ہوا ہے، گُردوں میں صاف پتھری ہے معدہ کام نہیں کرتا، دماغ میں چکّر ہے، بدن پر پھوڑے ہیں، نظر کمزور ہے، زبان میلی ہے، رنگ زرد ہے، وغیرہ وغیرہ فی الحقیقت اُس مریض کے دماغ کو پریشان اور قوتِ ارادی کو کمزور کرکے تندرستی کی اُمید کو ہزاروں میل پرے ہٹا دیتا ہے۔ اُدھر مریض کے لئے ڈاکٹر کا یہ نسخہ لکھنا کہ بھائی جب تک تم اپنا دِل درُست نہ کروگے، جب تک جگر اپنا فعل نہیں کریگا، جب تک گُردوں میں دورانِ خون نہ ہوگا، جب تک معدہ صحیح نہ ہوگا، جب تک زبان صاف نہ ہوگی وغیرہ وغیرہ، تب تک تمہارا تندرست ہونا محال ہے، فی الحقیقت انتہائی درجہ کی بیہودہ گوئی اور نامعاملہ فہمی ہے مسلمان اِسی لئے آج پریشان ہے کہ کیا کرے اور کہاں جائے۔ اِدھر بیماریوں کی لمبی فہرست ہے اور اُدھر نسخے میں لکھا ہے کہ جب تک یہ "بیماریاں" دور نہ ہوں گی، جب تک مسلمان "قرونِ اولیٰ کی طرح

مسلمان" نہ ہوں گے، جب تک "رسولِ خدا صلعم کے اسوۂ حسنہ" پر عامل نہ ہوں گے، جبتک "صحابہ کرام کے قدم بقدم" نہ چلیں گے، جب تک "سچے مسلمان" نہ ہوں گے وغیرہ وغیرہ ان کا اس دنیا میں باقی رہنا محال ہے۔ میرا یقین ہے کہ ہمارے قومی حکیموں کو جو آئے دن یہ چیخ پکار پیدا کرکے آسمان کو سر پر اٹھا لیتے ہیں خود معلوم نہیں کہ یہ "قرونِ اولیٰ" کی طرح کے مسلمان بننا کیا شئے ہے، "صحابہ کرام کے قدم بقدم" چلنے کے کیا معنی ہیں؟ "سچا مسلمان" کس کو کہتے ہیں۔ اگر معلوم ہوتا تو یوں آئیں بائیں شائیں نہ کرتے، یوں کاغذ اور سیاہی کو ضائع نہ کرتے، یوں دفتروں کے دفتر لکھ کر نہ سُننے اور نہ ماننے والے پیدا نہ کرتے۔ جب لفظوں کا مطلب کچھ نہیں اور نسخے میں دوا کوئی نہیں، بلکہ بیماریوں کی فہرست لکھی ہے تو پبلک کیوں سُنے، کیا عمل کرے، کیا پیئے، کہاں جائے۔ میرا یقین ہے کہ مسلمان کی قوّتِ عمل اور سُننے کی طاقت دونوں اس لئے کم ہو چکی ہیں کہ کرنے اور سننے کی کوئی بات کہی نہیں جاتی، صرف بیماریوں کی فہرست گنا دی جاتی ہے۔ مسلمان کو جب کوئی رہنما کرنے کی کوئی بات کہہ دیتا ہے وہ فوراً کر دیتے ہیں، پکٹ لگا دیتے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں جیلخانے چلے جاتے ہیں، ہزاروں ھجرت کر جاتے ہیں، لاکھوں روپیہ چندہ دے دیتے ہیں، شہید ہو جاتے ہیں، قتل کر دیتے ہیں۔ توپ سے لڑ جاتے ہیں، خاموشی کا کہو تو خاموش ہو جاتے ہیں، ستیہ گراہا کا کہو تو ستیہ گراہا کر دیتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اُن کی بگڑی نہیں بنتی، رہنما غلط کراتے اور غلط سُناتے ہیں لیکن کرنے اور سُننے کی قوت ضرور موجود ہے۔ اگر قومی اخبارات کے ایڈیٹر بھی اِسی طرح کرائیں اور سنائیں تو ہر اخبار کے گرداگرد ایک بڑی اور سُننے والی

جماعت کا پیدا ہو جانا کچھ مشکل نہیں لیکن بڑی مشکل یہ ہے کہ اخبار بین پبلک کو جو کچھ اب تک سُنایا گیا بے معنی تھا، قوم کے درد کا علاج نہ تھا، سُننے جاننے اور کرنے کے قابل نہ تھا، غیر محدود تھا، غیر متعیّن تھا، بے نتیجہ تھا، بے مقصد تھا۔ اِس لئے مسلمانوں کے کئی بڑے بڑے اخبار ہونے کے باوجود اُن میں عمل کرنے والی جماعت پیدا نہیں ہو سکی۔ مسلمان پبلک آج صرف اخبار بینی کی دماغی عیّاشی میں گرفتار ہے، اس کی سُننے اور کرنے والی طاقتیں بیکار ہو چکی ہیں۔ پڑھا لکھا طبقہ ہندوستان میں پہلے ہی کم سُنتا اور کم کیا کرتا ہے، اُدھر اخبارات میں کرنے اور سُننے کی باتیں نہیں ہوتیں، اس لئے کوئی اسلامی اخبار آجتک "بڑی طاقت" نہیں بن سکا۔ مسلمانوں میں جو اخبارات "بڑی طاقت" بن کر غائب ہوگئے (مثلاً سیّد مرحوم کا تہذیب الاخلاق، یا غلام محمد مرحوم کا وکیل، یا محترم ابوالکلام آزاد کا الھلال) اِن کا اب ذکر کرنا بیسُود ہے۔

مسلمانوں کی فرقہ بندیاں

ایک دوسری شے جو اسلامی اخباروں کو "بڑی طاقت" بننے سے باز رکھ رہی ہے، یہ ہے کہ مسلمانوں کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ یہ نسبت سولہ آنے اور ایک پیسے کی بھی نہیں بلکہ اس سے بہت کم ہے۔ اس وجہ سے اخبار کی کوئی آواز ان پڑھ پبلک تک نہیں پہنچ سکتی۔ اُدھر آج کل کا چند جماعتیں لکھا پڑھا مسلمان بھی اِس قدر مغرور ہے کہ ان پڑھ سے آنکھ ملانا یا اس کو آنکھ اٹھا کر دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے "مساوات" جو ہر قوم کے اندر طاقت کا سچّا راز ہے مسلمانوں میں موجود نہیں رہی، اور جب تک "مساوات" موجود نہ ہو اتحادِ عمل

یعنی مِل کر کام کرنا ہو نہیں سکتا۔ اِن دِقتوں کے عِلاوہ مسلمانوں کی جماعت کے اندر خطرناک مذہبی فرقہ بندیاں ہیں جن کی وجہ سے اخبار اگر کسی فرقے کی حمایت نہ کرے تو "لامذہب" ہے اور اگر کرے تو صرف اُس فرقہ کا ہے۔ مذہبی فرقہ بندیوں کے علاوہ اب انگریزوں کی آمد آمد سے سیاسی فرقہ بندیاں زور پر ہیں۔ ایک حِصّے کا رہنما ایک پیشوا ہے تو دوسرے حِصّے کا کوئی اَور، اِس لئے اخبار کے لئے کسی ایک رہنما کی تائید بھی تجارت میں گھاٹا ہے۔ الغرض وجاہتی، مذہبی اور سیاسی فرقہ بندیوں نے مسلمان کی آواز کو بے حد کمزور کر دیا ہے اور چونکہ کرنے اور سُننے والے ہر قوم میں وہی لوگ ہوتے ہیں جو نسبتاً چھوٹے طبقے کے غریب لوگ ہوں اِس لئے یہ آواز اس وقت تک زور آور نہیں ہوتی جب تک کہ اوّلاً کوئی ایسی صورت پیدا نہ کی جائے جس کے ذریعے سے بلند طبقے کے لوگ ادنےٰ طبقے کے لوگوں کے ساتھ وہی برابر کا سلوک پیدا کریں جو دینِ اِسلام کا پہلا اور آخری سبق ہے۔ تم آگے چل کر دیکھو گے کہ خاکساری کی تحریک کی تعلیم یہی ہے۔

قومی طاقت کا عِلاج انگریزی تعلیم نہیں ہے

دوئم۔ قوم کے بعض مہربانوں کی یہ آواز کہ قوم کے رگ و ریشے میں انگریزی اسکولی تعلیم پھیلا دو، جب سب پڑھ جائینگے اور "قوم تعلیم یافتہ" ہو جائے گی آواز خود بخود زور آور ہو جائے گی، اِسلام اور مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے غلط ہے۔ مسلمانوں کی زیادہ تر کمائی آج کل صنعت و حرفت یا مزدوری اور زراعت پر ہے۔ اِن کے ہاتھ میں تجارت اور دَولت قطعاً نہیں۔ ان پیشوں کا دار و مدار زیادہ تر جسمانی طاقت اور بدنی محنت پر ہے، اور ان کے لئے انگریزوں کے مدرسوں

کی تعلیم کی ضرورت نہیں۔ انگریزوں کی مدرسہ میں دی ہوئی تعلیم ایک افیم ہے جو بے شک طبیعت میں سرور تو پیدا کر دیتی ہے لیکن جسم کو آہستہ آہستہ بیکار کر دیتی ہے۔ جب غریب مسلمان سب کے سب پڑھ جائیں گے، نکٹائیاں اور سوٹ پہن لیں گے تو وہ آدھی روٹی بھی جو آج کل ان کو کسی نہ کسی طرح پسینہ بہا کر مل جاتی ہے، نہ ملیگی۔ وُہ خدا اور رسول سے سب کے سب برگشتہ ہو جائینگے، کیونکہ انگریزی تعلیم کا ماحصل مذہب سے پرے ہٹا دینا ہے۔ مسجدوں میں ایک نمازی نہ رہیگا، امام نہ رہیگا، اذان نہ رہیگی۔ یہ سب غریب اَن پڑھ مسلمان کی طفیل ہے کہ مسجدوں پر آجتک قفل نہیں لگے۔ انگریزی تعلیم سے غریب مسلمان میں کرنے اور سُننے کی رہی سہی قابلیتیں باقی نہ رہیں گی، کیونکہ وہ آج کل جو کچھ کرتا ہے صرف مذہب کی بنا اور رسولؐ کی محبت پر کرتا ہے۔ اگر انگریزی تعلیم فی الحقیقت افیون نہ ہوتی تو انگریز اِس کو اِس ذوق شوق سے ہرگز نہ دیتے۔ پس یہ کہنا کہ عام تعلیم سے قومی زور یا قومی آواز پیدا ہو جائے گی، سر تا پا غلط ہے۔

مذہبی فرقہ بندیوں کا علاج

سوئم۔ مسلمانوں کی مذہبی فرقہ بندیوں کو بحثوں اور وعظوں یا باہمی نفرت پھیلا کر مٹانے کی کوشش کرنا غلط ہے۔ بحثوں، مناظروں اور وعظوں سے یہ نفرت اَور بڑھے گی۔ نہ سب شیعہ کبھی سُنّی ہوئے ہیں، نہ ہونگے۔ نہ سب سُنّی شیعہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے قومی آواز کو مضبوط کرنے کے لئے اخبار کا فرض ہے کہ مذہبی فرقہ بندی کے متعلق تمام بحثوں کے خلاف بے پناہ جہاد کرے۔

اسلامی سیاست کیا ہے؟

چہارم۔ سیاسی فرقہ بندیاں وہی اخبار کم کر سکیگا جس کی پیش کی ہوئی سیاست سب سے زیادہ دین اسلام کے مطابق ہو، سب سے زیادہ بلند اور زور آور ہو، حالات کو بپیش نظر رکھ کر سب سے زیادہ قابلِ عمل ہو، سب سے زیادہ کامیاب ہوتی جائے۔ دین اسلام کی سیاست ہر جگہ اور ہر زمانے میں صرف ایک ہی رہی ہے وہ صرف **مسلمان کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہے۔** هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ[†] اس غلبے کے دو معنے نہیں ہوسکتے، نہ اس کی کوئی تاویل ہوسکتی ہے۔ نہ قرآن روئے زمین سے مٹایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے سامنے کسی اور نصب العین کو سامنے رکھا جاسکے۔ جو اخبار اپنی تمام قوت مسلمان جماعتوں یا اُن کے رہنماؤں کو آپس میں لڑانے میں صرف کردیتا ہے اور اس سے بلند تر اُس کے سامنے کوئی شئے نہیں، اُس کی سیاست پست اور کمزور ہے۔ وہ بڑی جماعت اور بڑی طاقت پیدا نہیں کرسکتا، نہ اپنی طرف عام مسلمانوں کو کھینچ سکتا ہے۔ بلند سیاست یہ ہے کہ اس غلامی اور زوال کے دور میں مسلمانوں کی آپس میں لڑنے والی طاقتوں کو متحد کیا جائے، رہنماؤں کو اکٹھا کیا جائے، محلہ وار تنظیم کی جائے، شہر کو شہر اور صوبہ کو صوبہ سے ملا دیا جائے، عمل کرنے والوں کو میدان میں نکلنے کی ترغیب دی جائے، مجاہدانہ قابلیتیں بیدار کی جائیں، اسلامی نصب العین کو بار بار دہرایا جائے، ہمسایہ قوموں سے کامل رواداری پیدا کی جائے، حکومت سے پورا تحمّل ہو، اُس کا غیر مساوی مقابلہ کچھ

[†] ترجمہ: خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر بھیجا کہ وہ اس کو تمام باقی ادیان پر خواہ کافروں کو برا ہی لگے غالب کردے۔

نہ کیا جائے، رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ کا ماحول پیدا کیا جائے تاکہ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّار بن سکیں۔ کمزور کے حوصلے عمل کرنے کے لئے بلند کئے جائیں اور زور آور کے بلند تر۔ مسلمانوں کو اپنی پرانی تاریخ یاد دلائی جائے اُن پر قرآن واضح کیا جائے، ان کو حدیث کی حکمت سے آگاہ کیا جائے قومی نقائص کی طرف توجّہ دلائی جائے، دولت بڑھائی جائے، تجارت کے عملی سامان پیدا کئے جائیں۔ آپس میں ایک دوسرے کی فرمانبرداری کا اخلاق پیدا کیا جائے، سرکشی اور شیطانی جذبات مٹا دیئے جائیں۔ الغرض اجتماعی اور سیاسی غلبے کی ہوا پھر باندھ دی جائے۔ اخبار اگر "قومی طاقت" بن سکتا ہے تو صرف ان معنوں میں، ورنہ وہ زہر بیچنے والے کی دکّان ہے جس سے منافع تو ضرور ہوتا ہے لیکن اس کا نقصان نفع سے کہیں زیادہ ہے۔ اِثْمُھُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِھِمَا۔

"الاصلاح" کے اجرا کی غرض و غایت

ان تمام باتوں کو جو اوپر بیان ہوئیں حرف بحرف پیش نظر رکھ کر "الاصلاح" جاری کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جانتی ہے کہ یہ "خاکساری" کی تحریک کا اخبار ہے جو خاموش طور پر ایک مدّت سے ہندوستان کے مختلف حصّوں میں جاری ہے۔ خاکسار ہندوستان کے مختلف گوشوں، قصبوں، گاؤں، شہروں اور گلیوں میں پھیلے ہوئے اِس اخبار کی پُشت پر ہیں۔ خاکساری کی تحریک میں کسی ممبر کو اس کے عمل کی مزدوری نہیں دی گئی، نہ چندہ لیا گیا۔ اِس لئے یہ سب جماعت اوّل سے آخر تک مخلص اور سچّے مسلمانوں کی ہے۔ خاکسار کا اُصول یہ ہے کہ کسی مسلمان کے خلاف نہ ہو، سب ہمسایہ

طاقتوں سے رواداری رکھے، مجاہدانہ اور سپاہیانہ قابلیتیں پیدا کرے، اپنے سردار کی جو مقرر ہو کامل فرمانبرداری کرے، اللہ اور اسلام کی راہ میں جان و مال حتیٰ کہ فرزند و زن قربان کرنے کی طاقت پیدا کرے، پابندیٔ وقت کرے، خدا کے سوا کسی طاقت سے خوف نہ کھائے، رُوئے زمین کی بادشاہت اور اسلام کا اجتماعی غلبہ اس کے پیش نظر ہو، روحانی جذبات کو پیدا کرے، شیطانی اور نفسانی جذبات کو کچل دے، خدمتِ خلق کرے، نماز قائم کرے، قطار میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کی اُونچ نیچ کو عملاً برابر کر دے، فوج کی طرح مارچ اور سپاہیانہ قواعد کرے، تمام غفلتوں اور سُستیوں کو دُور کرے۔ نبیؐ کی سُنّت سمجھ کر بیلچے کا اوزار پاس رکھے، خاکی وردی بنائے اور اس پر اُخوّت (بھائی چارہ) کا سُرخ نشان لگائے، آپس میں جب ملے فوجی سلام کرے، حتی الوسع صرف خاکسار سے سودا لے تاکہ اقتصادی حالت درست ہو، مسلمان سے مذہبی عقیدوں کے متعلق بحث نہ کرے، کسی سیاسی رہنما کے خلاف نہ ہو، حکومتِ وقت کے خلاف نہ ہو، اپنے مقرر کردہ سالار کو پہچانے اور اس کے ہر حکم کو خواہ وہ کتنا ہی تکلیف دہ ہو بلا حیل و حجّت مانے، ہر مسلمان کو بلالحاظ فرقہ ایک لڑی میں پروئے جانے کی ہر موقعہ پر تبلیغ کرتا رہے، خاموشی اختیار کرے، سُننے اور کرنے والا ہو، کہنے اور نہ کرنے والا نہ بنے۔ یہ وہ اصول ہیں جن کی بنا پر "الاصلاح" کی عظیمُ الشّان عمارت کھڑی کی جائے گی۔ گویا چند لفظوں میں اس اخبار کا مقصد ایک دفعہ مسلمانوں کو پھر اتحاد اور عمل کی طرف دعوت دینا ہے۔ مسلمان کو بحیثیت مجموعی طاقتور اور غالب بنانا ہے، اَنتُمُ الاَعلَونَ اِن کُنتُم مُؤمِنِین کی شرط

پوری کر کے جزا کی طرف لپکنا ہے، خدا کی راہ میں جان اور مال دینے والے مخلص اور سچے مسلمانوں کو گوشوں سے نکالنا ہے، مسلمانوں کی ایک اور صرف ایک صف پھر پیدا کرنا ہے۔ آٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے کم از کم دس لاکھ نوجوانوں، بوڑھوں، امیروں اور غریبوں، حکومت کے ملازموں اور غیر ملازموں، فوج والوں اور پولیس والوں، چھوٹوں اور بڑوں، نیکوں اور بدوں کی ایک سپاہیانہ قواعد جاننے والی، چست اور چالاک، اونچی نظروں والی، بیلچے کے شرمندہ کن ہتھیار کو کندھے پر رکھنے والی، وقت کی پابند، سالار کی فرمانبردار، اللہ کی غلام، رسولؐ کی مطیع، قرونِ اولیٰ کے اسلام کو سمجھنے والی جماعت ہندوستان کے ہر گوشے میں پیدا کرنا ہے۔ خاکساری کی تحریک کوئی نیا مذہبی فرقہ نہیں۔ اس کا مقصد سب فرقوں کو جو اسلام کے اندر مختلف رنگ کے خوشنما پھول ہیں، ایک گلدستے میں باندھ کر اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ کی حدیث شریف کو پھر سچا ثابت کرنا ہے۔ خاکساری کی تحریک کوئی سیاسی جماعت بھی نہیں نہ اُس کے پیشِ نظر حکومت سے اُلجھنا ہے۔

"الاصلاح" کے مضامین

لیکن "الاصلاح" کا یہ مقصد جو اوپر بیان ہوا صرف اُنہی مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے جو اس کی تعلیم سے اثر لے کر تحریک میں عملی طور پر شامل ہو جائیں۔ اس کے علاوہ دوسرا بڑا مقصد اِس اخبار کے اجرا سے یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے سامنے خواہ وہ اِس تحریک میں

شامل ہوں یا نہ ہوں، ایک بڑے بلند پائے کا ہفتہ وار اخبار پیش کر دیا جائے، اس میں اسلام اور قرآن کی سچی تعلیم کو بے خوف و خطر پھر کھول کر رکھ دیا جائے۔ وہ غلاف اور پردے جو کم فہم اور بزدل معلموں نے قرآنِ حکیم کی تعلیم پہ ڈال رکھے ہیں یکسر اُلٹ دیئے جائیں، اخبار صرف مفیدِ قوم اسلامی اور غیر اسلامی خبروں کا مجموعہ ہو، اس میں تاریخی اور علمی مضامین ہوں، نامور لوگوں کے کارنامے ہوں، بڑی بڑی کتابوں کے مسلسل مضامین ہوں، بڑی بڑی قومی تحریکوں کا جو کامیاب ہوئیں حال درج ہو، دلچسپ معلومات ہوں، اس میں جو لکھا جائے ذہنی پریشانی نہ پیدا کرے، تمام اخبار اوّل سے آخر تک پڑھنے والے کو مستقل فائدہ دے، اس میں بے نتیجہ شعر و اشعار نہ ہوں، صرف دیانت دار اور حتی الوسع محنت سے روزی کمانے والوں کے اشتہار لئے جائیں۔ پبلک کا اعتماد اُن کی پیش کردہ چیزوں پر پیدا ہو، اخبار پبلک کی آواز ہو، اس میں ہر رائے والا شخص اپنی رائے کھلے طور پر دے سکے، اس کو پڑھنے والی پبلک ہر وقت حرکت کرتی رہے، اس میں صرف ایڈیٹر کی آواز ہو، عنایت اللہ مشرقی کی آواز نہ ہو، اس میں مسلمانوں کے ہر ہوش والے شخص کی آواز بول رہی ہو۔ الغرض یہ اخبار ایک **"بڑی طاقت"** کا مالک بنے اور مسلمانوں کی بڑی سے بڑی جماعت اس کی حمایت میں ہو!

"الاصلاح" کی پالیسی

"الاصلاح" کا یہ پہلا پرچہ سر دست پانچہزار مسلمانوں† کے پاس بذریعہ ڈاک بھیجا جا رہا

† اس کے بعد دس ہزار کے دو اور ایڈیشن شائع ہوئے۔

ہے۔ غور سے پڑھنے والوں کو اسی اشاعت سے اندازہ ہوجائے گا کہ اخبار آئندہ چل کر کیا ہوگا۔ اخبار کی مستقل پالیسی دعوت العمل کے عنوان کے ماتحت اسی پرچے میں شائع کردی گئی ہے۔ اس اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ کسی خریدار یا مضمون نگار کو اخبار کی پالیسی کے متعلق شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ کوئی مضمون جو اس پالیسی سے باہر ہوگا درج اخبار نہ ہوسکے گا۔ اخبار کی پالیسی کو چھپا رکھنا دراصل تمام پبلک کو مدتوں تک اندھیرے میں رکھنا ہے۔ اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور نہ پبلک سمجھتی ہے کہ اخبار کا مقصد کیا ہے۔ اگر اخبار اور پالیسی کو پڑھ کر پسند کرنے کے بعد ہر شخص خود خریدار بن جائے اور اگر زیادہ کرنا چاہتا ہے تو دو چار پانچ اور خریدار پیدا کرے تو اخبار آج ہی سے قوم میں ایک حیرت انگیز حرکت پیدا کرسکتا ہے۔ آج ہی سے عمارت کی پہلی اینٹ رکھی جاسکتی ہے آج ہی سے فتح کی منزل کی طرف سفر شروع ہوسکتا ہے۔ اس پہلے پرچے کے بعد مستقل خریداروں کو چھوڑ کر کسی صاحب کو دوسرا پرچہ اُس وقت تک نہ بھیجا جائیگا جب تک کہ اِس کی ایک سال یا کم از کم چھ ماہ کی خریداری کا خط منیجر "الاصلاح" اچھرہ لاہور کے نام نہ پہنچ جائے۔ خریداروں کو چاہیئے کہ پہلے نمبر سے پرچے طلب کریں تاکہ اخبار کی پوری فائل ان کے پاس موجود ہو۔

"الاصلاح" کی ملکیت

"الاصلاح" کی مالک صرف تحریک ہوگی۔ اخبار کی آمد سے چھپائی اور عملے کا خرچ

نکال کر جو کچھ بچ رہا تحریک کے مرکزی بیت المال میں جمع کر دیا جائیگا اور اس کا حساب شائع ہوگا۔ میں بلکہ میرے ساتھ کئی اور جو شامل ہوتے جائینگے اپنے لکھنے اور محنت کی اُجرت نہ لیں گے۔ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ کی شان انبیائے کرام علیہم السّلام نے انسان کو سکھلائی ہے اور میں اس کو بہر حال پسند کرتا ہوں۔ میرے پاس خدا کی جناب سے قناعت کے بڑے خزانے ہیں اور وہ زیادہ تر اس لئے کہ میں اور مسلمانوں کی عادت کے خلاف چار آنے خرچ نہیں کرتا جب تک کہ چھ آنے میری جیب میں نہ ہوں، اپنی چادر سے باہر تمام عمر کبھی پاؤں نہیں پھیلائے، کبھی کوئی بدمعاشی نہیں کی، ایک پیسہ بچانے کے لئے ایک میل کا پیدل سفر بھی کر لیتا ہوں، وقت پر اپنی روٹی آپ پکا لیتا ہوں، اپنا جوتا گانٹھ لیتا ہوں، کپڑے کو آپ پیوند لگاتا ہوں، اسی لئے جز رس، کفایت شعار بلکہ کنجوس مشہور ہوں، لیکن الحمدللہ کہ آج تک کسی کا محتاج نہیں ہوا، کسی سے قرض نہیں لیا، کسی کا کچھ اپنے ذمے نہیں رکھا، اپنے ناخنوں کی کمائی کے بغیر کسی کا کچھ نہیں کھایا۔ اگر اخبار نکال کر ہی روپیہ کمانا تھا تو دو ہزار روپیہ ماہوار کی ملازمت جس میں صرف چند گھنٹے دفتر جاتا تھا کیوں چھوڑتا۔ میں نے خاکساری کی تحریک کے لئے اپنی زندگی محفوظ رکھی ہے، اس لئے اس کے علاوہ اخبار چلانے میں مجھے انتہائی تکلیف ہے اور اس بوجھ کو جو میرے کندھوں پر مجبوراً آ پڑا ہے دیکھ کر لرز جاتا ہوں۔ تذکرہ کی شدید اور جانکاہ محنت نے جو بارہ برس ہوئے کی تھی مجھے گلے کی پرانی بیماری کا شکار کیا ہوا ہے۔ وہ ولایت میں جا کر علاج کرانے کے باوجود نہیں ہٹی، اس لئے لکھنے پڑھنے کی محنت کو اب برداشت نہیں

کرسکتا۔ البتہ ویسے پورے طور پر تندرست ہوں اور پچھلے چار سال سے تحریک کے لئے دو دو بجے رات تک لگاتار بھاگ دوڑ کرتا رہا ہوں۔

تحریک کے متعلق تجربات اور "الاصلاح" کی ضرورت

"الاصلاح" کو مجبوراً اس لئے نکالنا پڑا کہ تحریک میں پچھلے تین سال کے تجربہ نے حسب ذیل باتیں ثابت کردی ہیں:۔ (۱) غریب اور متوسط درجے کے تمام مسلمانوں میں ایمان کا بڑا حصہ موجود ہے اور وہ اسلام کی خاطر اور غلام قوموں سے بہت زیادہ تکلیف اُٹھانے کے لئے تیار ہیں۔ (۲) اوپر درجے کے مسلمانوں میں اُمید کے خلاف مخلص اور کارکن آدمی موجود ہیں۔ ان کی ایک بڑی تعداد موجود ہے لیکن اُن تک تحریک کی آواز پہنچانے کا ذریعہ موجود نہیں۔ (۳) مسلمانوں میں سرداروں کی کمی ہے۔ ان کی انتظامی قابلیت پر جو اُنہوں نے پچھلے تیرہ سو برس بادشاہ رہ کر حاصل کی تھی تھوڑا سا زنگ لگ گیا ہے، وہ چند صد خاکساروں کا ایک جمگھٹا دیکھ کر بھی گھبرا جاتے ہیں کہ انتظام کیسے کریں، اپنے علاقے میں دیر تک نظم و نسق کیسے قائم رکھیں۔ اس لئے سرداروں کی اس قابلیت کو چلا دینا ضروری ہے (۴) عام طور پر ہندوستان میں جس شہر یا گاؤں میں خاکساری کی تحریک قائم ہو چکی ہے صرف ایک دو سچے اور مخلص مردانِ میدان کے بل بوتے پر قائم ہوئی ہے۔ ضرورت ہے کہ کثرت سے ایسے شخصوں تک پیغام پہنچایا جائے (۵) محلہ دار تنظیم میں خاکساروں کی جماعت کا دارومدار صرف سالار محلہ پر

ہے سالار محلہ اگر دس برس اپنے فرض پر قائم رہے خاکسار دس برس اپنے فرائض بجالانے کے لئے تیار رہیں لیکن جماعت اُسی دن مجبوراً بیٹھ جاتی ہے جب اُس کا سردار غافل ہو، اس لئے ہر محلہ میں مستقل مزاج سالار پیدا کرنے ضروری ہیں۔(۶) تحریک فوراً اُس جگہ شروع ہو جاتی ہے جہاں میں خود پہنچوں یا تحریک کا کوئی قابل سردار پہنچ جائے۔ مختلف شہروں میں لوگوں کو اس کا بے حد انتظار رہے، روزانہ خطوط آتے رہتے ہیں کہ آیئے ہم تیار ہیں ہم کو سمجھایئے۔ چونکہ ہر جگہ جانا نہیں ہو سکتا ضرورت ہے کہ اخبار اس انوکھی اور نرالی وضع کی بیلچہ اُٹھانے والی تحریک کو ہر دم سمجھاتا رہے اور لوگ خود بخود شروع کر سکیں۔(۷) اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ایک شہر کے خاکساروں کو ہر دوسرے شہر کے خاکساروں کے مخلصانہ عمل، ان کی خدمتِ خلق، اُن کی اسلام کے لئے جانکاہ تکلیفوں کا ہر وقت پتہ لگتا رہے، اُن کو معلوم ہوتا رہے کہ اگر آج ہم لاہور میں اس وقت رات کی تاریکیوں یا چاند کی چاندنیوں میں تکلیف اُٹھا کر سپاہیانہ قواعد کر رہے ہیں تو بعینہٖ اسی وقت لاہور سے بارہ سو میل دور جنوب کی طرف (دکن میں)، تین سو میل مغرب کی طرف پشاور میں، پندرہ سو میل مشرق کی طرف کلکتہ میں خدا کے سچے اور مخلص بندے خدا اور اسلام کے لئے اپنا شام کا دو گھنٹہ کا وقت مخلوقِ خدا کی خدمت میں یا سپاہیانہ قواعد کر کے یا نماز اکٹھے پڑھ کر گزار رہے ہیں۔ اگر جمعہ کو سالاروں کا جلسہ لاہور میں ہوتا ہے تو بعینہٖ اسی وقت یہ پروگرام ہر جگہ رائج ہے۔ اگر شہر کے کوٹ پتلون اور انگریزی ٹوپی والے "مہذب" خاکسار بیلچہ کندھوں پر اٹھائے ہوئے کسی جگہ مارچ کر رہے ہیں تو ایک گمنام

ضلع کے دور کے تاریک گاؤں میں تہمد پوش، اَن پڑھ اور اُجڈ جاٹ بھی اسی طرح اپنے تہمد پوش سالار کی سالاری میں چل رہے ہیں۔ الغرض اس اخبار سے حرکت کرنے والوں کے حوصلوں کو بلند کرنا مقصود ہے گویا ان کی حرکت کو حرکت دینا پیش نظر ہے۔

"الاصلاح" کے اجرا کا اہم مقصد

لیکن اخبار کے نکالنے کا اِس سے ایک اور مفید تر مقصد بھی ہے جو اِن تمام مقاصد سے بلند تر خیال کیا جا سکتا ہے محترم علاؤالدّین ایم اے ایم او ایل پرنسپل دار العلوم السنۂ مشرقیہ ایک بلند پائے کے مقرّر اور ریفارمر ہیں، تحریک میں خاکسار، بلکہ سالار ہیں۔ یہ کچھ خدا کی طرف سے ہے کہ جو شخص اِس تحریک میں داخل ہو جاتا ہے۔ کہیں نہ کہیں سے اس کو عمدہ ملازمت یا کام مل جاتا ہے، اُن کو بھی بیلچہ اٹھاتے دیکھ کر حکومت نے اپنی طرف کھینچ لیا اور دلچسپ ملازمت دے دی۔ طرفہ یہ کہ روز بروز نئے عہدوں کی پیش کش اُن کے سامنے لاکر رکھ دی جاتی ہے اب کچھ کشمکش دپنج میں ہیں کہ بیلچہ اٹھاؤں یا سرکار کا قلم۔ لیکن یہ صرف میرا وسوسہ ہے۔ خیر یہ تو درمیان میں بات آگئی محترم علاؤالدین نے مجھے کہا کہ میں اپنی تقریروں میں پہلے وہی آجکل کے ملّاؤں والا ذلّت اور غریبی دینے والا شکست کھا کر بیٹھ جانے والا، ایک دوسرے کو کافر بنانے والا اسلام پیش کیا کرتا تھا اور حیران تھا کہ لوگ کیوں متوجہ نہیں ہوتے اب جب سے تحریک میں داخل ہوا ہوں قرآن والا، بادشاہت اور بلندی والا، ہمّت اور چستی والا، اتحاد اور غلبے والا، اِن لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ

اِلّا مَا سَعیٰ اور تذکرہ والا، اسلام پیش کرتا ہوں، وہ منہ کھول کر پڑے دیکھتے ہیں کہ ہیں، یہ کیا معاملہ ہے؟ کیا ہم اس دنیا میں بلندی، بادشاہت اور غلبے کے لئے آئے تھے اور کیا اس کی جزا جنّت ہے؟ مولوی تو ہمیں یہ کہتا ہے کہ غریبی اور مفلسی اختیار کرو، فاقوں میں مست رہو، غریبی اور فاقے محبوبِ خدا کو پسند ہیں، دولت اور دنیا پر لات مارو کہ دنیا مردار ہے، اور یہ مونچھ ڈاڑھی کٹا مولوی ہم کو کیا دِل لگتی بات کہہ رہا ہے۔ کیا قرآن میں فی الحقیقت یہی لکھا ہے کہ تم جب تک سب پر غالب نہیں ہو مومن نہیں ہو سکتے؟ الغرض اخبار کا بڑا مقصد ہمارے نافہم معلّموں کی اِس ناپاک تعلیم کے پرخچے اُڑا کر رکھ دینا ہے۔ میری طرف سے، اور میرا یقین ہے کہ "الاصلاح" کے اور مضمون نگاروں کی طرف سے، جو کچھ پیش ہوگا صرف قرآن اور حدیث ہوگا۔ سرورِ کائنات علیہ التحیّۃ والسّلام کا عمل ہوگا صحابۂ کرام کا عمل ہوگا، صرف اوامر اور نواہی کا پیش کرنا ہوگا، الغرض عملی مذہب ہوگا۔ عقائد کی بحثوں یا مذہب کے اُن باریک نکتوں پر جن کی وجہ سے مسلمان آپس میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے ہیں، بحث بالکل بند رہے گی۔ نہ قرآن اور حدیث کے مطالب کے متعلق کسی جوابی یا جواب الجوابی بحث کی اجازت ہے۔ اخبار میں وہی شائع ہوگا جس سے مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو، اُن کی قوّت اور شان بڑھے، دینِ اسلام کی عظمت ظاہر ہو۔ ہر فرقے کے تمام عقیدوں کو عزّت کی نظر سے دیکھا جائے گا اور نہ کسی عقیدے کو دوسرے عقیدے پر فضیلت دی جائے گی۔ علیٰ ہذا القیاس "الاصلاح" ملکی سیاست کی بھول بھلیاں میں پڑکر کسی سیاسی جماعت یا حکومتِ وقت کے خلاف یا اُن کے حق میں کسی

"سازش میں شریک" نہ ہوگا۔ لیکن ملکی سیاست پر تنقید یا اس کے متعلق رائے دہی بے خوف وخطر ہوگی۔ "الاصلاح" کا فرض ہوگا کہ ملک اور قوم کی بہتری کے لئے خاکساری کی غیر سیاسی تحریک کو ملک کی تمام سیاسی یا غیر سیاسی تحریکوں سے افضل اور برتر ثابت کر دے لیکن سب رہنماؤں کی دلی عزت کرے۔

اگر مسلمان "الاصلاح" کو فی الحقیقت "بڑی طاقت" بنانے کے خواہاں ہیں تو اس کی پہلی منزل یہ ہے کہ اس کے جاری ہونے کی اطلاع ہر کان تک پہنچا دیں۔

لاہور ۱۰ر شعبان ۱۳۵۲ھ　　　　　　عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ
کِسْفاً مِنَ السَّمَاءِ

جریدۂ "الاصلاح" کا عربی افتتاحیہ

مطبوعہ "الاصلاح" ۷ر دسمبر ۱۹۳۴ء مطابق ۲۹ر شعبان ۱۳۵۳ھ

"الاصلاح" کے عربی افتتاحیہ کے لئے جو اُردو ترجمہ کے ساتھ میرے قلم سے شائع ہونا تھا اس اشاعت میں قریباً چار کالم محفوظ رکھ کر کتابت شروع کر دی گئی تھی، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے لئے کم از کم آٹھ کالم کی جگہ درکار ہے۔ اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ اگلی یعنی ۱۴ر دسمبر کی اشاعت میں اِس عظیم الشان افتتاحیہ کو جو عربی اور اُردو دونوں زبانوں کا شاہکار ہے، عالمِ اسلام اور خاص کر ہندوستانی مسلمانوں کی دائمی تنبیہ اور سرزنش کے لئے خاص اہتمام سے شائع کیا جائے۔ ۱۴ر دسمبر تک ماہ رمضان اپنی پوری شان میں آچکا ہوگا۔ مسلمانوں کے نفس جو تمام سال کے لذیذ کھانوں اور بے پروائیوں سے موٹے ہو گئے تھے، کچھ کچھ مر چکے ہونگے۔ اللہ جل شانہ کے عظیم الشان قانون کی تقسیم اس کی حکومت کے علم بردار فرشتوں کے ذریعے سے عین عروج پر ہوگی، جس قوم کو جو کچھ دینا ہے جریدۂ رحمت میں لکھا جا چکا ہوگا، جس سے جو کچھ چھیننا ہے نُشتیانِ تعذیب درج کر چکے ہونگے، ایسے وقت میں "کِسْفاً مِنَ السَّمَاءِ" یعنی "آسمان کے ٹکڑے" کا جو اس افتتاحیہ کا عنوان ہے، نازل ہونا ایک بے عمل اور گری

ہوئی اُمّت کے لئے چونکا دینے والا تازیانہ ہے۔ اُس افتتاحیہ کا ایک حرف بے دلیل نہیں لکھا گیا، ایک حرف زائد اور حشو نہیں۔ سب کے لئے سوچ کا کھُلا موقع ہے کہ جو لکھا ہے اُس کی آسمانی سند کیا ہے۔ بلاغت اور فصاحت نہیں، کہ لکھنے والے کو جدھر چاہے بہا کر لے جائے، یہ زورِ صداقت کا دریا ہے جس کا باطل کو بہالے جانا اٹل ہے۔ اگر مسلمانوں اور بالخصوص ہوش والے مسلمانوں نے اِس مقالہ کی دلیل کو پالیا، قرآن کے الفاظ سے جو اس کے اندر بطور سند کے پیش کئے گئے ہیں دہشت زدہ ہوگئے، اور اس آسمان کے ٹکڑے کو تیرہ سو باون برس بعد پھر فی الحقیقت ایک آسمانی پیغام، ایک آسمانی سرزنش یا رمضان کے مہینے میں قرآن حکیم کا آسمان سے **دوبارہ نزول** سمجھا تو آج سے بگڑی بن سکتی ہے، پھر مسلمان کا اُجڑا ہوا باغ لہلہا سکتا ہے، پھر سرو و سمن وجد میں آسکتے ہیں، پھر کھیتیاں ہری بھری ہو سکتی ہیں۔ لیکن اگر مسلمان کو قرآن عظیم سے بے پروائی ہے، اگر اُس کو خدا کے الفاظ کا کچھ خوف نہیں رہا، اگر قرآن رٹ رٹ کر بے اثر ہوگیا ہے، اگر اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ٥ (یہ تو وہی ہے جو پہلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں) کے کہنے والے، کافروں کی جگہ مسلمان پیدا ہوگئے ہیں، اور مسلمان آنکھیں ہوتے ہوئے نہیں مانتا کہ اسی قرآن کے چند حروف پر **عمل** تھا جس کی طفیل مسلمانوں کی گاڑی تیرہ سو برس تک چلتی رہی تو پھر میں بھی حضرت نوح علیہ السلام کی طرح دُعا مانگونگا کہ اے اللہ! تو اس میرے کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ کو فی الحقیقت آسمان سے ایسی بڑی بھاری سزا کا ٹکڑا بنا دے کہ ایک ایک مسلمان جو اس وقت لمبی تان کر سو رہا ہے، تیری نعمت میں مگن اور تجھ سے منکر ہے، تیری ذلت پر ناراض اور پھر تجھ سے مکر کر رہا

ہے، تیری بلاؤں کو ابتلا اور تیری سزاؤں کو امتحان کہہ کر ٹال رہا ہے، بلبلا اُٹھے، اِس سزا کو دیکھ کر تیرا مکمّل اقرار تو کر لے۔ اِس کائناتِ سعی وعمل میں تیرا منہ سے اقرار کرنا اور ہردم تیرے قانون سے روگردان ہونا، تیرے قرآن کو چومتے رہنا اور اس کے حکموں کو پاؤں تلے رَوندنا، تیرے رسُول کے نام کو آنکھوں سے لگانا، اور اُس کے حکم کو ایک پھٹے ہوئے بوریے کی محبّت کے برابر نہ سمجھنا وہ مکروفریب ہے کہ میرا چھوٹا سا حوصلہ اس کا متحمّل نہیں ہوسکتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اِن اوپر کے فقروں پر جو **خلیل کی آگ** اور **جبرئیل کی تپش** نے مجھ سے بنوکِ سنگین لکھوائے ہیں مسلمانوں کا وہ مقطع اور چورس طبقہ جس کی حقیقت آج غازی مصطفےٰ کمال نے اپنے پیغام میں کھول کر رکھ دی ہے تمتما اُٹھیگا کہ "دیکھا اِس مشرقی میں آخروہی نبوّت کے آثار! دیکھا وہی رنگ وروغن! حضرت نوحؑ والی دعائیں مانگتا ہے خلیلؑ کی آگ اور جبرئیل کی تپش کا ذکر کرتا ہے، ابھی اخبار کے دو نمبر نہیں نکلے اور یہ دعوے ہیں وغیرہ وغیرہ"۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ یہ سب نہ کرنے کے بہانے اور آرام سے بیٹھنے کے عذرات ہیں۔ قرآن کے متعلق ان کی رگ بے حِس ہوچکی ہے، برسوں اور صدیوں تک رَٹ رَٹ کرنا کارہ بن چکے ہیں، اس کے مفید ہونے کے متعلق ان کے عقیدے متزلزل ہوچکے ہیں، اس کو پڑھ پڑھ کر چند پیسوں کے عوض بیچا گیا، اس کی پڑیوں میں لپیٹ کر قیمت لے لی گئی، اِس کو مریضوں پر پھُونک پھونک کر پیسے وصول کئے گئے، اس کو مُردوں کو سُنا سُنا کر پیٹ پالا گیا، ایسا قرآن ان کو بے حِس نہ کرتا تو کیا کرتا۔ پس اگر وہ طبقہ جس نے صدیوں تک "عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل" (یعنی میرے قرآن کے جاننے والوں کا عمل بنی اسرائیل کے نبیوں کا سا عمل ہوگا) کا مصداق بن کر اسلام کی

گاڑی کو چلائے رکھا تھا، اگر آج اس کے ناخلف اس قرآن کو دیکھ کر کچھ حرکت نہیں کرتے تو کیا ہم عام مسلمان جو اس طبقے میں شامل نہیں، جنہوں نے قرآن کو صرف جزدانوں میں پلٹے ہوئے اور بالائے طاق رکھے ہوئے دیکھا ہے، جنہوں نے تاریخ میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ قرآن آیا اور مسلمان دنیا پر چھا گئے، قرآن آیا اور بادشاہت ساتھ آگئی، قرآن آیا اور عرب کے شیر شتر پینے اور سوسمار کھانے والے جنگلی کیقباد کے تخت اور کسرے کے تاج کو پاؤں تلے روندنے لگے، طارق نے سپین پر کشتیاں دوڑا دیں، قاسم سندھ پر چڑھ آیا، ابن وقاص نے یزدجرد کو ہتھکڑی لگا دی، کیا ہم عامی مسلمان آج اس کو پھر حیرت سے کھول کر نہ دیکھیں گے، پھر اس کے راز کو نہ سمجھیں گے، پھر بنی اسرائیل کے انبیا کی مانند نہ بنیں گے، پھر آستینیں چڑھا کر کھڑے نہ ہو جائیں گے، پھر زمین پر ڈاکہ نہ ماریں گے۔ مولوی کی ظاہری شکل وصورت، اُس کا تعزز اور وقار، اس کی بڑی پگڑی، اس کا "امام" اور پیشوا ہونا، اُس کے منہ میں اللہ کا کلام ہونا، اس کا بڑا اور بہت بڑا ہونا، اس کا خدا کے قریب ہونا، اس کا "عالم" ہونا، اس کا جھوٹا کبر، اس کا فرضی تحکّم، اس کا بے فوج جرنیل ہونا اس کو قرآن پر عمل کرنے سے روک رہا ہے۔ سرور کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بعثت کے بعد تمام عمر تلوار ہاتھ میں رکھی، ان کے ہاتھ میں دو تو مسکرا کر واپس کر دیتے ہیں، اتنا بڑا رسولؐ گلیوں اور بازاروں میں جا جا کر لوگوں کو قرآن سُناتا تھا، یہ اپنے حجروں میں مقطع اور چورس بنے بیٹھے ہیں اور در بدر پھرنے کی شرم گوارا نہیں کرتے۔ اللہ کے پیغام کے آخری پیغامبر خود اپنی فوج کو کمان کیا کرتے تھے، ان کے سامنے دس آدمی قطار میں کھڑے کر دو تو شرما کر بھاگ جاتے ہیں، ختم رسلؐ اور محبوبؐ خدا بیلچہ مار مار کر خندق کا بڑا پتھر

تین ہزار صحابہ کرام کی معیت میں توڑتے رہے اور بالآخر توڑ کر دکھا دیا، اسی خندق سے ٹوکریاں بھر بھر کر باہر پھینکتے رہے، ان کے ہاتھ میں بیلچہ دیدہ و تو ادھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں کہ کوئی دیکھتا تو نہیں! سید عالم اور فخر دو جہاں کی بی بیاں چکّی پیس پیس کر اور پیوند لگا لگا کر عمر گزارتی رہیں، ہمارے زمانے کی "اُمّہات المومنین" استری کی ہوئی قمیضیں اور اونچی ایڑی کے بوٹ، لپس اور رِفیتے پہن رہی ہیں، فاروق اعظمؓ امیر المومنین ہو کر اور خالدؓ کے افسر بن کر روزانہ مشک کندھے پر لئے بوڑھی عورتوں کے گھروں میں پانی ڈالا کرتے تھے، ان بے فوج کے جرنیلوں کو کہہ دو تو کہنے والے پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دیں گے۔ یہ لوگ "اسوۂ رسولؐ اسوۂ رسولؐ" کے الفاظ لئے پھرتے ہیں، اگر "اسوۂ رسول" یہ نہیں تو کیا پھر ڈاڑھیوں کو خاص قطع پر بنا لینا، مونچھوں کے درمیان پھاٹک چھوڑ دینا، ٹخنوں کے اوپر پاجامے پہن لینا، یا ڈھیلوں سے بے حیائی کے ساتھ استنجا کرنا اسوۂ رسولؐ ہے؟ آؤ ہم عالم مسلمان، ہم جاہل مسلمان، ہم چھوٹے مسلمان، ہم بڑے اور کافر مسلمان، ہم صف میں کھڑے ہو کر ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے مسلمان سب مل کر اس علم کو پھر تازہ کریں، قرآن کو خود کھول کر دیکھیں، اس حکم کو خود پڑھیں، اُس نبوّت کو پھر زندہ کریں، خود پھر بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند بنیں، پھر قرآن کو آسمان سے نازل کریں۔ اب رمضان کا مہینہ آیا ہے، اس میں قرآن نازل ہوا تھا، اس میں خدائے لایزال کے فرشتے اُس کے قانون کی روح کو لے کر زمین پر اُترتے ہیں، اس میں خدا کا قانون اُس کے بندوں پر تقسیم ہوتا ہے، اس میں ہر امر حکیم کا فیصلہ ہوتا ہے۔ آؤ اسی رمضان کے مہینے میں قرآن کو پھر اپنے پر نازل کریں، پھر آسمان سے نازل کرائیں، پھر فرشتوں کے ہاتھ سے لیں، پھر اس

کے راز کو پانے کی کوشش کریں، پھر نبوت کو نیا کر دیں، پھر آسمان کے دروازے چوپٹ کھول کر دیکھیں کہ وہاں سے ہماری نجات کے لئے کیا اُترتا ہے!

اگر تم اس نقطہ نظر سے متفق ہو جو میں نے اوپر بے خوف و خطر بیان کر دیا، اگر تم رمضان کی عظمت کے اس واسطے قائل ہو چکے ہو کہ اس میں وہ بادشاہت دینے والا قرآن اترا تھا، نہ اس لئے کہ اس میں بھوکے اور غریب، جوؤں اور چیتھڑوں والے مسلمان جو پہلے ہی بھوکے ہیں تیس دن تک اور بھوکے رہتے ہیں اور ان کی منہ کی سڑان اور تھوک کو اللہ کے فرشتے چاٹتے ہیں، تو پھر تم کو اس بات کا قائل بھی ہونا پڑیگا کہ یہ قرآن صرف ماہ رمضان میں نہیں، تیئیس برس میں اُترا تھا، تیئیس برس خدا اس کو اپنے بندوں پر اتارتا رہا، تھوڑا تھوڑا اور گھونٹ گھونٹ کر کے اس آب حیات کو پلاتا رہا، نہیں تیئیس برس تک معاذ اللہ خود سوچتا رہا، اُس کا نبی اس کو سمجھنے کے لئے تیئیس برس تک "رَبِّ زِدْنِی عِلْماً" کی دُعا مانگتا رہا، اُس کو قرآن میں تنبیہ کی گئی کہ دیکھو قرآن کے ساتھ جلدی نہ کیا کرو، اس کو آہستہ آہستہ پڑھو، اس کو ہم نے آہستہ آہستہ اتارا، تیرے دل پر نقش کرنے کے لئے اتارا، علم والی قوم کے لئے اتارا، سوچ والی قوم کے لئے اتارا، اسلئے یاد رکھو کہ اس قرآن کی ایک ایک آیت، اس کا ایک ایک فقرہ، ایک ایک لفظ، غور کے قابل ہے، اس کا ربط غور کے قابل ہے، اس کا سلسلہ برسوں کے مطالعے کے بعد سمجھ میں آتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک سورت کو آٹھ برس میں سمجھا تھا، اسی قرآن کے چند فقرے، اس آسمان کے چند ٹکڑے، اسی "کِسَفاً مِنَ السَّمَاءِ" کو میں اپنے اگلے مقالہ افتتاحیہ میں پیش کروں گا اور اگر تم نے اس آسمانی وحی کو جو پھر آسمان

سے رمضان کے مہینے میں تیرہ سو بادن برس کے بعد اُتری ہے نہ سمجھا تو میں خدا سے کہونگا
کہ بارِ خدایا! تو اس نااہل قوم پر فی الحقیقت آسمان سے عذاب کا ٹکڑا اتار تاکہ وہ تیرے
جلال اور جبروت کو سمجھ کر پھر تیری ہو جائے۔ میں اُس وقت تک سب ناکارہ مسلمانوں کے
خلاف تلوار کا جہاد کرتا رہونگا جب تک کہ ایک ایک مسلمان میدان میں باہر نہ آجائے!

عنایت اللہ خان المشرقی

عربی مقالہ اِفتتاحیہ

مطبوعہ "الاصلاح"

۱۴ر دسمبر ۱۹۳۴ء مُطابق ۶ رمضان ۱۳۵۳ھ

"کشفٌ مِنَ السَّماءِ"

یامعشر المخلّفین المشرّعین المتفرّقین الحاضرین! المتعارفین فی زماننا هٰذا بالمسلمین المؤمنین * الّذین یزعمون انهم یتّبعون السّلف من الصّالحین * وانّهم علٰی اٰثارهم لمهتدون * ویظنّون انّهم ابناؤ الله وانّهم هم المقرّبون الخاصّون من دون العٰلمین * المغضوبین الضّالین * قد فسدت امور دنیاکم وخربت دیارکم وهلکت عظمتکم وجلالکم وفقدت اموالکم وضاعت بلادکم وذهب الله بنورکم وهدایتکم واقبالکم فلم یبق منکم الا حکایتکم * ودنی امرکم من البوار واثرکم من الزّوال * صرتم فی الدّنیا کالعضو المتعطّل * وفی النّادی کالخلق المتکهّل * فلا حرکة لجسمکم من الموت والنّوم * ولا استماع لصریخکم الیوم * أزعمتم انکم تتّبعون الاسلاف الاخیار وتقلّدونهم * وقد اتتنا انباء المؤمنین الذین خلوا من قبلکم * وقد جاءنا اخبارهم واحوالهم * واعمالهم وافعالهم فی التّاریخ وصلاحیّة بالهم * وما کان فی هذه الدّنیا لهم *

وما كان عندهم من العلم والنور، ومن معرفة الاسرار الصائبة التي دفعوا بها مضرة الاعداء وخلصوا
بها من السيئات والمهالك * والمصائب والنوائب * وما استصانوا بها لرفع مقامهم في الدنيا نفائس
المدن وعظيم الممالك * وما استملكوا في هذه الارض من عجائب القدرة وغرائب الطبيعة للاستنفاع
والتجارة * وما طبلوا في الارض طبل لمن الملك اليوم * وما كان فيهم من العصبية وحماية القوم
من الطاعة والعمل والجد والجهد دون القول والنظر * وتصديق ايمانهم بالامتثال بالامر * لا بالتأويل
والمكث * واتيانهم الله بقلب سليم * وخوفهم من نار الجحيم * جهادهم في الله حق جهاده * واعتصامهم
بالله حق امكانه * وتعبدهم ربهم بقلب فرح * وتثبيتهم منه ان الله ما جعل عليهم في الدين من
حرج * ومسابقتهم بانعامات ربهم وتقدمهم الى الخيرات * ومسارعتهم الى ما هو آت واضطرابهم
لتحصيل الدرجات * يسعى نورهم بين ايديهم (٥٧: ١٢) وتتبعهم عروس السلطنة تبعكم عبيدكم
والاموات * فما عبدها الا اشداء على الكفار رحماء بينهم (٤٨: ٢٩) * ولو انفقت ما في الارض جميعا
ما الفت بين قلوبهم ولكن الله الف بينهم (٨: ٦٣) * فيا ايها المسلمون المتسمون المعاصرون
هل انتم الاعلون وهل انتم مومنون * فما الاشتراك بينكم وبين المتقدمين المقدسين * لا انتم
ما كانوا عليه ولا انتم لها سابقون * ولا انتم مقدمون في الارض بل انتم ساكنون * بل الى الزوال
لراجعون * ولا تسارعون الا الى العذاب المهين * والسبقون السبقون ۝ اولئك المقربون
(٥٦: ١٠-١١) * واولئك هم المومنون * وانتم لا تسبقون فتسبقون * قد قبحت امور دنياكم فانتم
في الاخرة ايضا من المقبوحين * وضللتم عن الصراط فانتم منعمون * بل لا تستطيعون * و
نسيتم ما كنتم عليه فنسيكم الله فكنتم من المنسيين * وعصيتم فعصى الله عنكم وقد

قال لکم کَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ٥ (٣٠: ٤٧) * فاتخذتم مکر الاعتقاد و الالفاظ و النظریات و الاقوال دون ایمان الافعال و الاعمال و الاشکال * وصرتم من المومنین المعتقدین * والمسلمین اللفاظین القوالین * فشرعتم فی تاویل حدیث ربکم الی ماشئتم * وتسھیل دینکم عن حرج واشکال * وتشحیر من حال الی حال * وترکتم کل ما کان فیه من اشکال العمل وبطئ الحصل * واتخذتم حکم ربکم سخریا * ودینکم لھوا ولعبا * وبدلتموه قولا و معنا * وکبرتم صغائر الامور وصغرتم کبائرھا عمدا ومکرا * وجعلتم تتوغلون فی دینکم تُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (٢: ٨٥) تقولون بافواھکم نومن به کلا * واخذتم تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِيْرًا (٦: ٩٢) منه کالیھود لتخادعوا انفسکم فعلا وعملا * فیا ایھا الذین زعمتم انکم امنتم لم تقولون بافواھکم مالیس فی قلوبکم وَ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ٥ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ٥ (٦١: ٢-٣) * فمکرتم و مَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ٥ * قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (١٦: ٢٦) * أفحسبتم ان تترکوا ان تقولوا امنا وانتم لا تفتنون * وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (٢٩: ٣) * وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ٥ (٢: ٨) * اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ٥ (٣: ١٤٢) فانتم لا تصبرون علی مصیبتکم بل تبصروان * ولا تجھدون بل تجمدون * وتنظرون وتقولون ولا تفعلون * مستشھدین بنھایة مکرکم علی ان القرآن نھلکم عن ھذه الدنیا والاعتنا بھا وزخارفھا وانتم تریدون

الاخرة فهل لكم من خلاق فى الاخرة ان كنتم ههنا من الاخسرين * وقد اختلقتم هذا الكذب
حين الدنيا لم تردكم * ودينكم المحرّف لم يزدكم * فجعلتم القرآن عضين * ومزّقتموه كلّ
ممزّق وجعلتموه احاديث المكر والرّيا تحرّفون الكلم عن مواضعه لتسكين شهواتكم
وانتم ترآءون النّاس وتقتسمون * فتقطّعتم امركم بينكم زبرًا ؕ كلّ حزبٍ بما لديهم فرحون
(۲۳: ۵۳) * فبما مالت الدّنيا الى الاوّلين ؟ * ولما شغفوها شغف المتطلّبين ؟ * وبما لانت
لهم فتغشّوها تغشّى العاشقين ؟ * ولما ارسل الرسول بالهدٰى ودين اليقين ؟ * ليظهره
على الدّين كلّه ولو كره المشركون (۹ : ۳۳) (۶۱ : ۹) فلما القتال بالسّيف مع
الكفرين ؟ * ولما الجهاد بالمال والانفس * ولما الهجرة * ولما الصّوم والصّلوٰة * ولما
الحجّ والزّكوٰة * ولما التّلقين بالاتّحاد والصّلح * وبطاعة اولى الامر منكم * و
بالاعتصام بالله * ولما النّهى عن عبادة الطّاغوت * والامر بما وصّٰكم به الله من دونها
لعلّكم تعقلون * فهل هذا الّا ليغلبكم وليظهركم على اعداء الدّين * ولما اسوة
خلفآء كم الرّاشدين * وسلاطينكم الاوّلين * وشهدآءكم المجاهدين * و
جنودكم السّابحين * الّتى انتم فى التّاريخ تقرءون * الّا لتصلحوا بالكم فى الدّنيا
ولتكونوا من الّذين لاخوف عليهم ولاهم يحزنون * ولئلّا تكونوا من الخسرين *
فى الحيوٰة الدنيا وتكونوا فى الاخرة من المكرمين * فهل نسّخ لكم كلّ الدّين * و
كلّ ايات الكتب المبين * وما انتم بها من المكلّفين * وبقى لكم ما بقى من كلمة
الشّهادة * ولحًى متشرّعة * وعمائم منطوية * وانتظار الجنّة فانتظروا انّى معكم

من المنتظرین * افلهم البنات ولکم البنون ؟ ولکم الجنة بغیر اذی ولهم فرح ما داموا
فی الارض وما لا یطاق به وخسران مبین * "قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ
ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا * أُولٰئِكَ الَّذِينَ
كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا * ذٰلِكَ
جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوٓا اٰيٰتِي وَرُسُلِي هُزُوًا" * (۱۸: ۱۰۳-۱۰۶) فلم تمکرون
مکر الثعلب علینا * وتقولون ما نبالی الدنیا نقرأ * أفلیس اللہ باحکم الحاکمین فی هذه
الدنیا من دون یوم الدین * وهل یعذبکم احد من دونه بهذا العذاب المهین *
فلم تحرفون دینکم ولا تصلحون * وتقطعون القرآن فتقطعون *

۱ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ

عنایت اللہ خان المشرقی

ترجمہ عربی مقالہ افتتاحیہ "کسف من السماء"

"آسمان کا ٹکڑا"

مطبوعہ "الاصلاح"

۱۴ دسمبر ۱۹۳۴ء مطابق ۶ رمضان ۱۳۵۳ھ

اے آج کل کے "شریعت" پر چل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے والے مسلمانو! اور اے آپس میں بنے ہوئے "مومنو" اور "مسلمو" جو اس ادعا میں مگن ہو کہ سلف صالحین کی پیروی کر رہے ہو، اُن کے قدموں پر چل کر "رشد" اور "ھدایت" کے حامل ہو، اللہ کے بیٹے بنے بیٹھے ہو اور اس گمان میں ہو کہ دنیا جہان کو چھوڑ کر خدا کی دوستی تمہیں ہی میسر ہے۔ نہ اُن نصاریٰ یہود اور ہنود وغیرہم کو جو اُس کے غضب میں آ کر گمراہ ہو چکے ہیں! دیکھو تمہاری دنیا خراب ہو گئی، تمہارے ملک اُجڑ گئے، تمہاری عظمت اور بزرگی فنا ہو گئی، تمہاری دولت چل بسی، حکومت اور سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، اللہ تمہاری روشنی اور بیداری کو اُچک کر لے گیا، اس نے تم کو ایسا ہلاک کر ڈالا کہ اب صرف کہانیاں رہ گئیں، تم ہلاکت کے گڑھے میں گر گئے اور تمہارے نقش و اثر زائل ہو چکے، دنیا میں بیکار عضو، اور مجلس میں بند گلے بن کر رہ گئے۔ اب موت اور نیند سے بے حس ہو اور کسی طرف تمہاری چیخ کی شنوائی نہیں کیا تم اس گمان میں ہو کہ تم اُن خدا کے بندوں کی جو تم سے پہلے گزر چکے "پیروی" کر رہے

ہو، کیا تم اُن کی "تقلید" کے دعویدار ہو! حالانکہ ہم کو حرف بحرف اُن بندگانِ خدا کا حال معلوم ہے جو تم سے پہلے ہو گزرے۔ تاریخ کے صفحات اُن کے اعمال اور حسن احوال سے پُر ہیں، دُنیا تمام تر اُن کی تھی، علم اور نور اُن کا تھا، جاہ و جلال اُن کا تھا، وہ اپنی صائب رائے کے باعث دنیا جہان کے دشمنوں سے بے خوف و خطر تھے، ہر بربادی اور ہلاکت سے اپنے آپ کو بچا کر رکھتے تھے، وہ عظیم الشان سلطنتوں پر حکمران تھے، قدرت کے عجائبات اور کائنات فطرت کے اکثر ساز و سامان اُن کے دستِ قدرت میں تھے، وہ اُن سے نفع طلب کرتے تھے اور لوگوں کو نفع پہنچا دیتے تھے۔ تاریخ باآواز بلند کہہ رہی ہے کہ انہوں نے اِس سطح زمین پر ڈنکے کی چوٹ کہا کہ بتاؤ "آج سلطنت کس کی ہے"، غلبہ اور وقار کس کا ہے، حمیت قومی اور حمایت قوم کس کی ہے؟ وہ **فرمان برداری** اور **عمل** کے مجسمے تھے، صرف کہہ دینے اور خیالی پلاؤ پکانے سے نفرت کرتے تھے۔ اُن کے ایمان کی تصدیق اُن کے سراپا عمل اور اطاعت سے تھی، خدا کے حکموں کی تاویلیں کر کر کے منکر نہیں ہوتے تھے، وہ فرمانبردار اور اطاعت گزار دل کے ساتھ اللہ کی طرف آتے تھے، دوزخ کی آگ سے لرز جاتے تھے، اللہ کی راہ میں وُہ جہاد کرتے تھے جو کرنے کا حق ہے، اُس کے قانون کو اپنی طاقت کی حد تک پکڑے رکھتے تھے۔ اللہ سے اُن کی لستگی خوشدلی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ تھی، اُن کے زہرہ گداز اور رُوح فرسا عمل کے باوجود اُن کے خوش بخوش چہرے اِس بات کی زندہ شہادت تھے کہ خدا نے صرف اُن کے لئے دین میں کوئی تنگی نہ رکھی تھی۔ وہ اُس کے دیئے ہوئے انعاموں کو لپک لپک کر پکڑتے تھے اور مفیدِ قوم کاموں کی طرف بڑھ بڑھ کر قدم مارتے تھے۔ مستقل

کی طرف اُن کی آنکھ لگی تھی، اور درجوں کی بلندی کے لئے قبلہ نما کی تڑپ اُن کے دِل میں تھی۔ ہاں! "غلبہ اور سلطنت کا نور ان کے آگے آگے دوڑ رہا تھا" (قرآن حکیم) اور بادشاہت کی دُلہن غلاموں اور لونڈیوں کی طرح اُن کا پیچھا کرتی تھی! تو دیکھ لو کہ اِس دلہن کو غلام اُسی قوم نے بنایا جو آپس میں رحمدل (رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ) اور کافروں پر بڑے سخت (اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ) تھے (قرآن حکیم) اور یہ اُن کے سچے مسلمان ہونے کی برکت تھی ورنہ "اگر تم تمام زمین کے خزانے خرچ کر ڈالتے تو اُن کے دلوں میں یگانگت پیدا نہ ہوتی، وہ ایک حاکم یعنی اللہ کے صحیح معنوں میں غلام بن گئے، اور اُسی آقا کے خوف کے باعث اُن کے دل جُڑ گئے۔" (قرآن حکیم)
ہاں اے آجکل کے رسمی اور سطحی مسلمانو! مجھے تبلاؤ کہ کیا آج تم سب پر **غالب** (اَلْاَعْلَوْنَ) ہو اور پھر بتلاؤ کہ کیا تم **مومن** ہو؟ تمہارا پہلے مسلمانوں کے ساتھ جو ہر دم آگے بڑھ رہے تھے کیا جوڑ اور کیا رشتہ ہے؟ نہ تم اُس طرف جا رہے ہو جدھر وہ جا رہے تھے، نہ اُس طرح لپکتے ہو جیسے وہ لپکتے تھے۔ تم زمین پر آگے کہاں بڑھ رہے ہو۔ کھڑے معلوم ہوتے ہو، نہیں بلکہ نیچے کی طرف گر رہے ہو، اور کسی طرف اگر تمہارے بڑھنے کے عنوان ہیں تو اُس دردناک عذاب کی طرف جو تمہارے لئے مقرر ہو چکا ہے۔ یاد رکھو کہ آگے بڑھنے والے ہی میدان مارتے ہیں (اَلسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ)، وہی ہیں جو خدا کے منظورِ نظر ہیں، اور صرف وہی **مومن** ہیں۔ جب تم بڑھتے نہیں تو لامحالہ غیر تم سے بازی لے جاتے ہیں۔ دنیا تمہاری خراب ہو چکی تو یاد رکھو کہ آخرت میں بھی تمہاری رسوائی اور خواری ہے تم راہ راست سے بھٹک گئے بلکہ خود آنکھیں بند کر لیں اور اب اس طرف آنے کی سکت نہیں رہی، تم نے اُس سبق کو بھلا دیا جو کبھی تم کو خوب یاد تھا پس خدا بھی تم کو بھول گیا اور دُنیا سے ملیامیٹ

نسیاً منسیا کر دیا۔ ہاں! تم خدائے جبّار سے بگڑے، پھر خدا بھی تم سے بگڑ بیٹھا حالانکہ اُس نے کہہ دیا تھا کہ "مومنوں کو فتح دینا میرے ذمے ہے" (قرآن عظیم) پھر اس سبق کو بھولنے اور نافرمانی کے بعد تم نے اور غضب کیا کہ اپنے دل کو ڈھارس دینے کیلئے دین اسلام کو جو سراسر عمل اور اطاعت تھا لفظوں اور کلموں اور عقیدوں اور قولوں اور نظریوں کی شکل دے دی۔ اس کے عملوں، اس کی مشکلوں، اس کے فعلوں اور کاموں سے پیٹھ موڑ لی، اور صرف "عقیدے" رکھنے والے، کلموں کے بولنے والے، بک بک کرنے والے، بول بول کر آسمان کو سر پر اُٹھانے والے "مومن" بن گئے۔ پھر کیا تھا خدا کی کلام کو جس طرح بھی جی میں آیا توڑ موڑ لیا، جو مطلب چاہا پیدا کر لیا، دین سے سب تنگیاں اور مشکلیں نکال پھینک دیں، آہستہ آہستہ ایک تشریح سے دوسری تشریح کی طرف لے گئے اور اُن سب باتوں کو جو دین کے اندر سراپا عمل بن کر اور تکلیف بن رہ کر حاصل ہوتی تھیں چھوڑ دیا۔ اب کیا تھا، خدا کے حکم کو مخول سمجھنے لگے، دین کو کھیل بنا لیا، اُس کے معنے اور مطلب بدل دیئے۔ ذرا ذرا سی باتوں کو جو آسان نظر آتی تھیں بڑا کر دکھایا، بڑی باتوں کو جن پر عمل مشکل تھا جان بوجھ کر اور مکر سے ہضم کر گئے، اب لگے "دین میں غلو" کرنے، قرآن کے بعض حصوں کو مانتے اور بعض جو تکلیف دِہ تھے درپردہ انکار کرتے" (قرآنِ عظیم) اور ساتھ ساتھ مومنوں سے کہتے جاتے تھے کہ ہم سب کو "مانتے" ہیں، ہم اس کے حرف حرف کے "قائل" ہیں۔ پھر تم نے یہودیوں کی طرح قرآن کو "مختلف پرچوں پر لکھ لیا، جس کاغذ میں مطلب کی بات تھی اس کو خوب شوق سے ظاہر کرتے، جس میں طبیعت کے خلاف تھی اُس کو چھپاتے" (قرآن عظیم) اور یہ اس لئے کہ اپنے نفس کو دہوکہ دو اور خدا کو اس طرح اپنا بنا سکو۔

تو اے آج کے مسلمانو جو اس دہوکہ میں ہو کہ ہم "ایمان" والے اور "مومن" ہیں تم اپنے مونہوں سے وہ بات کیوں کہتے ہو جس کی دل شہادت نہیں دیتا اور کیونکر منہ سے وہ عقیدہ رکھتے ہو جو کرتے نہیں۔ یاد رکھو کہ "کہنا اور پھر اس کے مطابق نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے" (قرآن حکیم) ہاں تم نے مکر کیا لیکن ادھر "اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ چال چلنے والوں کے بالمقابل بہترین چال چلنے والا ہے" (قرآن حکیم)۔ "تم سے پہلے بھی لوگوں نے خدا سے اسی طرح کے مکر کئے تو اللہ نے ان کی دیوار جڑ سے اکھاڑ پھینکی، پھر اوپر سے اُن پر چھت آگری اور اُس طرف سے اُن کو عذاب آیا جس طرف سے اُن کو سان گمان نہ تھا" (قرآن حکیم)۔ "کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ صرف مُنہ سے ایمان ایمان کہہ کر چھوڑ دیئے جاؤ گے اور تمہارا کوئی امتحان نہ لیا جائیگا۔ یاد رکھو کہ تم سے پہلے کے لوگوں کو خدا نے آزمائش کے بغیر نہ چھوڑا تھا اور یہ اس لئے تھا کہ خدا جھوٹوں اور زبانی جمع خرچ کرنے والوں کو سچوں اور عمل سے اپنے قول کی تصدیق کرنے والوں سے الگ کردے" (قرآن حکیم)۔ اور یاد رکھو کہ "لوگوں میں بہت سے ایسے ہیں جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور روز قیامت کی سزا سے ڈر گئے لیکن وہ **ہرگز مومن نہیں**" (قرآن حکیم)۔ "کیا تم نے سمجھ لیا کہ خدا کو منہ سے مان کر جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی تک تو خدا نے دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون تلوار کے ساتھ لڑائی کر کے استقلال کے ساتھ دشمن کو شکست دیتے ہیں" (قرآن حکیم)۔ تو اے مسلمانو! ان تمام قرآنی اور نصی شہادتوں کے بعد صاف ظاہر ہے کہ تم اپنی مصیبتوں کو رفع کرنے کے لئے استقلال سے کوئی لڑائی نہیں لڑتے بلکہ صرف آنکھوں سے تک رہے ہو، جہاد نہیں کرتے بلکہ جم کر بیٹھے ہو، باتیں کرتے ہو اور کام نہیں کرتے، اپنے انتہائی مکر اور حیلہ بازی سے

اِس بات کی گواہیاں قرآن سے ڈھونڈتے پھرتے ہو کہ قرآن نے تو تمہیں "دنیا" کی طرف توجہ کرنے سے منع کیا ہے، اس کی زیب وزینت سے نفرت دلائی ہے اور تم تو "آخرت" کے خواہاں ہو دنیا کو کیوں ڈھونڈو۔ تو اے کم عقلو! مجھے یہ تبلاؤ کہ اگر تم یہاں اِس دنیا میں سب سے گھاٹے میں رہے تو آخرت میں تمہیں کیا مل سکتا ہے؟ یاد رکھو تم نے دنیا سے نفرت کا سفید جھوٹ اُس وقت ایجاد کیا تھا جب دنیا خود بخود تمہاری غفلتوں کے باعث تم کو چھوڑ گئی جب تمہارے تحریف کردہ دین نے تمہاری کچھ بھلائی نہ کی، جب خدا نے تمہیں بدحال کر دیا، تمہارے گناہوں پر پردہ پوشی چھوڑ دی۔ پھر تم نے قرآن کی ایک ایک آیت کے کئی ٹکڑے کئے" (قرآنِ عظیم) اور اس کے مضامین کو الگ الگ کر کے مکر اور دہوکے کی کئی باتیں اپنی طرف سے گھڑ لیں، اُس کے فقروں کو اپنے نفس کی تسلّی کے لئے "ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ رکھدیا" (قرآنِ عظیم) اور ریاکر کے خدا کی کلام کو غیر مفید بنا دیا۔ پھر تم نے اپنے معاملے کے آپس میں حصّے کر لئے اور اب ہر فرقہ اُس ٹکڑے میں جو اس کے پاس ہے مست ہے" (قرآنِ حکیم) بھلا یہ تو تبلاؤ کہ یہی دنیا ہمارے پہلے مسلمانوں پر کیوں عاشق تھی اور وہ کیوں عاشقوں کی طرح اِس کو ہر ملک میں تلوار ہاتھ میں لیکر ڈھونڈتے پھرتے تھے؟ کیوں دنیا اُن کی طرف جُھکی اور وہ عاشقوں کیطرح اُس سے کیوں گتھم گتھا ہو گئے؟ جواب دو کہ رسُولِ خدا کو ہدایت اور دین دے کر کس غرض، کس مطلب، کس مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا؟ کیا یہ نہ تھا "کہ اِس دین کو تمام دنیا کے دینوں پر غالب کردے خواہ کافروں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے" (قرآنِ حکیم)۔ اچھا یہ تبلاؤ کہ قرآن میں کس غرض کے لئے کافروں سے تلوار کی لڑائی کا حکم تھا؟ روپیہ اور جانوں سے جہاد کرنے کا کیا مقصد تھا؟

وطن کو چھوڑ کر ہجرت کی ترغیب دینے سے کیا منشا تھا؟ ماہ رمضان میں بھوکا رکھنے سے خدا کو کیا فائدہ تھا؟ تم کو پنج وقتہ مسجد میں جمع کرنے سے خدا کی کیا بگڑی بنتی تھی؟ تمام دنیا کے مسلمانوں کو سال میں ایک جگہ حج کرانے سے اللہ کا کیا سنورتا تھا؟ زکوٰۃ کو ایک جگہ بیت المال میں جمع کرنے سے زمین و آسمان کے مالک خدا کا کیا فائدہ تھا؟ تمہیں آپس میں اکٹھے رہنے یک دل اور یک جان بننے کی کیوں تلقین کی تھی؟ تمہیں اپنے سردار کی فرمانبرداری پر کیوں بار بار زور دیا تھا؟ تمہیں کیوں کہا تھا کہ خدا کے قانون کو مضبوط پکڑے رہو؟ کیوں کہا تھا کہ شیطان کے کہے پر نہ چلو؟ انصاف سے بتاؤ کہ کیا ان تمام حکموں کی غرض سوائے اس کے کچھ اور ہو سکتی تھی کہ خدا تم ہی کو اس دنیا کے اندر غالب کر کے بادشاہ بنانا چاہتا تھا اور چاہتا تھا کہ تمہاری جماعت کے دشمن شکست کھا جائیں۔ اچھا غور کرو کہ تمہارے پہلے خلیفوں یعنی خلفائے راشدینؓ کا دن رات کیا وطیرہ تھا؟ تمہارے شروع شروع کے بادشاہ شب و روز کیا کرتے تھے؟ تمہارے تلواروں اور تیروں سے لیس جہاد کرنیوالے سپاہی کس طرح ہر دم ڈٹے کھڑے تھے؟ تمہاری فوجیں اور گھوڑوں کی چھاؤنیاں کہاں کہاں پہنچی تھیں؟ جاؤ تاریخ پڑھو۔ کیا ان تمام کی غرض سوائے اس کے کچھ اور تھی کہ تمہاری دُنیا بھی دُرست ہو اور یہ کہ تم اس کے بعد "زمین پر بے خوف و خطر پھرو" (قہاں عظیما)۔ اس دُنیا ہی کے اندر گھاٹے میں نہ رہو۔ اور دُنیا میں سرخروئی کے بعد تمکو آخرت میں سرخروئی حاصل ہو! تو اے مسلمانو! کیا آج تمہارے لئے تمام دین منسوخ ہو چکا ہے؟ کیا اس روشن اور نور دینے والی کتاب (قرآن) کی تمام آیتیں کسی اور قوم کے لئے تھیں اور تم کو ان پر عمل کرنے کی کچھ تکلیف نہ دی گئی تھی؟ اچھا تم لاڈلوں کے لئے اب صرف یہ رہ گیا ہے کہ کلمہ شہادت کے

چار لفظوں کو پڑھ لیا کرو، شرعی ڈاڑھیاں حجّام سے بنوا لو، پیجدار بڑے بڑے پگڑ باندھکر مسلمان بنے رہو اور جنّت کی انتظار کرو۔ خوب! تم انتظار کرو میں بھی دیکھ لوں گا۔ کہ تمہیں جنّت کیسے مل جاتا ہے۔

خوب! قرونِ اولے کے مسلمانوں کے لئے خدا کی طرف سے "بیٹیاں" تھیں اور تمہارے لئے "بیٹے"؟ خوب! تمہیں بغیر تکلیف کے جنت، اور ان کے واسطے جانکاہ تکلیفیں جب تک اس دنیا میں تھے اور سراسر مصیبت، رنج اور گھاٹا؟ - "انہیں کہہ دو کیا میں تمہیں صاف بتاؤں کہ وہ کون لوگ ہیں جو اپنی بدکاری کی پاداش میں سب سے زیادہ گھاٹے میں رہیں گے۔ وہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش **اس دنیا میں ناکام رہی**۔ جن کی مستیوں اور آرامِ جان نے ان کی دُنیا تباہ کر دی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں خوب کر رہے ہیں۔ یاد رکھو کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے حکموں کے **کافر** ہو گئے، روزِ قیامت کو اپنی بدکاریوں کی جواب دہی سے منکر ہو گئے۔ پھر اُن کے تمام باقی عمل بھی ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن اُن کی پرکاہ جتنی پروا نہ کریں گے۔ اُن کی سزا اس **کفر** کے بدلے جہنّم ہے کیونکہ انہوں نے میرے حکموں اور میرے پیغامبروں کو مخول سمجھا" (قرآن عظیم)۔ تو اے مسلمانو! وہ مکر جو لومڑی نے ان انگوروں سے کیا تھا جن تک اس کے ہاتھ نہیں پہنچ سکتے تھے تم کیوں کرتے ہو! وہ انگوروں کو کہتی تھی کہ کھٹّے ہیں اور تم دنیا کو مردار کہتے ہو اور کہتے ہو کہ ہم اس کی چُٹکی کے برابر پرواہ نہیں کرتے۔ کیا یہاں اس دنیا میں روزِ آخرت کے حاکم کے سوا کوئی اور حاکم حکم کر رہا ہے، اور کیا اس عذاب کو جو تم پر ہے خدا کے سوا کوئی اور بھیج رہا ہے۔ پس کیوں اس دین کی توڑ مروڑ کرتے ہو۔ قرآن کو ٹکڑے

ٹکڑے کر کے خود ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جاتے ہو! آؤ آج سے قرآن پر عمل شروع کردو پھر دیکھو خدا کی رحمت کیا رنگ لاتی ہے۔

یکم رمضان ۱۳۵۳ھ عنایت اللہ خان المشرقی
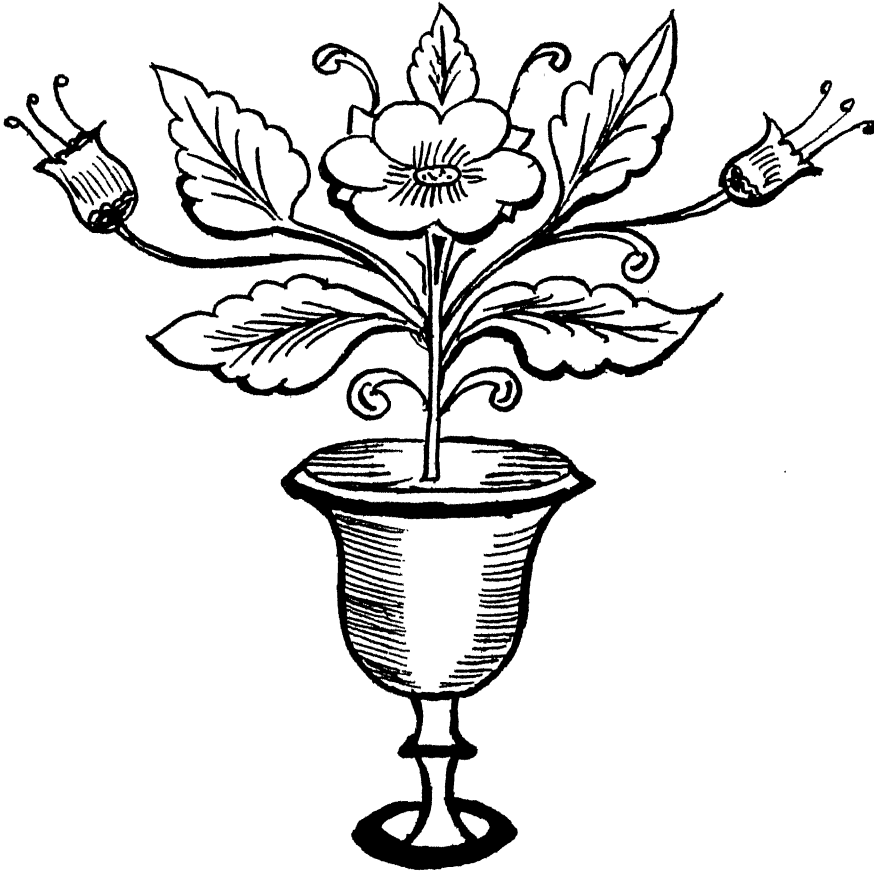
مقالہ افتتاحیہ

خطبۂ عید الفطر اور پہلا قدم

مخبروں اور رضاکاروں کی فوری ضرورت

مطبوعہ "الاصلاح"

۲۱ / دسمبر ۱۹۳۴ء مطابق ۱۳ / رمضان ۱۳۵۳ھ

ہندوستان میں مسلمانوں کی قریباً تین لاکھ تیس ہزار مسجدیں ہیں۔ ان مساجد میں اندازہ کیا گیا ہے کہ پچیس لاکھ مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ یہ نسبت ایک اور تیس کی ہے اور اگر صرف مردوں کی آبادی لی جائے تو ایک اور سولہ کی نسبت رہ جاتی ہے۔ ایک ایسی قوم کے لئے جس کے جاہ و جلال کے آثار مٹ رہے ہیں سولہ آدمیوں میں سے ایک کا پانچ وقت کسی ایک مرکز پر باقاعدہ حاضر ہونا اتنی بڑی طاقت ہے جو اکثر زندہ اقوام کو میسر نہیں۔ اگر اس شئے کے باوجود مسلمانوں میں طاقت کی آخری علامتیں ماند ہو رہی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مساجد، سجدوں اور عبادت کی صحیح غرض و غایت ذہنوں سے اُتر چکی ہے۔

دشمن کے دل میں شعائر اللہ کا خوف

مجھے ڈر ہے کہ یہ کیفیت اگر چندے اور رہی تو مسجدوں میں آنے والے نمازیوں کی تعداد

اس سرعت سے کم ہو گی کہ تمام مسجدیں یہودیوں کے زوال کے وقت کے معبدوں کی طرح ذاتی ملکیت بن بن کر شخصی جائدادوں میں مدغم ہو جائیں گی، جب نمازی کم ہو گئے تو اذان نہ رہیگی اور اذان نہ رہی تو مسجدوں کی کیا ضرورت ہے، اُدھر انگریز ہندوستان میں پچیس لاکھ نمازیوں کی تعداد کو دیکھ کر اس قدر خوفزدہ اور باخبر ہے کہ اس کو اس بجھی ہوئی چنگاری میں اپنے جہنم کا سامان نظر آرہا ہے، وہ مغربی تہذیب کو مسلمان مردوں اور بالخصوص مسلمان عورتوں میں خاموش تعلیم اور مصالحانہ دخل کے ذریعے سے سرعت سے پھیلا رہا ہے اس خیال سے کہ "عروس سلطنت کے پچھلے خاوند" کی دینی عصبیت اور جمعیت کا آخری نشان مٹ جائے تو چین سے حکومت کریں۔ جب تک مسلمان ہیں مسلمانیت یا قرآن کی تعلیم باقی ہے یہ مرا ہوا سانپ شاید کسی وقت ڈسنے کیلئے آمادہ ہو جائے۔

شعائر اسلام کا تقیہ اور مساجد اللہ

ان مشکلات کے ہوتے ہوئے مساجد اللہ بلکہ مسلمان کے کسی مذہبی شعار کو اسی اصلی رنگ میں لانے کی سعی کرنا جس رنگ میں کہ وہ قرون اولے یا صدر اسلام میں تھا فی الحقیقت ایک بڑا اہم کام ہے بسلمانوں کے کئی روشن دماغ ان مسئلوں کے متعلق پیہم سوچ سوچ کر تھک چکے ہیں اور یہی سوچ سوچ کر تھک جانا موت کو اور نزدیک لا رہا ہے۔ عشق میں سوچنا عاشق کے خام خیال ہونے کی دلیل ہے اور سچا عاشق اور وصال سے محرومی میرے نزدیک دو متضاد شئے ہیں۔ میری نگاہ میں اس وقت اگر مسلمانوں کی عظمت کا کوئی خط و خال مسخ شدہ حالت میں بھی نمایاں طور پر باقی ہے تو وہ ہماری مسجدیں ہیں۔ کلمہ شہادت پر عمل مدت ہوئی مسلمانوں کی بے عملی سے مٹ چکا،

خدا کی گواہی مدت ہوئی عملاً ختم ہو چکی! حج کو روئے زمین پر سے مٹانے کے لئے کئی مخالف طاقتیں کام کر رہی ہیں۔ اور اس میں حیرت انگیز طور پر کامیاب ہو رہی ہیں۔ زکوٰۃ مدت ہوئی حکومت اور سلطنت کے ساتھ ہی مٹ چکی۔ رمضان کے روزوں کی ہوا سرعت سے اکھڑ رہی ہے لیکن مساجد پر ابھی تک قفل نہیں لگے۔ ان کی عمارتیں باقی ہیں، ان میں جماعت کی شکل وصورت باقی ہے، ان کا رسمی احترام چلا جا رہا ہے، ان میں "امام" باقی ہیں، ان کے نگران باقی ہیں۔ مسلمان کا خیال کہ نماز پڑھ پڑھ کر جنّت کے حقدار بن رہے ہیں ابھی باقی ہے اسلئے اسلامی عظمت کے ان دھندلے نشانوں کو پھر شوخ کرنا ابھی مسلمان کے دستِ قدرت میں ہے۔

اتحاد کی کامیاب حرکت

خاکساری کی تحریک مسلمانوں میں مذہبی نقطۂ نظر سے جاری کی گئی تھی۔ لیکن اس کا مذہبی رنگ "منکرِ مے بودن وہمرنگِ مستان زیستن" کے مترادف ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی نیا مذہبی فرقہ پیدا کئے بغیر اور کسی فردِ واحد کو پیر و مرشد ماننے کے بغیر اس قطار میں ہر رنگ کے مسلمان شامل ہو رہے ہیں۔ مخلص اور ذاتی وجاہت کی لالچ سے بے نیاز اشخاص جوق در جوق آتے ہیں۔ وحدتِ فکر اور اتّحادِ خیال پیدا ہو رہا ہے، اور یہ سب اس کی برکت سے کہ یہاں مسلمان کے ذاتی عقیدوں کے متعلق بحث بند ہے، اُس کے بڑے یا چھوٹے ہونے کا خیال پیدا نہیں ہوتا، ایک قطار کے فلسفے نے پھر نئی زندگی اور نئی مساوات پیدا کر دی ہے۔ سب اسلامی فرقوں کو مختلف رنگ کے خوشنما پھول سمجھ کر ایک گلدستے میں باندھا جا رہا ہے اور جس کثرت سے یہ پھول جمع ہو رہے ہیں۔ یہ گلدستہ

خوشنما نظر آرہا ہے۔

تنظیمِ مساجد کا کام

ایسی حالت میں طبعی امر تھا کہ ادارۂ علیہ جو خاکساری کی تحریک کا کارکن اور کارفرما حصّہ ہے اس بات کا عزم کر لیتا کہ مساجد کو ایک اجتماعی نظام میں منسلک کرے۔ اس حکمتِ عملی کی تشریح ادارہ کے اخبار "الاصلاح" کے پہلے نمبر میں شائع کر دی گئی ہے اور چونکہ قرائن ایسے معلوم ہوئے ہیں کہ اگر مساجد کو عملی طور پر ایک نظم میں منسلک کرنے کے لئے فی الفور بے پناہ کوشش شروع نہ کی گئی تو چند برسوں کا التوا بھی اس مشکل کو اور مشکل بنا دے گا، اس لئے سب سے پہلا کام جو اجرائے اخبار کے بعد ہمارے پیشِ نظر ہے یہ ہے کہ یگانگت اور اتحاد کی اس عمدہ فضا میں جو تحریک کے اجراء سے پیدا ہو گئی ہے ہم سب سے پہلے مساجد کے مسئلے کو لیں اور اپنی قوت اس کو سرانجام دینے پر مرکز کر دیں۔

صورتِ اصلاح

لیکن تین لاکھ تیس ہزار مسجدوں کو ایک تسبیح میں پرو دینا الف لیلہ کی کہانی سے زیادہ نظر نہیں آتا۔ اس کے لئے بڑے عزم، بڑی ہمت اور بڑے استقلال کی ضرورت ہے۔ اور عجب نہیں کہ اس ارادے کی تکمیل میں کئی جانوں اور کئی ہمتوں کو چور کرنا پڑے۔ اس لئے ادارۂ علّیہ کی حکمتِ عملی اس مسئلے میں بھی عمارت کو بنیادوں سے اُٹھانے کی ہے، دیواریں بنانے سے پہلے چھت ڈالنے کی نہیں۔ ادارہ سرِدست اس امر کا خواہاں ہے کہ اس رمضان میں جب کہ نفس سال بھر موٹا ہو ہو کر کچھ نہ کچھ پتلا ہو جاتا ہے، دل عام طور پر نرم ہوتے ہیں اور بڑے سے بڑے آدمی کو بھی روزِ

روشن میں منہ مارتے کچھ شرم وحیا آجاتی ہے، ایک آسان مختصر اور دلچسپ پروگرام مساجد کیمتعلق پیش کردے اور پھر ہر مسلمان کو جو مسجد میں جاتا ہے یا نہیں جاتا سوچنے کا کھُلا موقعہ دے کہ وہ اس پروگرام میں ہماری مدد اس رمضان کے مقدس مہینے میں کیا کرسکتا ہے۔ پروگرام یہ ہے:۔

اَوّلاً:۔ مجھے یقین ہے کہ مساجد کو منتظم کرنے کا خیال کبھی بارآور نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسلامی نماز میں "امام" کی پوزیشن کو پھر اُن نمازیوں پر واضح نہ کیا جائے جو اس کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہ وضاحت سادے اور دلنشین الفاظ میں ہو، بڑی بڑی قرآنی آیتیں اور حدیثیں اس کی توضیح کے لئے پیش نہ کی جائیں بلکہ سیدھے سادے الفاظ میں سیدھے سادے نمازیوں کو تبلایا جائے کہ امام کا کیا وقار ہے، وُہ کس لئے تمہارے سامنے کھڑا ہے، کیا کر رہا ہے، کیا سبق دے رہا ہے شریعت نے اس کو کس لئے مقرر کیا تھا، وہ کیا بن چکا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

دوئم:۔ اگر ہم نے امام مسجد کے وقار اور اس کی اطاعت کا ایک بے پناہ جذبہ مسلمانوں کے اندر پیدا کر دیا تو وہ اس ذلیل پوزیشن سے جس میں کہ گھرا ہے فی الفور اٹھ جائیگا، اس میں وہ رذائل اور خلافِ وقار باتیں جو آجکل موجود ہیں معدوم ہوتی جائیں گی، وہ نمازیوں کے حلقے کو وسیع کرنے کی سعی کریگا، حسن کے ساتھ ساتھ نزاکت خود بخود پیدا ہوگی، اور کیا عجب ہے کہ وہ اس نئی پوزیشن میں عام مسلمانوں میں پھر ایک انگیخت پیدا کردے اور محلہ دار تنظیم کا بنیادی تپھر بن جائے۔

سوئم:۔ چونکہ فوری اصلاح پیدا کرنے کے لئے حکومت کی لاٹھی اور روپے کے خزانے مسلمانوں کے ہاں کہیں موجود نہیں اس لئے سب سے پہلے مسجد کی بنیاد یعنی امام ہی کو بلند کرنے کی ہوا پیدا کی جائے۔ اس کے ہاتھ میں عصائے حکومت دے کر یہ کام بغیر خزانوں کے کرایا جائے۔

چہارم:۔ ادارہ کے پیشِ نظر اس وقت صرف یہ ہے کہ چند صد یا غایت چند ہزار مساجد تک اس سعی کو محدود کیا جائے۔ ہر شہر میں چند مسجدیں اس سلسلے میں پیوست ہونے کے لئے آمادہ ہو جائیں اور پھر جب ایک ڈھانچا تیار ہو جائے نظامِ عام کی دعوت دی جائے۔ اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر پہلا عمل یہ تجویز کیا گیا ہے کہ اب کے جمعۃ الوداع اور عید الفطر کے موقع پر ایک عام فہم اور حوصلہ انگیز خطبہ جو ادارہ میرے قلم سے شائع کرکے کم از کم بیس پچیس ہزار کی تعداد میں مفت تقسیم کرے، مسجد کے امام صاحبان اپنی اپنی مساجد میں اپنے مقتدیوں کے سامنے پڑھیں۔ حوصلے سے ہر امام اپنی پوزیشن قوم پر واضح کرے، پھر عصائے حکومت اور اختیار امامت کو عملاً ہاتھ میں لے۔ وہ اس خطبے کی سند پر قوم سے اپنے فرائض کا چارج لے اور چارج لیتے ہی اپنے امامت کے تمام رنگ کو بدل دے اور اسی اثنا میں صحیح امامت کے اہل بنتا جائے۔ یہ خطبہ اردو زبان میں ہو، اس کی عبارت ایسی صاف ہو کہ مسجدوں میں جانے والے نمازی اس کی دلیل کو سمجھ سکیں۔

نتائج

اگر اس مقصد کا ایک کمترین حصہ اب کے رمضان میں حاصل ہو گیا، اگر بیس ہزار خطبوں کی تقسیم سے دو ہزار یا دو سو مسجدیں ہی اپنے امام کے وقار کو قائم کرنے کے لئے تیار ہو گئیں، اگر ان دو سو اماموں میں سے بیس اماموں نے بھی "الٰہی حکومت" پھر قائم کر دی، بیس امام اس قدر روشن دماغ نکل آئے کہ ایک لڑی میں پروئے جانے کے قابل ہو گئے تو مسلمانوں کے شرعی نظام کی ہوا کا بندھ جانا یقینی ہے۔ میرا یقین ہے کہ پھر اقل قلیل مدت میں تمام مسجدیں اس نظام کو قبول کر لیں گی

مسلمان اِس پر تُلے نظر آتے ہیں کہ اپنی مسجدوں کو بربادی سے بچائیں۔

روپیہ اور انسانوں کی فوری ضرورت

لیکن خطبے کے اِس بیس ہزار نسخوں کو شائع کرنا، ان کو مناسب مسجدوں میں تقسیم کرنا، مسجدوں کے سوئے ہوئے اماموں کو اس حکمتِ عملی کی اہمیت سمجھنے کے لئے بیدار کرنا، خطبوں کی چھپائی اور ڈاک کا خرچ برداشت کرنا خالہ کا گھر نہیں۔ اس کے لئے روپیہ اور انسانوں کی ضرورت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مطلب کے لئے ذی ثروت، دیندار اور تڑپ والے اصحاب میدان میں نکلیں، سب سے پہلے مجھے براہ راست اچھرہ لاہور کے پتے پر اس اعلان کے شائع ہوتے ہی اطلاع کردیں کہ وہ بیس ہزار میں سے کسقدر نسخے پچاس روپیہ فی ہزار یا سات روپیہ فی صد علاوہ محصول ڈاک کے نرخ سے خریدنے کے لئے تیار ہیں، دوئم ہر شہر سے چند نوجوان اور ہوشمند والنٹیر پیدا ہو جائیں جو اپنا نام اور پتہ مجھے فوراً بھیجیں اور اس کے بعد خود ہر مسجد میں جاکر اماموں میں اس خطبے کے عید الفطر کے دن اور جمعتہ الوداع کے موقع پر پڑھے جانے کی ہوا پھیلا دیں، اُدھر ہر شخص جو ادنٰے خدمت کرنی چاہتا ہے مساجد کے اماموں کے نام اور پورے پتے بھیج دے، دولتمند مسلمانوں سے روپیہ بذریعہ بھجوائے، لاہور آکر چھپوائی اور تقسیم میں مدد دے۔ بھاگ دوڑ میں حصہ لے وغیرہ۔ خطبے کے بنڈل اماموں اور رضاکاروں کو بذریعہ ڈاک بھیج دیئے جائیں گے اور مکمل ہدایات روانہ کردی جائیں گی۔

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

مراسلات پر ایک نظر

مطبوعہ "الاصلاح"

۲۸ر دسمبر ۱۹۳۴ئہ ـــــ مطابق ـــــ ۲۰ر رمضان ۱۳۵۳ھ

۱۴ر دسمبر کے "الاصلاح" میں پچاس مراسلات شائع کئے گئے تھے اور وعدہ کیا گیا تھا کہ ان خطوط سے مستقل نتائج قوم کے متعلق اخذ کئے جائیں گے۔ آج کی اشاعت میں کم و بیش بتیس مراسلات اور درج کر دیئے ہیں اور ان کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کی قلبی کیفیت، ان کی وحدتِ فکر، ان کی آمادگی عمل کا صحیح مرقع آنکھوں کے سامنے پیش کرنا مشکل نہیں۔ تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان بیاسی خطوط کے لکھنے والے مسلمانوں کے ہر طبقے سے متعلق ہیں، ان میں بڑے سے بڑے امیر ہیں جو نفس اور رسم پرستی کی آہنیں زنجیروں کو توڑ کر قوم کو بلند کرنے کے خواہاں ہیں، ان میں انتہائی درجہ کے غریب لوگ ہیں جو اپنی ناداری میں گرے ہونے کے باوجود اسلام کو پھر عروج پر دیکھنا چاہتے ہیں، ان میں متوسط درجے کے انسان ہیں جن کی کیفیتِ قلب اسی اضطراب کو ظاہر کرتی ہے جو کسی دوسرے مسلمان کے دل میں ہے۔ کیا اس بے چینی اور اُمنگ سے جو "الاصلاح" کی چند اشاعتوں نے دلوں کی گہرائیوں سے نکال کر کاغذ کے میدان پر چند دنوں کے اندر اندر رکھ دی ہے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ مسلمانوں کا امیر اور غریب طبقہ اس کا اعلیٰ تعلیمیافتہ اور متوسط العلم طبقہ اس کا مشرقی اور مغربی طبقہ اس کے بوڑھے

اور جوان، اس کے چھوٹے اور بڑے، اُس کے سرکاری اور غیر سرکاری ملازم، اُس کے مولوی اور خطیب، اُس کے دیہاتی اور شہری سب کے سب اِسی تعلیم سے اثر لئے ہوئے ہیں جو قرآن نے انسان کو دی تھی۔ سب کی سیاست بالحاظ مرتبہ ایک ہے، منتہائے نظر ایک ہے۔ کیا اس تمام نمائش اور عریانی کے بعد جو ہم نے دلوں کے افکار و حوادث کو پاس پاس رکھکر کردی ہے یہ اخذ نہیں ہوتا کہ مسلمان اپنی مرض سے باخبر ہے، صحت کی جستجو میں ہے، ڈاکٹر کی تلاش کر رہا ہے، آنکھیں کھول کھول کر دیکھ رہا ہے، کان لگا لگا کر سُن رہا ہے۔ اس چنگاری میں تپش باقی ہے، اس آگ میں دھواں ضرور ہے، اس راکھ کے نیچے آگ سلگ رہی ہے۔

اگر تم اس نتیجے سے متفق ہو جو ہر ہوشمند شخص بطور خود ان خطوط سے اخذ کرے گا تو پھر فطرت کے صرف ایک مشہور عمل کی طرف غور کرنا باقی ہے۔ تم میں سے اکثر بلکہ سب کو اپنی زندگی میں آگ سلگانے کا کبھی نہ کبھی اتفاق ہوا ہوگا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ الگ الگ چنگاریاں پڑی ہیں، چھوٹے اور بڑے کوئلے بکھرے ہیں، ان کے سروں پر انگارے ہیں، لیکن سرے الگ الگ ہیں، تمہارا پہلا عمل اور اوّلین ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ان سروں کو جوڑ دیا جائے ہر انگارے کو دوسرے انگارے کے ساتھ ملاکر حرارت کو متفق کر لیا جائے، تمہارا ذہن تمہیں صاف کہتا ہے کہ جوڑنے کے بغیر کام نہ چلیگا، یہ چنگاریاں الگ الگ رہیں تو شعلہ نہ بن سکیگا، یہ اپنی اپنی جگہ جل کر راکھ ہو جائیں گی، ان کی چھوٹی سی بساط کے اندر جل اُٹھنے کی طاقت نہیں، اگر بڑا کوئلہ ہے اور اس کی کسی نوک پر آگ لگی ہے تو کسی دوسرے سے جُڑنے کے بغیر خود بخود بُجھ جائیگا۔ اگر چھوٹی سی چنگاری ہے اور سرتاپا آگ ہے تو یہ بیچاری مامتا کی ماری بیٹھی بیٹھی جل بھن کر سفید راکھ ہو جائے گی۔ یاد رکھو فطرت کا ادنےٰ سے ادنےٰ عمل ہوشمند انسان کے لئے عبرت کا

بے گمان دفتر ہے، غور کرو تیمور لنگ کو ایک چیونٹی کے دیوار پر چڑھنے اور بار بار گرنے نے ہندوستان پر پے در پے حملوں کی راہ دکھلائی تھی، سکندر اعظم کو مکھیوں کے چھتے نے عالمگیری کا سبق دیا تھا، ہوشمند انسان نے پرندوں کی قطاریں آسمان پر چلتی دیکھ کر اپنی زندگیوں کے نقشے بدل دیئے ہیں، فطرت کو دیکھنے والے خربوزے کی ایک پھانک اور انار کے دانوں کی ترتیب دیکھ کر پھڑک اُٹھے ہیں، ان کے بدنوں کے رونگٹے فطرت کے اس خاموش درس کو سنکر کھڑے رہ گئے ہیں۔ یاد رکھو فطرت کا قانون خدا کا قانون ہے، بنائے زمین و آسمان کا قانون ہے، وہ خدا ہی کچھ کہہ رہا ہے جو کر رہا ہے، اس کا قول اور فعل، اس کا علم اور عمل، اس کا کام اور کلام اس کا قرآن اور فطرت ایک شئے ہیں، اس کا قانون اٹل ہے، اس نے انسان کو اگر سچی آنکھ دی ہے تو اسی قانون کو دیکھنے کے لئے، اور اگر سچے کان دیئے ہیں تو اسی سریلے راگ کو سننے کے لئے، کیا اس کو ٹلوں کے سروں کو جوڑنے میں، اس چیونٹی کے بار بار چڑھنے اور گرنے میں اس مکھیوں کے حیرت انگیز اتفاق میں، اس پرندوں کی ہوشربا قطاریں، آسمان کے تحیر افزا میزان میں، پانی کے ہمیشہ بہنے میں، آگ کے بگیاں جلانے میں، سورج کے وقت پر چڑھنے میں، پھولوں کے وقت پر کھلنے میں تمہیں کوئی لاہوتی قانون کوئی الٰہی حکم، کوئی اٹل فلسفہ نظر نہیں آتا؟ اگر آتا ہے تو سمجھ لو کہ خدائے عظیم نے قرآن عظیم میں تمہیں بار بار فطرت کی طرف اسی لئے توجہ دلائی تھی، صاف طور پر اسی لئے اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا لکھا تھا، تمہیں کہہ دیا تھا کہ میرے قانون سے خوفزدہ، میری ہیبت کے مارے ہوئے وہی لوگ ہیں جو میری فطرت کا علم رکھتے ہیں، میرے کاموں کو جانتے ہیں، میرے قانون سے واقف ہیں، میری عادت سے باخبر ہیں، اس بات سے باخبر ہیں کہ چیونٹی میں بار بار چڑھنے اور گرنے کی ضد پیدا کرنا

میرا فعل ہے، شہد کی مکھی میں دن رات محنت کرنے اور انتظام سے کام کرنے کی طاقت پیدا کرنا میری وحی اور میرا الہام ہے، واضح طور پر اسی لئے وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ٥ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ فرمایا تھا کہ آسمان کے ہوشربا نظام کو دیکھ کر خود نظام قائم کر لو، خود منظم ہو جاؤ، خود سلیقہ پیدا کر لو، میری عادت کو سمجھ لو، میری بات تاڑ جاؤ، میری معرفت کر لو مجھے پہچان لو۔ اگر مجھے اس طرح نہ پہچانا، اگر میری صحیح معرفت اور سچی شناخت اس طرح نہ کی، اگر میرے اٹل اور ناقابل بدل قانون کو اس طرح پر نہ مانا اور نری بڑی بڑی پگڑیاں باندھ کر اور نرے تسبیح کے دانوں پر اللہ اللہ جپ کر میری نگاہ عاطفت کے حقدار بنتے رہے تو اس کائنات سعی و عمل اور اس کارخانہ شرط و جزا میں تمہاری دھجیاں بکھیر کر رکھ دونگا۔

پس اے مسلمانو! خدا کا سچا پہچاننے والا تیمور لنگ تھا، سکندر اعظم تھا، امان اللہ اور نادر شاہ تھے، غازی عبدالکریم تھا، مصطفٰے کمال پاشا ہے، رضا خان پہلوی ہے، ابن سعود ہے، تم معرفت خدا بڑی بڑی پگڑیوں اور مرجھائے ہوئے چہروں میں نہ ڈھونڈو، تم اللہ کی پہچان چست بدنوں، روشن چہروں، خوبصورت اور سڈول جسموں میں تلاش کرو، یاد رکھو جسنے خدا پہچان لیا، جسنے دوست کو سمجھ لیا، جسنے مالک کی رضامندی پالی تو دوستی، آقائیت اور مالکیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دوست تمکو اس دنیا میں اور دنیا کے بعد آخرت میں بےخوف و خطر کر دے: اَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ پس آج ان خطوط کے پڑھ لینے کے بعد تمہارا پہلا عمل یہ ہے کہ یہ آگ کی چنگاریاں جو مختلف جگہوں پر علیحدہ علیحدہ سلگ رہی ہیں خود بخود آپس میں جڑ جائیں، ہر شخص دوسرے شخص سے ملاقات، مواخات، محبت، موانست کی راہ رسم پیدا کرے۔ جب حرارت یکجا ہو گئی تو پھر دیکھنا کہ شعلے آسمان تک کیسے بلند ہوتے ہیں! عنایت اللہ خان المشرقی

جریدۃ الاصلاح کا خطبہ نمبر

موسومہ بہ

دعوت

یعنی

خطبۂ عید الفطر ۱۳۵۳ھ

مطبوعہ "الاصلاح" ۴ جنوری ۱۹۳۵ء مطابق ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ المستعان الرحیم الرحمٰن الذی علمنا القرآن وجعل الشمس والقمر بحسبان والسماء رفعها ووضع المیزان الا تطغوا فی المیزان فسبحان من تنزہ صفاتہ عن التغیر والبطلان والحمد للہ جلی البرھان عظیم السلطان الرحیم الرحمٰن الذی نزل الفرقان علی السماء الدنیا فی شھر رمضان بل امطر اقطار الرحمۃ من سحاب السماحۃ والغفران الذی طاعت حکمہ عتق من النیران ومعصیۃ امرہ علم للخسران والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین ونبی اٰخر الزمان الذی ھدی الانسان الی ربہ العزیز المنان وثبت قومہ وامتہ علی الطاعۃ والعدل والاحسان الذی قال اسمعوا واطیعوا ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی نھایۃ العصیان الذی قیل لہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ وقیل من بعدہ من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمٰن الرؤف الرحیم الذی الف القلوب وزکی النفوس وشرح

الصدور وجهز الجیوش وقطع القیود واذھق فینا عبادۃ ما خلا الرحمٰن۝ یا معشر الجن و
الانسان۝ ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض لا تنفذون الا بسلطٰن۝
نحمد اللہ علی جزیل نعمائہ ونشکر علی الجمیل آلائہ فھل جزاء الاحسان الا الاحسان۝ ونصلی علی رسولہ الکریم
وجمیع رسلہ الکرام الی اخر الزمان الاتقیاء العظام علیھم الاف تحیاتنا والسلام

اما بعد! اے ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانو! اور اے دینی بھائیو! ابھی دس برس سے
زیادہ مدت نہیں گزری کہ تم دینی نقطہ نظر سے ایک نظام میں پروئے ہوئے تھے، تمہارا خلیفہ تھا،
تمہارا روحانی امیر تھا۔ تمہارا ایک بڑی سلطنت سے الٰہی واسطہ تھا۔ تمہارا ہر امام ہر جمعے منبر پر
دستارِ امامت پہنے اور عصائے خلافت ہاتھ میں لئے تم کو وعظ کہتا تھا۔ تمہیں اسلام کے جلال
اور جمال سے آگاہ کرتا تھا۔ تمہیں الٰہی حکومت کا براہِ راست درس دیتا تھا، تم جوق در جوق
آتے تھے، ستھرے بدن اور خوشنما لباس تمہارے تھے، جمعیت کی آب تمہارے چہروں پر
تھی۔ عشق اور خوشبوئیں تمہاری محفلوں میں تھیں۔ اللہ اکبر کے نعرے تمہارے جگروں میں
تھے، وہ امام اور پیشوا اس درس اور وعظ کے بعد تمہیں ہر جمعے ایک جاہ و جلال، ایک سطوت،
ایک دبدبہ، ایک جبروت، ایک لاہوت، ایک ہُو میں لانے کے لئے تمہارے ایک امیر کا نام لیتا
تھا۔ وہ نام تمہاری وحدت کو **محمد** کی شان نبوت سے اور محمد کی شان کو خدائے ذوالجلال
کے جلال سے ملائے رکھتا تھا، پھر اتحاد کی بجلیاں تمہارے بدنوں میں دوڑتی تھیں، جمعیت
کی گرمیاں چہروں کو سرخ کر دیتی تھیں۔ تمہیں عقیدوں پر جھگڑا کرنے کی خبر نہ تھی، تم میں راؤں اور
قولوں پر کٹ مرنے کے عنوان نہ تھے۔ خلیفۃ المسلمین کا نام تمہارے لئے اس امر کی تبینہ تھی کہ تمہارا

کوئی والی وارث سر پر ہے، پُرسانِ حال موجود ہے۔ تم میں اختلافِ رنگ کے باوجود یک رنگی ہے۔ اختلافِ نسل کے ہوتے ہوئے یکسانی ہے۔ تمہاری جماعت کے سر پر کوئی ہاتھ ہے۔ تم آزاد ہو کر اسلام سے بندھے ہوئے ہو، اپنے وقار اور خودداری سے بندھے ہوئے ہو۔ رسولِ خدا کے جانشین سے بندھے ہو۔ خدائے لایزال سے بندھے ہو۔ سرورِ کائنات کا یہ جانشین اسلام کی حکومت کا زندہ علمبردار تھا، اور تمہاری مسجد کا ہر امام اُس خلیفہ کی شوکت کا زندہ عصابردار۔ مسجد میں ایک نظام میں تھیں، سجدے ایک زندہ رشتے میں تھے، دل ہنس رہے تھے، جگر اُچھلتے تھے، دوست خوش بخوش تھے، دشمن دبک میں تھا۔ لیکن دس برس کی ایک چھوٹی سی قمرن کے اندر اندر تمہاری یہ سب ہوا اُکھڑ گئی ایک زندہ نام کے نکل جانے نے تم میں سب طرف مُردنی پھیلا دی۔

ہاں مسلمانو! خلافت کے چلے جانے سے تمہاری ہوا اُکھڑ گئی۔ تمہاری سیاسی اور دینی وحدت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ تم اپنے مختلف عقیدوں اور علیحدہ سلسلوں میں ہوتے ہوئے مختلف رنگوں کے پھول تھے، مگر خلافت کے مضبوط تاگے سے بندھے تھے۔ اب وہ تاگہ ٹوٹ گیا ہے۔ اِس گلدستے کے رنگا رنگ پھول بکھر چکے ہیں۔ اب تم میں ہر شخص بجائے خود امیر بنا ہے۔ امیرِ شریعت بنا بیٹھا ہے۔ اسلام کی عالمگیر سیاست کا مالک بنا ہے، الٰہی حکومت کا بادشاہ بنا ہے۔ آج تمہاری بے فوج کی جرنیلی پر دشمن ہنس رہا ہے۔ تمہاری بے رعیت کی بادشاہت سے غیر مخول کر رہے ہیں تمہارے غلبے کے تخیّل اور جنت کے سبز باغوں کی انتظار پر مخالف قہقہے لگا رہے ہیں تمہارے سینے تنگ ہو ہو کر اور دماغ پیچ پیچ کر اس قابل نہیں رہے کہ تم دینِ اسلام کی عظیم الشان سیاست کو سمجھ سکو، سرورِ کائنات کی نبوّت کو سمجھ سکو، رحمۃ للعالمین کی رحمت کو سمجھ سکو،

خدائے ذوالجلال کی شانِ رحیمی کو سمجھ سکو، اسلام کی شانِ جلالی کو سمجھ سکو، دینِ خدا کے جمال کو سمجھ سکو۔ نہیں قرآن کو سمجھ سکو۔ اپنے کلمۂ توحید کو سمجھ سکو۔ نماز اور روزوں کو سمجھ سکو۔ حج اور زکوٰۃ کو سمجھ سکو۔ شہادتِ رسول اور گواہیٔ خدا کو سمجھ سکو۔

اس فرضی امارت اور خیالی بادشاہت پر جو تم نے گھر گھر پیدا کرلی ہے ایک اور مصیبت ہے وہ یہ کہ تم نے اپنی مسجدیں الگ کرلی ہیں۔ امام الگ ہوگئے ہیں۔ ایک مسجد کی صف، خدا کے واسطے نہیں، بلکہ دوسری مسجد کی صف کے مقابلے میں کھڑی ہے۔ متولی الگ الگ ہیں۔ ایک محلے میں کئی کئی مسجدیں ہیں۔ جمعے الگ الگ ہیں۔ عید کی نمازیں الگ الگ ہیں گویا اگر غور سے دیکھو تو تمہارے خدا الگ الگ ہیں۔ اگر سمجھنے پر آؤ تو تمہارے رسولؐ جدا جدا ہیں۔ تم مسلمان ہوکر کئی خداؤں کی عبادت کر رہے ہو۔ ایک محمدؐ نہیں، کئی رسولوں کی امت ہو۔ یاد رکھو تمہیں پہلا اور آخری سبق جو اسلام کے اندر دیا گیا ہے یہ ہے کہ خدا ایک ہے، آقا ایک ہے، مالک ایک ہے، جب مالک ایک ہے، تو ناممکن ہے کہ وہ ایک نوکر کو کہے ایسا کرو، اور دوسرے کو کہے ایسا نہ کرو۔ ایک کو کہے یہ بات کرو، دوسرے کو کہے اس بات سے بچو۔ پس اگر خدا ایک ہے تو اس کے بندوں کا آپس میں دو دو ہونا، اس کے نوکروں کا آپس میں لڑتے رہنا ناممکن ہے۔ ایک رسولؐ کے ہوتے ہوئے اس کی امت کا آپس میں الگ الگ ہونا کئی خداؤں اور کئی رسولوں کو ماننا ہے، مشرک اور کافر بننا ہے، اسی بنا پر اللہ پاک نے قرآن میں فرمایا تھا وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ یعنی دیکھنا مشرک نہ بن جانا، اور مشرک وہ قوم ہے جنہوں نے اپنے دین کے اندر کئی فرقے بنا لئے۔ کیا تم اتنی چھوٹی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ رسولِ خدا کے وقت میں مسلمان ایک تھے، ان کا

ایکا تھا، ان کا جتھا تھا۔ یہ اس لئے کہ ان کا خدا اور رسولؐ ایک تھا۔

لیکن اب اس تمام حالت کا جو خراب ہو چکی ہے یک دم علاج کرنا مشکل ہے۔ خلافت کو ختم ہوئے ہوئے دس برس ہو چکے ہیں۔ ترکوں کے سوا کوئی اسلامی سلطنت اس عظیم الشّان بوجھ کو اٹھانے کے قابل نہیں، اور ترک اس پر رضامند نہیں۔ اس لئے خلافت کو فوراً پھر قائم کر دینا محال ہے۔ تمہارے مذہبی فرقوں پر ہر شہر بلکہ ہر محلہ میں ایک چودھری بنا ہوا ہے اور سب چودھری آپس میں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اس لئے کہ کوئی دوسرا چودھری بڑا نہ بن جائے۔ اس لئے ان بڑے بڑے بُتوں کو فوراً توڑ دینا مشکل ہے۔ مسجدوں کے عقیدے مختلف ہو گئے ہیں اور ایک عقیدے کے آدمی نے دوسرے عقیدے کی مسجد میں نماز پڑھنا گناہ سمجھ لیا ہے۔ ایسی نازک حالت میں اگر کوئی علاج کارگر ہو سکتا ہے تو یہ کہ اُن باتوں کو جو فساد کا باعث ہوئی ہیں نہ چھیڑا جائے۔ ہر مسلمان اپنے اپنے عقیدے پر مضبوطی سے جما رہے، جس عقیدے کو اُخروی نجات کا باعث سمجھتا ہے سمجھے۔ جس بزرگ کو اچھا جانتا ہے، جانے لیکن سب سے پہلے اپنے حلقے کو منظم کرے جس جماعت کے اندر آپ رہتا ہے اس جماعت کو مضبوط کر دے۔ اُس دائرے میں اخوّت پیدا کرے۔ اپنے امیر کا جو خود بنایا ہے کہا مانے۔ اُس کے حکم پر جان دینے کے لئے تیار ہو۔ اس عمل کے بعد وہ صرف اتنا کرے کہ دوسرے عقیدے کے تمام باقی مسلمانوں سے مذہبی بحث نہ کرے۔ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ کے عظیم الشّان اصُول پر عمل کرے۔ اُن کو چھیڑنے اور فساد پیدا کرنے کی خاطر نہ چھیڑے۔ اسلام کے سب بزرگوں، اولیاؤں، پیروں، فقیروں، اماموں اور رہنماؤں کی یکساں تعظیم کرے۔ اگر اپنے بزرگوں

کی عزت کرانا چاہتا ہے تو دوسروں کے بزرگوں کی عزت کرے۔ قرآنِ حکیم میں ہے کہ "اے مسلمانو! تم کافروں کے بتوں کو بھی گالی نہ دو اور ان کی توہین نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ کافر تمہارے خدا کو بُرا کہہ بیٹھیں"۔ پس یہ علاج کہ ہر شخص اپنے عقیدے پر رہے اور دوسرے مسلمان کو بُرا نہ کہے وہ علاج ہے جس سے مسلمانوں کی حالت یک دم بہتر ہوسکتی ہے۔ یاد رکھو کہ جب ہندو یا انگریز یا کوئی دوسری قوم تم پر حملہ کرتی ہے تو وہ حملہ کرتے وقت سُنیوں کو نہیں کہتی کہ الگ ہو جاؤ، ہم شیعوں پر حملہ کرنے آئے ہیں، "اہلحدیث" کو پکار پکار کر نہیں کہتی کہ ہم کو صرف تم سے کام ہے "اہلقرآن" سے نہیں۔ بلکہ وہ صرف "مسلمان" پر حملہ کرتی ہے، مسلمان ہونے کی وجہ سے حملہ کرتی ہے، اسلام کو تباہ کرنا چاہتی ہے، لوائے محمدؐ کو گرانا چاہتی ہے، قرآن کو نیست ونابود کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے مسلمان کے لئے صاف اور کھلا راستہ یہ ہے کہ وہ آپس میں جس قدر مختلف عقیدے چاہتا ہے رکھے، جس طرح قرآن کو سمجھنا ہے سمجھے، جس انداز پر رسولِ خدا سے محبت کرتا ہے کرے، لیکن اُن حملوں میں جو آئے دن دوسری قومیں اُس کی سیاسی طاقت، اُس کی اجتماعی قوت، اُس کی مسجدوں، اُس کے جمعوں، اُس کے حجوں، اُس کے مذہب، اُس کے عقائد، اُس کی دولت، اُس کی تجارت، اُس کی عزت، اُس کی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے کر رہی ہیں، وہ ایک جتھا بن کر رہے۔ جب دشمن حملہ کرے اکٹھا ہو کر جواب دے۔ چالیس کروڑ کی طاقت دکھلائے۔ اُس وقت سب سُنی اور شیعہ ایک ہو جائیں۔ سب حنفی شافعی، سب اہلحدیث اہلقرآن، سب اہلِ علی اہلِ محمدؐ، اہلِ خدا اہلِ فلاں، ایک جھنڈے تلے ہوں۔ ایک شخص کے حکم میں ہوں، ایک کے مطیع بن کر کام کریں۔ ایسی وحدت ہو تو اُمت کا

اختلاف رحمت کا باعث ہے۔ ورنہ یاد رکھو کہ جو قوم دشمن کے حملے کے وقت آپس میں لڑتی رہی اور اس کے سامنے متحد محاذ پیش نہ کیا اس کا ٹھکانہ اس دنیا اور آخرت دونوں میں جہنم ہے۔ پس مسلمانو! تمہارا پہلا کام یہ ہے کہ تم اپنے فرقے اور جماعت کے اندر درستی پیدا کرو۔ ہر شخص جو کسی خاص عقیدے کا ہے اپنی جماعت کو اس بات پر زور دے کہ لوگ اس جماعت کا باضابطہ امیر منتخب کریں۔ پھر جو چودھری بنے تمام جماعت اس کی فرمانبرداری میں لگ جائے، اس کے حکم کو بے چون و چرا مانے۔ ایک عقیدے کے سب لوگ آپس میں پوری محبت، پوری رواداری کامل اتحاد عمل سے رہیں۔ یاد رکھو جب ہر فرقہ کے اندر نظام قائم ہو گیا اسلام کے تمام فرقے بیرونی نظام کے ماتحت خود بخود ہو جائینگے۔ اگر مسلمان آپس میں جھگڑتے نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے فرقوں میں اندرونی مضبوطی نہیں، اندرونی نظام نہیں، ایک فرقہ دوسرے فرقے سے اتحادِ عمل اس لئے نہیں کرتا کہ اس فرقہ کے اندر خود اتحادِ عمل موجود نہیں۔ جب ہر فرقہ آپس میں اتحادِ عمل سکھلائے گا۔ سب فرقے ضرورت وقت کو دیکھکر، زمانے کی چلن کو دیکھ کر، فطرت کے قانون کو دیکھ کر متحد ہو جائیں گے۔

مسلمانو! اس ضمن میں تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مذہب اسلام کے فرائض کا ایک بہت بڑا حصہ قیامِ جماعت ہے۔ جو شخص اسلام کا دعوےٰ کرتا ہے اور ساتھ ہی جماعت سے الگ ہو کر کوئی کام کرتا ہے وہ خدا کے نزدیک مسلمان ہرگز نہیں۔ اُس کا ٹھکانا از روئے قرآن و حدیث جہنم ہے۔ قرآن حکیم کا ایک ایک ورق اس دعوے کا شاہد ہے، لیکن مثال کے طور پر اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ کافی ہے یعنی جن لوگوں نے

اپنے مذہب میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے‘ اے محمدؐ! تم اپنے آپ کو ان سے الگ سمجھو گویا
فرقہ بند لوگ سب جہنمی ہیں۔ رسولِ خدا (صلّی اللہ علیہ وسلم) اُن سے الگ تھلگ ہونگے۔ اسی
طرح کئی حدیثیں ہیں۔ یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ یعنی جماعت کا خدا ہی حامی ہے‘ لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِالْجَمَاعَۃِ
یعنی جماعت کے بغیر نماز پڑھ لینا کوئی نماز نہیں، مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ یعنی جو جماعت سے
علیحدہ ہو گیا اس نے جہنم میں اپنی جگہ علیحدہ کر لی، عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ یعنی
اے مسلمانو! تم پر فرض ہے کہ جماعت کو قائم کرو، پھر اپنے امیر کے حکموں کو سنو اور اس کی
بے چون و چرا اطاعت کرو، مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَجِدْ اِمَامَہٗ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ
یعنی جو مر گیا اور اُس نے اپنے امام کو نہیں دیکھا یعنی اپنا سردار نہیں بنایا وہ جاہلیت یعنی کافروں
کی موت مرا۔ الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو مذہب اسلام روپیہ میں سے چودہ آنے خالص
اس امر کی تعلیم دیتا ہے کہ تم جماعت قائم کرو، ایک گروہ بن کر رہو، جتھا بن جاؤ، اپنے امیر
کی فرمانبرداری کرو، ہر وقت اور ہر حال میں منظم رہو۔" اگر کسی جنگل میں صرف تین آدمی ہوں
تو ان کو وہاں رہنا حلال نہیں مگر اس حال میں کہ ان میں سے ایک کو اپنے پر امیر مقرر کرے" (حدیث)
سفر اور حضر، شہر اور جنگل، امیری غریبی الغرض ہر حالت میں منظم ہو کر کام کرنے، ایک میزان میں رہنے، تابع
فرمان ہونے کا فرض مسلمان سے کسی حالت میں ٹل نہیں سکتا۔ مسلمان کو حکم ہے کہ" اگر وہ کسی
ایسے شہر کے پاس سے گزرے جس میں بادشاہ نہ ہو تو وہ اس شہر میں داخل نہ ہو، کیونکہ
بادشاہ مظلوموں کے لئے اللہ کا سایہ ہے اور فساد کو روکنے کے لئے اللہ کا نیزہ ہے (حدیث)۔ مسلمان
کو کہا گیا ہے کہ" امیر خواہ نیک ہو یا بد، بہر نوع ضروری ہے" (حدیث) اس کو کہا گیا ہے کہ مومن حتی الوسع

کوشش کرے کہ ایک رات بھی بغیر امیر کے نہ رہے اور اگر امیر نہ ہو تو وہ رات اُس امیر کے بنانے میں صرف کر دے۔" (حدیث) اس کو کہا گیا ہے کہ "تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنے پر امیر بنا لیا کریں۔" (حدیث) اور یہ حکم اس قدر بنیادی اور اصولی ہیں کہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اُس وقت نافذ ہوئے جبکہ مسلمان انتہائی عاجزی کی حالت میں تھے پس ان تمام باتوں سے جو میں نے کھول کھول کر بیان کر دیں، یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ "جماعت" دین اسلام کا جزو اعظم ہے، دنیا کے چالیس کروڑ مسلمان سب کے سب ایک جماعت میں پروئے ہوتے چاہئیں۔ ان پر ایک امیر، ایک حاکمِ ناطق، ایک خلیفہ ہونا چاہیئے۔ جو شخص اِس جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنمی ہوا۔ لیکن اگر چالیس کروڑ کی ایک جماعت اور اس کا ایک امیر نہیں تو ایک نہایت ادنےٰ اور معمولی نیکی یہ ہے کہ جس فرقے اور گروہ کے اندر تم شامل ہو، جس جہنم کے گوشے میں تم بیٹھ کر اسلام کا دعوےٰ کر رہے ہو کم از کم اِس چھوٹے سے گروہ کے اندر تو ایک امیر کے ماتحت ہو کر رہو تاکہ اِس جہنم کے اندر ہی تمہیں کوئی بہتر جگہ مل جائے۔

مسلمانو! اِسی نظام کی ضرورت کو جب سے تم نے سمجھنا چھوڑ دیا تمہاری ہوا بگڑ گئی۔ تمہاری خلافت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، تمہاری سیاسی سلطنتیں کمزور ہو گئیں، تم پر دشمنوں نے دست درازیاں شروع کیں۔ پس فرقہ بندی کے اِس خطرناک مرض میں جس میں اب تم گرفتار ہو اور خواہش کے باوجود اِس آگ سے نکل نہیں سکتے، تمہارے لئے بہترین دوا پھر وُہی اصول ہیں جن پر چل کر تم نے رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت میں اسلام قبول کیا تھا۔ تم آج اس فرقہ بند حالت میں بھی اپنے اپنے چھوٹے سے دائروں کے اندر نظام پیدا کرو، ایک امیر بناؤ۔ اُس

امیر کے ماتحت کام کرنا سیکھو، سمع اور طاعت کی ہوا پیدا کرو۔ یاد رکھو خدائے بے نیاز و بے ہمتا کا قانون ذات پات، اونچ نیچ، چھٹائی بڑائی، فرقِ مذہب، تفریق رنگ و نسل سے اِس قدر بلند، بالاتر اور مطلق ہے کہ اگر دنیا کے کسی گوشے میں بڑے سے بڑا چور اور ڈاکو بھی اُس قانون پر عمل کر رہا ہے، چوری اور ڈاکہ زنی کیوقت بھی منظّم طور پر کام کر رہا ہے، چوروں کی منظم جماعت کا رُکن ہے، کسی ڈاکو امیر کا حکم مان رہا ہے، تو خدا اس چور اور ڈاکو کو بھی اسلام کے اصولِ جماعت پر اس چند لمحوں کے عمل کے عوض میں کامیابی عطا فرماتا ہے۔ تم تاریخ میں دیکھتے ہو کہ مشہور مکّار حسن بن صباح اور اس کے پیروؤں نے اپنے حُسنِ نظام سے ایراں کی عظیم الشان سلطنت کو تین سو برس تک خطرے میں ڈالے رکھا کُلاًّ نُمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ الخ یہ خدائے عظیم کی عادت ہے۔ پس اگر تم نے اپنے فرقوں کے اندر رہ کر ہی نظام پیدا کرلیا، اگر ریزے ریزے ہی آپس میں جُڑ گئے تو پھر بڑے ٹکڑوں کا آپس میں جُڑ جانا کچھ مشکل نہیں۔

لیکن اپنے اپنے عقیدوں پر مضبوطی سے قائم رہ کر اپنے فرقے کے اندر نظام پیدا کرنا اور پھر اس نظام کو عام کر کے ہر فرقے میں نظام پیدا ہو جانے کی امید رکھنا، اُن کو منظم ہونے کی دعوت دیتے رہنا وغیرہ وغیرہ، اِن تمام باتوں میں کامیابی خود ایک زبردست نظام کی محتاج ہے۔ مسلمان اس وقت بے بس ہے، بیچارہ ہے، خوف کے باعث سہما ہُوا ہے، حُزن اور غم کی وجہ سے دبکا ہوا ہے، افلاس نے اس کی آواز میں زور نہیں رکھا شکست کے شرم و حجاب نے اُسے معمولی باتوں کے کرنے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اسلئے اُس سے اُس کے اپنے فرقے کے اندر نظام پیدا کرنے کی تمنّا رکھنا اس کی ہمّت سے بالاتر بات کہنا ہے۔ اور اے مسلمانو! اگر اس سے

بھی پڑھ کر میں تمہیں کہوں کہ تمام فرقوں کے اندر نظام پیدا کرد و تو یہ میرا تمام خطبہ تمہارے لئے ایک بیکار وعظ ہوگا۔ اس سے کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوسکیگا۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے میں تمہیں ایسی سہل اور قابل عمل نیکی کی طرف لے جانا چاہتا ہوں جو ہر مسلمان خواہ وہ کتنا ہی عاجز اور بے بس ہو آسانی سے کرسکتا ہے۔

مسلمانو! تم جانتے ہو کہ اسلام کی مٹی ہوئی عظمت کا اگر کوئی نشان تیرہ سو برس کے بعد بھی نمایاں طور پر باقی ہے تو وہ ہماری **مسجدیں** ہیں۔ ارکان اسلام میں سے کلمۂ شہادت پر عمل، مدت ہوئی مسلمانوں کی بے عملی سے مٹ چکا، نیک عمل کر کر کے خدا کے وجود کی گواہی دنیا مدت ہوئی مسلمان کے ذہن سے نکل چکا ہے، حج کو روئے زمین پر سے مٹانے کے لئے کئی مخالف طاقتیں کام کررہی ہیں۔ انگریزی حکومت کی پابندیوں اور مغربی تہذیب کے روحانیت کُش اثرات نے حاجیوں کی تعداد میں ایک نہایت خطرناک کمی پیدا کردی ہے۔ ۱۹۰۳ء میں قریب ایک لاکھ حاجی صرف ہندوستان سے گئے تھے ۱۹۲۶ء میں صرف ۳۶ ہزار رہ گئے، حتےکہ ۱۹۳۲ء میں ۱۲ ہزار، ۱۹۳۳ء میں ۱۰ ہزار اور ۱۹۳۴ء میں صرف ۹ ہزار رہ گئے۔ تمام دنیا کے حاجیوں کی تعداد ۱۹۳۴ء میں صرف ۲۶ ہزار تھی، گویا جتنے حاجی ۱۹۲۶ء میں صرف ہندوستان سے گئے تھے ان سے بھی ۱۰ ہزار کم تھی، ایسی حالت اگر کچھ اور دیر تک رہی تو حج کے شعار کا روئے زمین پر سے مٹ جانا اٹل ہے زکوٰۃ جو کسی زمانے میں بیت المال میں جمع ہوکر مسلمانوں کی طاقت کا باعث ہوا کرتی تھی، مدت ہوئی حکومت اور سلطنت کے ساتھ مٹ چکی۔ رمضان کے روزوں کی ہوا ہر جگہ نہایت سرعت سے اکھڑ رہی ہے۔ لاٹھی کے زور پر شریعت کے حکم منوانے والا مسلمانوں

میں کوئی امیر باقی نہیں رہا۔ ایسی حالت میں ہماری شہروں اور محلوں کی **مسجدیں** باقی ہیں، ان پر ابھی تک قفل نہیں لگے۔ ان کی عمارتیں باقی ہیں، اُن میں "جماعت" کی کچھ نہ کچھ ظاہری شکل باقی ہے، اُن کا رسمی احترام اور نظم و نسق کی ظاہری صورت باقی ہے، اُن میں "امام" یعنی مسجدوں کو چلانے والے باقی ہیں، متولیانِ مساجد باقی ہیں۔ ایسی حالت میں یہ کہنا کہ مسلمانوں کے اندر پھر قوّت اور شوکت کے آثار مسجدوں کی تنظیم سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ حقیقت سے کچھ دور نہیں۔

لیکن ہندوستان کی تین لاکھ بیس ہزار مسجدوں کی تنظیم، جن میں روزانہ کم از کم پچیس لاکھ مسلمان نماز پڑھتے ہیں، ایسا کام نہیں جو محض کہہ دینے یا چند آدمیوں کی رضامندی اور خواہش سے ہو جائے۔ اگر پچیس لاکھ انسانوں کی اس حیرت انگیز تعداد کے ایک مذہبی مرکز میں پانچوں وقت روزانہ جمع ہونے کے باوجود مسلمانوں میں طاقت کی آخری علامتیں مٹ رہی ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان مسجد، سجدے اور عبادت کی اصلی غرض و غایت قطعاً بھول چکا ہے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِالْجَمَاعَۃِ کی عظیم الشان حکمت اس کے ذہن سے نکل چکی ہے۔ وہ اس دھوکے میں ہے کہ خدا کو نماز کی **ضرورت** تھی۔ کیونکہ مسلمان کے سجدوں کے بغیر خدا خدا نہ ہوتا۔ اسلئے نماز "فرض" کر دی گئی۔ اب جو نمازی مسجد سے نکلتا ہے خدا پر اتنا ہی احسان دھر کر اور تمام باقی دنیا سے اپنے آپ کو بہتر خدا کی خدائی کو قائم کرنے والا، اُسکا منظورِ نظر، بلکہ اس کو مَعَاذَ اللّٰہ اپنا دستِ نگر سمجھ کر نکلتا ہے۔ اگر خدا کا حوصلہ انسان جتنا ہوتا تو وہ کبھی کا اِس نااہل قوم کی بیخ اکھاڑ کر صفحہ زمین پر اس کی دھجیاں اُڑا دیتا!

قرنِ اوّل میں جب کہ **نماز** کا حکم آسمان سے نازل ہوا، انسانی بہتری کے اس بے نظیر ہتھیار

کا مقصود **قیامِ جماعت** تھا ہی نہیں، بلکہ **قیامِ سلطنت تھا**۔ خدائے پاک یہ چاہتا تھا کہ اپنے پیارے اور محبوب نبیؐ کے مٹھی بھر پیروؤں کی یہ جماعت دنیا کی بہترین خوبیوں کی مالک بن کر چند برسوں کے اندر اندر تمام عالم پر چھا جائے پھر اگر سلطنت سے بھری ہوئی دنیا میں کسی کی حکومت ہو، تو اللہ والے مسلمان کی ہو۔ اِس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے اُس نے اِس نماز کو دنیا جہان کی تمام خوبیوں کا نچوڑ بنا دیا۔ سب سے پہلے لوگوں کو حکم دیا کہ اے لوگو! خدا کے آگے **جھکنے** کے واسطے تیار ہو جاؤ تا کہ ہر انسان میں عاجزی انکساری اور خاکساری کا اخلاق پیدا ہو۔ اتنی بڑی ذات کے آگے جھکنے کو کون تیار نہ ہو گا۔ اس لئے **اپنے** آگے جھکنے کو کہا تا کہ امیر غریب چھوٹے بڑے ادنیٰ اعلیٰ کسی کو اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے، اور سب کے سب نماز کو صدیوں اور ہزاروں برس تک قائم رکھ سکیں۔ خدا کے سامنے جا کر کچھ عرض کرنے کی انسان کے دل میں طبعی خواہش ہے اس لئے آج ہزاروں سال کے بعد بُرے سے بُرا شخص بھی اپنی عمر میں کبھی نہ کبھی خدا کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ پس نماز کو ایک **ہمیشہ کا عمل** بنانے اور اس کے اندر ایک دائمی قوت اصلاح قائم کرنے کے لئے حکم دیا کہ **میرے** آگے جھکا کرو۔ پھر کہا کہ یہ نماز پانچ وقت ہو گی، تا کہ شیطان کا مقابلہ دن میں پانچ وقت ہُوا کرے اور مسلمان کی **قوّتِ عمل** زیادہ ہو۔ روحانیت زیادہ ہو۔ پھر حکم دیا کہ یہ نماز روزانہ عین **وقت** پر ہوا کرے گی۔ تا کہ تمام قوم کی قوم **وقت** کی **پابند** ہو جائے۔ اِس میں وُہ عظیم الشان اخلاق آ جائے جس کا مالک ہونا قوم کو فوراً طاقت ور کر دیتا ہے۔ پھر کہا کہ نماز "فرض" ہو گی۔ تا کہ قوم کے ہر فرد میں ہر فرض کو پورا کرنے کا احساس پیدا ہو جائے۔ اِن امور کے اعلان کے بعد حکم دیا کہ جمع ہونے سے پہلے صاف ستھرے بدن اور

پاکیزہ کپڑوں سے آیا کرو۔ وضو کئے بغیرمت آؤ۔ اتنے بڑے حاکم کے سامنے جانا ہے۔ وہ تمہارے
میلے بدن اور میلے کپڑوں کو دیکھ کر ناراض ہو جائے گا۔ یہ اس لئے کہ تمام قوم میں صفائی جو دراصل
قربِ خدا کا باعث ہے، آجائے۔ ان ابتدائی باتوں کے بعد حکم دیا کہ ایک قطار میں کھڑے
ہو جاؤ۔ تاکہ تم میں **فوج** کے سپاہیوں کا ڈھنگ پیدا ہو جائے۔ تم میں کامل اور مکمل مساوات
قائم ہو۔ کوئی شخص اُونچا نہ رہے۔ کوئی نیچا نہ رہے۔ سب میں کامل اُخوت اور محبت ہو۔ پھر کہا
صفیں بالکل سیدھی ہوں۔ تاکہ تم میں فوج کے سپاہیوں کا چست نظام پیدا ہو۔ کامل خاموشی
ہو تاکہ تم اس قطار میں کھڑے ہو کر باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ پھر کہا کہ تم میں سے سب سے
اچھا آدمی، سب سے عمدہ کام کرنے والا آدمی، سب سے لیاقت والا اور قابل آدمی، سب سے
عزت اور وجاہت والا آدمی تمہاری صف کے آگے کھڑا ہو جائے۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا سردار
ہے یہ سردار تمہیں "نماز پڑھائیگا"، نہیں تمہاری **کمان** کریگا۔ گویا تم سب ایک جرنیل کے حکم ماتحت ہو۔
اب اگر وہ ہاتھ باندھے کھڑا ہے تو تم بھی اِس طرح خاموش کھڑے رہو، اگر وہ گھٹنوں پر جھکتا
ہے۔ تم بھی فوراً جھک جاؤ۔ گویا اُس کے حکم کی پوری، خاموش اور بے چون و چرا **اطاعت** تم پر
لازم ہے۔ اگر وہ سجدے میں جاتا ہے، تم بھی جاؤ۔ بیٹھتا ہے تم بھی اسی طرح بیٹھو۔ صحیح حرکت کرتا
ہے صحیح کرو۔ غلط کرتا ہے، **غلط** کرو۔ ایک طرف نماز پڑھتے پڑھتے دوسری طرف تمام جسم پھیر لیتا
ہے، تم بھی پھیرو۔ اگر تم نے اپنی سردار کی حرکتوں سے ایک لمحہ پہلے یا پیچھے حرکت کی، اگر تم نے اُس
کے عمل کے خلاف ذرا پہلے یا پیچھے اپنا سر زمین سے اُٹھایا تو تم وہ بدبخت ہو جس کا سر قیامت
کے دن گدھے کا سر ہو گا (حدیث)۔ اگر تم اس قطار میں ڈھیلے ڈھالے رفقا موا

کُسالیٰ (+) بیدلی سے اور الکسائے ہوئے کھڑے ہوئے تو تم **منافق** (یعنی اس قطار میں پریشانی اور انتشار پیدا کرنے والے) ٹھہروگے اور تمہارا ٹھکانا جہنّم کا سب سے نچلا درجہ ہوگا (قرآن)۔ مقصود یہ تھا کہ تمام قوم کی قوم انتہا درجہ کی **چُست**، انتہا درجہ کی فرمانبردار۔ فوج کی طرح چاق چوبند، سردار کے حکم کو **کان** دھر کر سننے والی، سردار کی حرکتوں پر نہایت غور سے آنکھ لگانے والی جلد سے جلد بن جائے۔ خدا مسلمانوں میں نماز جاری کرنے سے پہلے بھی خدا تھا۔ اس لئے وُہ جاہل اور بے وقوف مسلمان جو چند بے دقت، بے ربط اور بے معنی ٹکّریں زمین پر مار کر خدا پر نماز پڑھنے کا احسان دھرتا ہے، اور باقی تمام انسانوں کو کافر سمجھتا ہے، اِن احکام کی جو نماز کے متعلق دیئے گئے تھے حکمت کیا جانے۔ اگر خدا مسلمانوں پر رحیم، اُس کا رسولؐ مومنوں کے ساتھ رحیم اور قرآن حکیم پہلے مسلمانوں کے لئے **رحمت** تھا، تو صرف اِنہی معنوں میں کہ وہ قرآن کی حکمت کو سمجھتے تھے۔ اور اگر خدائے پاک کے آخری رسولؐ کو قرآن حکیم میں **رحمۃ للعالمین** کا لقب دیا گیا ہے تو اِس لئے کہ جس قوم نے بھی بلا لحاظ اِس کے کہ وہ کون ہے، اپنے اندر وہ اخلاق، وہ کیریکٹر، وہ عمل، وہ خوبیاں پیدا کر لی ہیں، جو نماز کے عظیم الشان فعل یا قرآن کے کسی اَور حکم یا شعار یا رُکن سے مقصود ہیں تو خدا نے اپنی **رحمت** کے دروازے یکسر اُس پر کھول دیئے ہیں۔ اور اگر آج مسلمان

+ قرآن حکیم میں ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَھُوَ خَادِعُھُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ (۴-۱۴۲) اور دو آیتیں بعد ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۴-۱۴۵) یعنی "منافق لوگ جو وقت نماز کی قطار میں کھڑے ہوتے ہیں، ڈھیلے ڈھالے کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے ڈھیلے ڈھالے پن سے ہی مسلمانوں کی چُست قطار میں انتشار اور پریشانی پیدا کر کے اپنی منافقت کا ثبوت دیتے ہیں۔ نماز میں کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے تھوڑا سا آمار ستے ہیں۔ ورنہ اللہ کا کھٹکا تو ان کے دل میں بہت تھوڑا ہوتا ہے"۔ آگے چل کر ہے "منافق جہنم کے نچلے درجے ہوں گے"۔ گویا اِن دونوں کے ملا کر پڑھنے سے نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن حکیم نماز کی قطار میں سُست آدمی کو اِسلامی نظام میں انتشار پیدا کرنے والا منافق قرار دے کر کہتا ہے کہ اس کا ٹھکانا جہنّم کا سب سے نچلا حصّہ ہے۔ فَتَدَبَّر۔

کو اس نماز سے کچھ رحمت حاصل نہیں ہوتی تو اس کی وجہ یہ کہ وہ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ کے ماتحت اپنی تمام نماز بھول چکا ہے! پہلی اور قرون اولے والی نمازیں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امامت میں مکّے میں خود کرائی ہونگی، نہایت عجیب وغریب کیفیت لئے ہوئے ہونگی، عین مکہ کے وسط میں صرف چند درجن نمازی، صاف ستھرے، جوئوں اور چیتھڑوں والے نہیں، بلکہ سفید اور پاکیزہ لباس والے پیچھے کھڑے ہوتے ہونگے، رسولِ خدا اُن کے آگے کھڑے ہوتے ہونگے۔ یہ جماعت انتہائی طور پر چست ہوتی ہوگی۔ رسولؐ کی ایک ایک حرکت کو دیکھنے والی، خاموش، مطیع، جانباز ہوگی۔ "مکّہ کے کافر عرب" جو اس عجیب وغریب تحریک میں ابھی شامل نہ ہوں گے، باہر کھڑے مخول کرتے ہونگے (وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ[1])۔ جو شخص قطار میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہونگے، اُن کو طرح طرح کے تمسخر کرکے ہنسانے کی کوشش کرتے ہونگے، اپنے دلوں میں سمجھتے ہوں گے کہ محمّد معاذ اللہ ایک پاگل آدمی ہے جس نے خدا جانے کیا بچّوں کا کھیل بنایا ہے کہ جب یہ کھڑا ہوتا ہے، سب کھڑے ہیں، جب بیٹھ جاتا ہے سب بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ کیا مخول بنایا ہے۔ اُن کو کیا معلوم تھا کہ اسی ہنسی، اسی مخول، اسی بچّوں کے کھیل نے مسلمانوں کے اندر وُہ طاقت پیدا کر دینی ہے کہ بارہ برس کے اندر اندر ۳۶ ہزار شہر اور قلعے فتح کرکے رہیں گے۔ الغرض پہلے نمازیوں کی حالت بعینہٖ اور بلفظہٖ ہمارے ان "بیچارے خاکساروں" کی ہوگی جو خاکساری کی حرکت کو کسی نئے شہر

---

(۱) قرآن میں ہے مسلمانو! کافروں سے دوستی نہ رکھو کیونکہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جب تم نمازیں آتے ہو تو یہ تم کو مخول کرتے ہیں اور اس کو ایک کھیل سمجھتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ ان کو نماز کی حکمت معلوم نہیں۔

ہیں شروع کرتے ہیں۔ لوگ اِن بیلچہ اٹھانے والے نوجوانوں کے سامنے جو اپنے سالار کی سرداری میں فوجی قواعد کرنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، سینکڑوں کی تعداد میں کھڑے ہو جاتے ہیں، اُن کو طرح طرح کے مخول کرتے ہیں۔ اُن کو ہنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تحریک کے بانی کو پاگل سمجھتے ہیں۔ تحریک کو بچّوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔ سر ہلاتے رہتے ہیں کہ کچھ نہیں بنے گا وغیرہ وغیرہ۔

الغرض نماز کے متعلق اس تمام تشریح سے جس کو تیرہ سو برس کے بعد ہر مسلمان پر پھر سورج کی طرح واضح کر دینا اشدّ ضروری تھا اے مسلمانو! تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اِن پچیس لاکھ نمازیوں سے کیا عظیم الشان کام نکل سکتا ہے، اور یہ تین لاکھ تیس ہزار مسجدیں کیونکر منظم ہو سکتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی قسم کی مزید تشریح کے بعد آج ہی سے جب کہ یہ خطبہ تمہارے سامنے پڑھا جا رہا ہے، ہر نمازی جو اِس مسجد میں ہے اپنے خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنے امام مسجد کو، اپنے محلّہ اور اپنی جماعت کا سردار مانے۔ تمام مسجد کے نمازی اُس کے کامل اور مکمل حکم کے ماتحت ہوں۔ ہر نمازی بے چون و چرا اُس کی متابعت کرے۔ تمام نمازی مسجد میں چسُت چاق چوبند کھڑے ہوں۔ صفیں نہایت سیدھی ہوں۔ فوج کے سپاہیوں کی طرح ہر حرکت ہو۔ امام مسجد کی حرکت پر تمام جماعت فوراً تختہ کی طرح کھڑی ہو جائے۔ تختہ کی طرح جھکے، تختہ کی طرح سجدہ کرے، تختہ کی طرح نیّت باندھے۔ تختے کی طرح سلام پھیرے۔ دل میں امام کا خوف رہے۔ اس کی حرکت پر آنکھ لگی رہے، فوج کے سپاہیوں کی طرح اپنے سب سے بڑے جرنیل (یعنی خدا کا) لرزا دینے والا خوف ہو۔ نماز کے بعد اور نماز سے پہلے سب محلّہ کے نمازی، امام محترم کو اپنا حاکم، اپنا سردار، اپنا امیر شریعت، اپنا پیشوا، نہیں، رسولِ خدا صلعم کا جانشین اپنا بادشاہ تصوّر کریں۔ اور اس تصوّر کو عملاً یوں ثابت کر دکھائیں کہ سب کے

سب جب وہ بلائے فوراً ٹھیک وقت پر حاضر ہو جائیں، جب کسی بُری رسم کی اصلاح کرنا چاہے، اس کے کہے پر عمل کریں۔ خواہ اس میں جان اور مال کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی عمدہ مشورہ دے اس کو قبول کریں۔ کسی نیک کام کی طرف لگائے فوراً لگ جائیں۔ وغیرہ وغیرہ

میرے عزیز مسلمانو! یہ وہ نہایت آسان، کم خرچ بالانشین نہیں، آسمان اور زمین میں انقلاب پیدا کرنے والا پروگرام ہے جو میں آج کے اس عظیم الشان خطبے میں جو ہزارہا مسجدوں کے اماموں میں تقسیم ہو رہا ہے اور جس کے سننے کے لئے مسلمان اسقدر بے تاب رہے ہیں، پیش کر رہا ہوں۔ تمہارے پاس جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے، مسجدیں موجود ہیں۔ مسجدوں کے چلانے والے یعنی امام بفضل خدا موجود ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے ہر محلے میں ایک چھوٹی کٹی جماعتیں مسجدوں کے اندر پانچ وقت آنے والی پہلے سے تیار ہیں۔ قوت اور طاقت کے یہ حیرت انگیز سامان ہوتے ہوئے، جس کو دیکھ کر دشمن اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں، تم کیا سوچ رہے ہو۔ وہ حیران ہیں کہ مسلمان میں اسلام کے تیرہ سو برس پرانے ہونے کے باوجود بھی، اسقدر جان باقی ہے کہ اس کے سولہ آدمیوں میں سے ایک آدمی ہر روز پانچ وقت مسجد میں ایک امام کے ماتحت جمع ہوتا ہے! یہ بات کسی بڑی سے بڑی قوم کو میسّر نہیں! بس اے مسلمانو! تم آج ہی سے اور اسی وقت سے اپنے محلے کی اپنی مسجد کے امام کو اپنا سردار مان لو۔ اس کو کہو کہ یہ خطبہ مسجد میں عید کے دن یا بعد از عید پڑھے۔ پھر جب امام محترم اس خطبے کو ختم کر لیں تمام مسجد کے نمازی اسکو اپنا سردار اور امام تسلیم کرنے کے لئے ایک قطار میں فوجی سپاہیوں کی طرح چست کھڑے ہو جائیں۔ پھر مسجد کے متولی صاحب زور سے السلام علیکم کا

حکم دیں، اور تمام نمازی زور سے امام مذکور کو السّلام علیکم کہیں۔ امام صاحب کو مبارک دیں اور اُن سے گلے ملیں۔ پھر مسجد کی تمام جماعت ایک دوسرے سے گلے ملے۔ اور یہ جلسہ ختم ہو جائے۔

عید الفطر کے روز جس شہر یا علاقے میں خطبہ پڑھا جائے بعینہٖ یہ عمل تمام مقتدی صاحبان نماز عید کے محترم خطیب صاحب کے سامنے کریں اور جب خطیب صاحب یہ خطبہ پڑھ چکیں تو تمام نمازی سروقد کھڑے ہو جائیں۔ پھر متولیٔ عید گاہ زور سے السّلام علیکم کا حکم دے، اور تمام نمازی زور سے خطیب صاحب کو السّلام علیکم کہیں اور اُن کو مبارک دیں۔ ایک دوسرے سے گلے ملیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھو اگر تم نے یہ آسان فعل اس عید الفطر پر کر کے اپنے اپنے محلّہ میں امام مسجد کو اپنا صحیح معنوں میں سردار تسلیم کر لیا، صحیح معنوں میں اس کی کمان میں آ گئے، تو تم نے آج اپنی گم شدہ طاقت کو پھر حاصل کرنے کے سامان پیدا کر لئے۔ یہ وہ تجویز ہے جس میں کسی مسلمان کا کوئی روپیہ خرچ نہیں ہوتا۔ اس کو کچھ مالی اور جانی تکلیف نہیں ہوتی۔ وہ مسجد میں نماز پڑھنے جاتا ہے، اور اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں اس کو پہلے سے ہی کوئی اعتراض نہیں۔ اس تجویز میں نہ کسی مسلمانی عقیدے پر حملہ ہے، نہ امام کی فرمانبرداری کرنا کسی فرقہ کے عقائد کی رُو سے قابلِ اعتراض ہے، نہ عین امام کی حرکت پر حرکت کرنا کسی فرقے میں ناجائز ہے، نہ چُست بننا گناہ ہے، نہ وقت کی پابندی کرنا معیوب ہے، نہ نماز کے وقت اللہ کا خوف رکھنا بُرا ہے، نہ امام مسجد کے مرتبے سے مرعوب ہو کر اس سے دبنا خلافِ شریعت ہے۔ پس اے مسلمانو! اگر تم نے یہ کر لیا تو سمجھ لو کہ اپنی نئے سرے زندگی کی

بنیاد آج سے تم نے پھر رکھدی۔

یاد رکھو کہ جس دن سے تم نے مسجد کے امام کو اپنا سردار مان کر صحیح معنوں میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ پر عمل شروع کر دیا، صحیح معنوں میں اقامت نماز کی، اسی دن سے امام مسجد کی پوزیشن، اس کی حیثیت اس کا علم، اس کا لب ولہجہ، اس کا وقار، اس کا رعب، اس کے اعمال، اس کے افعال، اس کے اخلاق، الغرض اس کا باوا آدم بدلنے لگے گا۔ تم اس کو اس پست اور ادنیٰ مقام سے، جس میں کہ وہ اب ہے، اور باسی ٹکڑوں سے جس کو وہ کھا کھا کر گزارہ کر رہا ہے، یکدم اٹھا کر بلند کر دوگے۔ وہ فوراً اٹھنے کی کوشش کرے گا۔ اس میں قرآن اور اسلام کا حس پھر پیدا ہو جائیگا۔ وہ نمازیوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش کرے گا۔ اپنے ناخنوں سے آپ کمانے کی کوشش کریگا۔ بیکار نہیں ہیگا اپاہج نہیں بنے گا۔ وہ سمجھے گا کہ کسی کا نمک کھاؤں، اور اس پر حکم چلاؤں، یہ دونوں باتیں نہیں ہو سکتیں۔ کسی اور تجویز سے مسجدیں کروڑہا روپیہ خرچ کر کے منظم نہیں ہو سکتیں۔ اس تجویز میں قوم کی ایک پائی صرف نہیں ہوتی۔

تنظیم مساجد کی عظیم الشان تجویز پر نتیجہ خیز عمل چونکہ "اِدَارَہُ عَلِیَّۃٌ ہِنْدِیَّہ" نے پیدا کیا ہے، اسلئے ضروری ہے کہ خطبے کو ختم کرنے اور آئندہ طریق عمل تبلانے سے پہلے ادارہ کی اس کامیاب مذہبی اور اصلاحی تحریک کی مختصر تشریح کر دیجائے جس کا نام خاکساری کی تحریک ہے۔ خاکسار تحریک نہایت خاموش طریقے سے پچھلے چار سال سے ہندوستان کے مختلف شہروں، قصبوں، گاؤں، علاقوں میں پھیل رہی ہے۔ یہ مسلمانوں کے عملی اتحاد اور باہمی اخوت کی سب سے کامیاب حرکت ہے جو آج تک کہیں پیدا ہوئی۔ خاکسار کے اصول مختصراً یہ ہیں کہ کسی مسلمان کے خلاف نہ ہو۔ مجاہدانہ

اور سپاہیانہ قابلیتیں پیدا کرے۔ اپنے سردار کی جو ادارہ علیہ مقرر کرے کامل اطاعت کرے۔ خدا اور اسلام کی خاطر ہر وقت اپنا مال وجان حتےٰ کہ فرزند وزن قربان کرنے کی طاقت پیدا کرے۔ روئے زمین کی بادشاہت اور دین کا کامل غلبہ اس کے پیش نظر ہو۔ ہر موقع پر بے مُزد خدمتِ خلق کرکے مسلمان کو اپنی سچائی کی شہادت دے۔ نماز قائم کرے۔ کسی سے چندہ نہ لے۔ اپنے محلہ میں خاکساروں کی قطاریں کھڑا ہو کر حیثیت سپاہیانہ قواعد سالارِ محلہ کے ماتحت کرے، خاموشی اختیار کرے، نبی کریم کی سنت سمجھ کر بیلچے کا اوزار قواعد کے وقت استعمال کرے۔ خاکی وردی بنائے اور دائیں بازو پر اُخوت کا سُرخ نشان لگائے، سب ہمسایہ طاقتوں مثلاً ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں سے رواداری رکھے۔ ان کا غیر مساوی مقابلہ نہ کرے۔ مسلمان سے کسی مذہبی عقیدے کے متعلق بحث نہ کرے۔ مسلمان سے کسی سیاسی عقیدے کے متعلق بحث نہ کرے۔ سب مسلمانوں کو بلالحاظ فرقہ ایک لڑی میں پروئے جانے کی ترغیب دیتا رہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگر تم غور سے ان اصولوں کا مطالعہ کرکے ان کا مقابلہ اسلامی نماز کی اُس عظیم الشان حکمت سے کروگے جو اوپر بیان ہوئی۔ تو تم کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ نماز کی حکمت اور خاکساری کی تحریک ایک شے ہیں۔ اس میں بھی وہی نماز کی اطاعت، نماز کی مساوات، نماز کی قطار، نماز کی سیدھی صف، نماز کی خاموشی، نماز والی چستی، نماز کی پابندیٔ وقت، اور نماز کا احساسِ فرض موجود ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ حرکت مسجد سے باہر ہے اور نماز مسجد کے اندر۔ مسجد سے باہر اسلئے ہے کہ مسلمانوں نے اپنے عقیدے اور مسجدیں الگ الگ کرکے سب فرقوں کی ایک صف بنانے کی صورت باقی نہیں رکھی۔ خاکساری کی تحریک میں چونکہ کسی شخص کے مذہبی عقیدے کے متعلق بحث نہیں اور

ایک قطار میں کھڑے ہو کر اور ایک رنگ کا لباس پہنکر سب میں مساوات پیدا ہو جاتی ہے، اسلئے
اس قطار میں ہر رنگ، ہر فرقے، ہر طبقے، ہر عقیدے کے مسلمان جوق در جوق شامل ہو رہے ہیں۔
ایک قطار کے جان پرور فلسفے نے پھر نئی زندگی اور نئی مساوات پیدا کر دی ہے۔ سب اسلامی فرقوں کو
مختلف رنگ کے خوشنما پھول سمجھ کر ایک گلدستے میں پھر باندھا جا رہا ہے اور جس کثرت سے
یہ پھول جمع ہو رہے ہیں یہ گُلدستہ خوشنما نظر آ رہا ہے۔

ایسی حالت میں طبعی امر تھا کہ ادارۂ علیّہ ہندیّہ جس کا مرکزی دفتر اچھرہ لاہور میں ہے،
اور جو خاکساری کی تحریک کا کارکن اور کار فرما حصّہ ہے، اِس بات کا عزم کر لیتا کہ مساجد
کو ایک اجتماعی نظام میں منسلک کر دے۔ یگانگت اور اتحاد کی اس عمدہ فضا میں جو تحریک کے
اجراء سے پیدا ہو گئی ہے، مسجدوں میں نظام کی ہوا پیدا کرے۔ سب سے پہلے امام صاحبان
کی شرعی حکومت کو مسجدوں میں قائم کرے۔ چونکہ فوری اصلاح پیدا کرنے کے لئے حکومت
کی لاٹھی اور روپیے کے خزانے مسلمانوں کے ہاں کہیں موجود نہیں، اس لئے سب سے پہلے
عصائے حکومت امام مسجد کے ہاتھ میں دے کر تنظیم کا کام بغیر خزانوں کے کرایا جائے۔ اِس
حکمتِ عملی کی پوری تفصیل وقتاً فوقتاً "الاصلاح" میں درج ہوتی رہے گی، جو ادارۂ علیّہ کی
تحریک کا اخبار ہے۔ اور ہندوستان کے طول و عرض میں سرعت سے پھیل رہا ہے۔

یہ خطبہ آج ہندوستان کی اکثر مسجدوں اور عیدگاہوں میں ایک نہایت کثیر تعداد
میں پڑھا جا رہا ہے۔ اگر تنظیمِ مساجد کی اس تجویز سے چند ہزار مسجدیں بھی اپنے امام کے وقار
کو قائم کرنے کے تیار ہو گئیں، اگر ان اماموں نے "الٰہی حکومت" پھر مسجدوں میں قائم کر دی اور

ہر شہر میں سے چند امام بھی اس قدر روشن دماغ نکل آئے کہ انہوں نے اپنے عملی پروگرام سے شہر کی مسجدوں میں اطاعت امیر کی ہوا باندھ دی تو پھر تمام مسجدیں اس نظام کو قبول کر لیں گی۔ اور مسلمانوں میں اپنے اپنے عقیدے سلامت رکھ کر پھر وحدت کی شان پیدا ہو جائیگی۔

تمام مسجدیں اور امام صاحبان جو اس نظام میں منسلک ہونے کا ارادہ کریں۔ سالار تنظیم دفتر ادارہ علیّہ ہندیّہ اچھرہ لاہور میں اطلاع دیں۔ ان کے نام "الاصلاح" میں شائع ہونگے ان کو ادارہ کے نظام کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔ اور آئندہ پروگرام کے متعلق ان کو وقتاً فوقتاً ہدایات اور احکام بھیجے جائیں گے۔

وَاٰخر دعوٰنا انِ الحمد للہ رب العلمین

---

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالۂ افتتاحیہ

مظاہرہ عید الفطر

مطبوعہ "الاصلاح"

۱۱ر جنوری ۱۹۳۵ئہ مُطابق ۵ر شوال ۱۳۵۴ھ

ماہ رمضان میں غزوہ بدر کی یادگار کے طور پر پچھلے تین سال سے لاہور کی شاہی مسجد کے سامنے خاکساروں کا ایک سپاہیانہ مظاہرہ ہوا کرتا ہے جس کا مقصود بالذّات یہ ہے کہ مسلمان کو اپنی سپاہیانہ زندگی کی یاد پھر تازہ ہو جائے۔ اِس مظاہرے کے متعلق کوئی شور شر اخبارات یا پروپاگنڈے کے عام ذرائع کی وساطت سے اسلئے نہیں کیا جاتا کہ خاکساری کی تحریک کی بنیاد خاموشی اور عمل پر ہے، ہنگامہ خیزی یا جذبات کی بھڑک پر نہیں۔ خاکسار مسلمان کو عمل پر عمل کے ذریعے سے اکسانا چاہتا ہے۔ قول اور کلام اس کے دستور العمل میں کہیں نہیں۔ ابھی ایک ہفتہ کا واقعہ ہے کہ ادارۂ علیّہ کے مرکزی دفتر واقع اچھرہ لاہور میں شام کے وقت انطاری اور نماز کے بعد ایک مجلس ہوئی۔ اس مجلس میں ہندوستان کا ایک بڑا لیڈر ایک انگریزی ایڈیٹر ایک معروف اہل قلم، ایک مصنّف، ادیب موجود تھا۔ منزنگ لاہور سے خاکساروں کا ایک دستہ محترم لیڈر کی سلامی کے لئے آپہنچا۔ اس دستے نے سپاہیانہ قواعد کا مظاہرہ کچھ دیر تک کیا اور سب کے سب سپاہی اس مجلس میں آشریک ہوئے۔ تحسین وآفرین کے بعد گفتگو کسی مسئلے پر چھڑی اور چھڑتے چھڑتے

اجلاس اسقدر دلچسپ ہوگیا کہ پیرس اور لندن کے فلسفہ دانوں کی مجلسیں اس کے سامنے مات ہو گئیں۔ محترم غلام محمد غازی سالار اعلیٰ (رخصتی) مزنگ، جو اس دستہ میں لبطور خاکسار شریک تھے اس تمام گرم مجلس کو دیر سے تک رہے تھے۔ جوں جوں مجلس دلچسپ ہوتی گئی ان کی بے اعتنائی اور بےچینی بڑھی۔ آخر ان کی سپاہیانہ غیرت کی رگ اس قدر پھڑکی کہ عین اُسوقت جبکہ میں نے زیر بحث مسئلے کے متعلق کچھ کہنے کے لئے لب کھولے تھے، سالار غازی اٹھے، اور یکدم اپنے دستے کو "برخیز" کہہ دیا۔ تمام دستہ کھڑا ہوگیا، حاضرین مجلس خود بخود مطیع اور حیران کھڑے ہوگئے کہ کیا معاملہ ہے۔ پھر "سیدھا صف" کہکر سلامی دی اور اجازت چاہی۔ تمام مجلس آناً فاناً درہم برہم ہو گئی!

مجھ سے پوچھا گیا کہ "کیا معاملہ تھا؟" میں نے جواب دیا کہ ہم قوالی مسلمان بن گئے تھے، اس قوالی کو ایک مردِ غازی کیونکر پسند کر سکتا تھا۔ خاکسار کو سکھلایا گیا ہے کہ اس کی ہر حرکت عمل کی طرف ایک قدم ہو، قول اس کی لغت میں موجود نہیں، وہ جو کچھ کہتا ہے، اسپر عمل کرنے کے لئے کہتا ہے، ہم عجیب و غریب "گفت گو" میں پھنس گئے تھے اگر "گفت و کُن" میں ہوتے تو ہماری یہ گت نہ بنتی۔ حاضرین مجلس اس حیرت انگیز "سین" کو دیکھ کر کئی لمحوں تک خاموش رہے اور مردِ غازی کئی دلوں پر حسرت اور رشک کا زخم چھوڑ گیا!

الغرض خاکساری کی تعلیم میں شور شر نہیں۔ عید الفطر کا مظاہرہ بھی اسی جذبے کے ماتحت ہوتا ہے تاکہ مسلمان اپنی آنکھ سے دیکھیں کہ خاکسار اس روز کیا کر رہے ہیں، پھر اپنے دماغوں کو سوچ کا موقع دیں، پچھلے سالوں میں اس مظاہرے میں بیسیوں گھوڑے، موٹر کاریں، موٹر سائیکلیں اور بائیسکلیں بھی ہوتی تھیں۔ درمیان میں پیدل دستے ہوتے تھے۔ اور یہ مظاہر کچھ

نہ کچھ ہنگامہ خیزی کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ اب کے جناب محترم سالار اکبر لاہور نے تجویز کی کہ صرف ایک مختصر دستہ ہو، سب کے سب وردی میں ہوں۔ اکثروں کے پاس بیلچے کے علاوہ خنجر ہوں، مارچ عمدہ ہو، خاموشی ہو، مارچ کے وقت فوجی بینڈ بجے، ڈسپلن اور نظم ونسق بے مثال ہو۔ اب کی دفعہ ایک خاص الخاص بات کرنی ہے۔ میں نے ہاں کر دی اور چونکہ سالار اکبر کے علاقہ میں جو شخص رہتا ہے حکم نافذ ہونے کے بعد چون و چرا نہیں کر سکتا، مجھے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالنے کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہی۔

الغرض نماز عید سے بیس منٹ پہلے چار دستے لاہور کے چار علاقوں سے حضوری باغ میں، جو شاہی مسجد کے باہر کا خوبصورت میدان ہے، آپہنچے۔ سالار اکبر وردی میں کسے، صد ہا روپیہ کے ایک بے چین گھوڑے پر سوار تھے۔ اس کا قیلہ نما اضطراب دیکھ کر سپاہیوں کی شان بڑھتی جاتی تھی، پولیس کے تھانہ دار اور سپاہی دم بخود اور خوش بخوش تھے کہ اسلام کا مظاہرہ ہے۔ چار اور عمدہ گھوڑے تھے جن پر سالاران ادارہ سوار تھے۔ میں نے بڑھکر سالار اکبر کو فوجی سلام کیا تو حکم ملا کہ میں اور میرا رفیق سالار اعلیٰ پٹ اور مسجد کے اندر چلے جائیں۔ میں نے خاموشی سے مسجد کی راہ لی اور صحن سے دیکھتا رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔

حکم ملا کہ سب خاکسار مسجد کے اندر آخری صفوں میں شریک ہو جائیں۔ محترم امام شاہی مسجد کا وعظ اپنی آخری منزل پر تھا اور عمدہ تھا۔ محترم نے کہا کہ "حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں دُرّہ ہاتھ میں لے کر نماز سے پہلے بھاگتے پھرا کرتے تھے کہ صفیں بالکل سیدھی ہو جائیں، اور نماز چست ہو۔ جو آگے بڑھا ہوتا اس کو بید ھڑک دُرّہ مارتے۔ تم بھی صفیں سیدھی کرو۔ نماز کے بعد جو

لوگ خطبہ نہیں سنتے وہ بڑے مجرم ہیں۔ خطبہ سُنکر جانا" کم و بیش ایک لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔ آلۂ مکبّر الصّوت جس نے امام صاحب کی آواز کو نہایت بلند کر دیا تھا حیران کر رہا تھا کہ یورپ کتنا بڑا جادوگر ہے ایک لاکھ آدمیوں کو امام کی کمزور آواز سنا رہا ہے۔ اُدھر مسجد میں کئی انگریز مناروں پر کھڑے فوٹو کے کیمرے ہاتھ میں لئے محوِ حیرت تھے کہ اسلام کتنا بڑا جادوگر ہے ایک لاکھ آدمیوں کے مغرور ماتھوں کو زمین پر رگڑ رہا ہے! امام کی دونو باتیں اکثر نے نہ مانیں۔ نہ صفیں سیدھی ہوئیں، نہ عربی خطبے کے وقت ڈسپلن قائم رہا۔ میں نے اپنے رفیق کو کہا کہ آج عمرؓ کا درّہ اور خالدؓ کی تلوار نہیں دین کیسے درست ہو سکے!

نماز کے بعد ایک خاکسار کی معرفت مجھے حکم ملا کہ یہیں کھڑے رہو۔ میں نے دست بستہ سر ہلا دیا اور انسانی سمندر کے اس خروج کو دروازہ کے پاس کھڑا دیکھتا رہا۔ پندرہ منٹ کے بعد حکم ملا کہ "چلو"۔ میں چلا اور سیڑھیوں کی حد پر آیا۔ میرا آنا تھا کہ گولوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ سب خاکسار صف باندھے کھڑے تھے۔ دس ہزار مسلمانوں کا ہجوم مسجد سے باہر حضوری باغ میں کھڑا اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ سیڑھیوں سے اُتر کر ایک ہیبت انگیز سلامی ہوئی۔ جس کا فی الجملہ عمدہ اثر ہوا۔

یہاں مجھے گزارش کی گئی کہ خطبہ عید الفطر پڑھا جائے۔ چنانچہ اس عظیم الشان مجمع میں میں نے اپنا اُردو خطبہ عید الفطر بآوازِ بلند پڑھا۔ سب لوگ دم بخود سنتے رہے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ مسجد کے خطبے کو لوگوں نے اسلئے نہ سنا کہ سمجھ نہ سکتے تھے۔ بیچارے کیا کرتے، گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد تمام شہر میں فوجی بینڈ کیساتھ خاکسار سپاہیوں کا مارچ ہوا۔ مجھے ساتھ جانے کا حکم نہ تھا لیکن سالارِ اکبر کا بیان ہے کہ آج ہم نے اپنے مارچ سے دس ہزار مسلمانوں کے دلوں میں

سپاہیانہ زندگی کی اُمنگ پیدا کر دی ہے!

لاہور کے جہنّمی مُلّاؤں کا فساد

مسجد سے واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ شہر لاہور کے بعض جاہل اور نابکار شر انگیز اور فتنہ پرور مُلّاؤں نے ایک ایک فتنۂ عظیم کھڑا کیا تھا کہ مسلمان شاہی مسجد میں مقرّر شدہ امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے جائیں اور اُن کے اقتدا میں پڑھیں، اسلئے مجمع معمول سے کچھ کم تھا اور کم از کم چار جگہ نماز عید پڑھائی گئی۔ آج شہر کے ایک مقتدر مولوی نے، جو ایک بہت بڑی اور پُر رونق مسجد کا امام ہے اور اسلام کو بلند دیکھنا چاہتا ہے، ملاقات کے ضمن میں اُنکے مکروہ افعال و اغراض کی مفصّل حکایت کی اور کہا کہ "یہ فتنہ بھی اپنے حلوے مانڈے کی غرض سے کھڑا کیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے شہر کے دو بڑے دروازوں کے باہر میدانوں میں اڈّے جمائے تھے کہ مخلوق کو شاہی مسجد میں جانیسے روکیں اور چونکہ انگریزی کی مشہور مثل کے مطابق "شیطان بھی آسمانی کتاب سے اپنی بریت ثابت کر سکتا ہے" قرآن اور حدیث کو اس افتراق کے ثبوت میں پیش کیا تھا" جا بجا ڈھنڈورے پیٹے گئے، مسلمان کے جذبات کو اُکسایا گیا، خدا اور رسول کا واسطہ دیا گیا کہ مسلمان اسجگہ جمع نہوں تو اچھا ہے، جنّت کا سیدھا راستہ اسی افتراق اور انتشار میں ہے لاہور کے ان جہنّمی مُلّاؤں کو اگر مسلمانوں کی اس ڈوبی ہوئی کشتی کو اور ڈبونے کی پاداش میں روز قیامت کو دوزخ کی آگ نہ ملی تو میں سمجھونگا کہ اس زمین و آسمان کا باوا آدم بدل چکا ہے۔ ان مُلّاؤں کی تعلیم کا پول کسی آئندہ صحبت میں کھولکر رکھدونگا۔ غازی مصطفٰے کمال کے پیغام ان کی حقیقت ظاہر کر رہے ہیں۔

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

قانونی معاہدہ

"الاصلاح" مسلمان کی نظر میں

مطبوعہ الاصلاح

۱۸ر جنوری ۱۹۳۵ء مطابق ۱۲ر شوال ۱۳۵۳ھ

مجلس عشاق چیست؟ محفل غم داشتن
حلقۂ شیون زدن، ماتم ہم داشتن

۲۸ر دسمبر کے "الاصلاح" میں "مراسلات پر ایک نظر" کے مقالہ افتتاحیہ میں عیاں کر دیا تھا کہ اِس عاجزی اور بے کسی کے عالم میں جب کہ مسلمان کی کارکن طاقتیں الگ الگ بکھری ہوئی ہیں، صحیح راہ عمل یہ ہے، کہ ان منتشر طاقتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ میدانِ کاغذ پر ان کے اتحادِ فکر کی نمائش کر کے دلوں کو جوڑنے کی ترکیب پیدا کی جائے۔ مسلمان کو حوصلہ رہے کہ جن خیالات کا اظہار وہ کر رہا ہے عام طور پر قلوب میں موجزن ہیں۔ دلوں کا میلان ایک طرف ہے، ہم جنس اور ہم خیال بہت سے ہیں، اس کی آواز صدا بہ صحرا نہیں، بلکہ سب کے سب عاجز اور سرگردان لوگ ایک ہی آواز دے رہے ہیں۔ آوازیں دے دے کر ایک دوسرے کو باخبر کر رہے ہیں کہ یہ صحرا ویران اور بیابان نہیں، بلکہ بکھرے ہوئے آدمیوں کا ایک آباد اور پُر رونق گھر ہے۔ اگر ایک

متفرق اور منتشر قوم کے اندر اخبار "بڑی طاقت" بن سکتا ہے یا قوم کو "بڑی طاقت" بنا سکتا ہے تو ان معنوں میں کہ اس کے اندر پبلک گویا یعنی بولنے والی ہو، سب کا ایک نتھا ہو، سب ایک رنگ میں رنگے ہوں، سب عمل کے لئے تیار نظر آئیں، سب کی تحریر یہ موجود ہو کہ وہ ہم نوا ہیں، اسلام کا درد رکھتے ہیں، مرض کو پہچانتے ہیں، علاج کی جستجو اور مداوا کی تلاش میں ہیں میرے نزدیک "الاصلاح" کے تمام مراسلہ نگار حضرات جنہوں نے اپنی تحریر کے ذریعہ سے ہمارے مقاصد سے وابستگی ظاہر کی ہے اور جن کی تعداد حیرت انگیز طور پر روز بروز زیادہ ہو رہی ہے آج سے نہ صرف آٹھ کروڑ کی تمام مسلمان پبلک بلکہ **خدا** اور **رسول** ؐ کے سامنے اس **بات کے** ذمہ دار ہیں کہ وہ خدا اور رسول ؐ کے ہیں، قرآن اور اسلام کے ہیں، اسلام کو بلند کرنے کی خاطر جو کام اُن سے لیا جائے گا، کریں گے، جس مشکل میں ڈالا جائے گا پڑیں گے، جس طرح اسلام کا بول بالا ہو گا کریں گے۔ مسلمان کا ہم کو اپنی تحریر کے ذریعے سے یہ کہنا کہ تم ٹھیک کر رہے ہو، تمہارے اخبار کی پالیسی درست ہے، تمہاری تحریک عمدہ ہے، تمہارا علاج بہتر ہے، میں تم سے متفق ہوں، مجھے بہت اثر ہوا، میں رو پڑا، میرے بدن میں بجلی دوڑ گئی، آپ کی قربانی بے مثال ہے آپ ہمارے "پیر" ہیں، آپ "مجدد" ہیں، آپ "ہادی" ہیں، آپ "رہنما" ہیں، آپ یہ ہیں، آپ وہ ہیں، وغیرہ وغیرہ، فی الحقیقت ہمارے ساتھ اس امر کا تحریری، اخلاقی، اسلامی، بلکہ **قانونی معاہدہ** ہے کہ اس شخص نے اپنے ہاتھ کاٹ دیئے، اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہمارے سپرد کر دیا، نہیں **بلکہ اپنے آپ کو** ہمارے سپرد کر دیا۔ اب ہم جس طرح چاہیں اس شخص کو، اس کی تحریر کو، اس کے وعدے کو، اس کے درد و غم کو، قوم کی بہتری کے لئے استعمال

میں لائیں۔ جس طریقے پر چاہیں اس کو خدا، اسلام، قوم، اور رسولؐ کے اعلاء کے لئے کھڑا کر دیں۔ اگر یہ نہیں تو میں آج سے ڈنکے کی چوٹ اعلان کرتا ہوں کہ ہم کو ایسی تحریروں کی ضرورت نہیں۔ ایسے مراسلہ نگاروں سے سروکار نہیں "قول مرداں جان دارد" کسی زمانے میں اسلامی محاورہ تھا، اور اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان جو بات کہے گا اُس میں جان ہوگی، جس شے کا اقرار کرے گا اس کو پورا کر کے رہے گا۔ لیکن آج اس "تحریر" اور "تہذیب" کے زمانے میں، اِس "باضابطگی" اور "قانون" کے زمانے میں مسلمان کی اپنی ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریر اگر کچھ معنی نہیں رکھتی اور گوزِ شتر کی طرح مسلمان کے منہ سے نکل گئی ہے، تو میں سمجھونگا کہ مسلمان کو اپنے ہاتھ سے کئے ہوئے کام کا بھی لحاظ نہیں رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ آج کے مقالہ افتتاحیہ کے مطالعہ کے بعد تمام مسلمان جن کا لگاؤ "الاصلاح" سے ہے، جن کی حمیّت اور غیرت کی رگ "الاصلاح" کے لگائے ہوئے تازیانوں سے پھڑک اٹھی ہے، جن کو "الاصلاح" عمل کے پسینوں سے اور حسرت و ارمان کے آنسوؤں کے چھینٹے مار مار کر بیدار کرنا چاہتا ہے، ہاں میں چاہتا ہوں کہ یہ سب مسلمان مجھ کو یا "الاصلاح" کو کوئی خط نہ لکھیں، کوئی مراسلہ نہ بھیجیں، کوئی تحریر نہ دیں، جب تک کہ وہ پکے طور پر یہ سمجھ نہ لیں کہ اُن کے قول، ان کے قلم، ان کی تحریر میں جان موجود ہے۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اُس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں، وہ اپنی ذات، اپنی جان، اپنے ہاتھ پاؤں کو مسلمانوں کے اُس تکلیف دینے والے عملے کے سپرد کر رہے ہیں جس کا نام "الاصلاح" ہے۔ جس کا ایک کارکن سید رشیدُ الدولہ ہے، مسٹر عبدالرحمٰن ہے، خان میاں محمدؐ ہے، خان سرفراز خان ہے، سید شریف حسین ہے، میاں محمد شریف ہے، نواب

بہادر یار جنگ ہے، میر ولایت علی ہے، خان عنایت اللہ ہے وغیرہ وغیرہ۔ وہ پکے طور پر سمجھ لیں کہ "الاصلاح" میدانِ شہود میں اسلئے نہیں آیا کہ لوریاں دے دے کر اور مزید اگیت گا گا کر تم سوئے ہوؤں کو اور سُلائے، تم کو "قارئین کرام" اور "مراسلہ نگاران عظام" کہہ کہہ کر تمہاری خوشامد کرتا رہے، تمہاری استمالت اور دلجوئی کر کے کسی نہ کسی طرح تم کو اپنا خریدار بنائے رکھے، تم جس وقت اس سے بگڑ بیٹھو اور اس کا "چندہ" دینا بند کر دو تو تمہیں پچکار پچکار کر بُلائے اور حضور حضور کہہ کہہ کر پکارے، تمہیں خریدار بنانے کی پیہم گزارش کرتا رہے۔ تمہیں اگر قومی تنزل اور مسلمانوں کی بے حسّی کا ثبوت دے تو یہ دے کہ "اخبار کے خریدار پیدا نہیں ہوتے" اُس کی مالی حالت کمزور ہے" اس کے "مسئلہ قیام" کے اعلان کرے۔ تم سے قومی قومی اور اُمتی اُمتی کہہ کر روپیہ بٹورتا رہے۔ "الاصلاح" صرف اسلئے میدان میں آیا ہے کہ مسلمان کی بگڑی کو بنائے، اُس کو اُس کے نقائص کی طرف متوجّہ کرے، اس کے دل لگتی بات نہ کہے، جو کہے خدا لگتی کہے، وہ چبھتی ہوئی باتیں کہے کہ سب مسلمان تڑپ اُٹھیں، سب نیند سے بیدار ہو جائیں، سب "الامان" اور "الحفیظ" پکاریں، سب نابکار اور ہیچ میرز مسلمان اُس کے مخالف ہو جائیں، سب کارکن اور باعمل مسلمان اُس کی طرف ہو جائیں، ہزاروں کا مجمع ایک طرف ہو، لاکھوں کا دوسری طرف ہو۔ پھر ان دونوں فریقوں کے درمیان ایک فیصلہ کُن اور مختتم لڑائی ہو۔ ہزار لاکھ پر فتح پائیں، کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً [✝] کا سماں پھر بندھ جائے! مُٹھی بھر منظّم اور باسلیقہ آدمی جمِ غفیر کی ایک بھیڑ پر وہ عظیم الشان فتح پائیں کہ یا سب مخالف طاقت کو ہتھکڑی لگا دی جائے، یا سب کھیت ہو جائیں اور بھاگ جائیں۔ الغرض غزوۂ بدر

✝ دیکھو صفحہ ۱۰۱

کی شان پھر پیدا ہو جائے۔ یاد رکھو جو مسلمان ہمیں لکھ رہا ہے اس کی تحریر ہمارے پاس
محفوظ ہے، اس کی لکھت ایک قانونی معاہدہ ہے، پبلک اور شائع شدہ معاہدہ ہے،
خُدا اور رسولؐ سے معاہدہ ہے، قرآن اور اسلام سے معاہدہ ہے، وہ وُہ معاہدہ ہے
جس کی بابت خدا قرآن میں کہتا ہے کہ "اے مسلمانو جب تم دو آپس میں عہد و پیمان کرتے ہو تو
یاد رکھو کہ تیسرا **امین** تمہارے پاس موجود ہوں، اس لئے میں اس کا گواہ ہوں۔ میری شہادت
کو رسوا نہ کرو اور اپنے معاہدوں کا پاس کرو" پس وہ جو کچھ ہمیں لکھتا ہے سوچ سمجھ کر لکھے ورنہ کچھ
نہ لکھے۔ میں چاہتا ہوں کہ "الاصلاح" کے بیس ہزار پڑھنے والے کم سے کم مدّت کے اندر اندر
پیدا ہو جائیں، میں چاہتا ہوں کہ اس اسّی ہزار روپے میں سے جو اس کی آمد ہو تیس ہزار اخبار
کی اشاعت پر خرچ ہو اور خالص نقد پچاس ہزار روپیہ ادارہ کے مرکزی بیت المال میں ہر
سال بچے۔ ہم اس پچاس ہزار روپیہ سالانہ سے ہر سال ہزاروں سے "تالیف قلوب" پیدا
کریں، اسلام کی ناموس پر مر مٹنے والے پیدا کریں، مردِ مجاہد پیدا کریں، اس "ستّارِ عیوب" کا
واسطہ دے کر اپنے محافظ بنائیں، وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ
بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ + پر عمل پیدا کریں، قانونِ وقت کے اندر رہ کر ہر مخالف طاقت سے جنگ کریں،
سب مخالفت کو اصلاً اور عملاً ملیا میٹ کر دیں، اسی غلام آباد ہند میں ایک عظیم الشّان
مرکزی بیت المال قائم کریں، مسلمانوں کی تمام زکوٰۃ اس کے تمام صدقوں اور نذر نیازوں کو

+ اکثر ایسا ہوا ہے کہ تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ گئی ہے۔

+ اے مسلمانو سپاہیانہ قوت اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے کافروں کے مقابلے کیلئے ہر ممکن ساز و سامان مہیا کئے رہو تاکہ اللہ کے دشمنوں پر دھاک بٹھائے رکھو۔

اپنی اور صرف اپنی طرف کھینچ لیں، مَیں تمام بادشاہانِ اسلام کو اس بیت المال میں شریک کرنے کے لئے ایک ایک دروازے پر خود جاؤں، اُن پر اس اجتماع کی اہمیّت واضح کروں، الغرض ہم ان بیس ہزار خریداروں کے سالانہ چندے سے جو وہ اخبار کے لئے دیں کچھ کر کے دکھائیں! لیکن یاد رکھو کہ ہم یہ بیس ہزار خریدار نرے اور کھرے چند پیسے دے کر ہم پر احسان جتانے والے اور "قارئینِ کرام" کا لفظ سُنکر خوش ہو جانے والے نہیں چاہتے، نرے دماغی عیاش نہیں چاہتے، ہماری تحریروں کو چٹخارے لے لے کر پڑھنے والے بُرے لوگ نہیں چاہتے، میں سُننے اور ماننے والی پبلک پیدا کرنا چاہتا ہوں، سمع اور طاعة والی جماعت چاہتا ہوں، حلقہ بگوشِ اسلام طاقت چاہتا ہوں، پابندِ خدا جمعیّت چاہتا ہوں، مقطوعِ ماسوا انجمن چاہتا ہوں، کام کرنے والے مسلمان چاہتا ہوں۔ میں میدان میں اخبار نکال کر روپیہ کمانے کے لئے نہیں آیا، کچھ خیر خیرات جمع کرنے کے لئے نہیں آیا، میرے پاس اللہ کی جناب سے بڑے خزانے تھے اور ہیں۔ میں ان خزانوں کو دھتکار کر، روپیہ کو اپنے جُوتے کی مَیل سمجھ کر مسلمانوں کے سامنے گداگر بن کر آیا ہوں تاکہ ہم چند آدمیوں کی ایک مخلص مجلس بنا کر اور "فقیروں کا بھیس" بدل کر "تماشائے اہلِ کرم" کریں اور اس زمین کو کسی دوسری زمین سے اور اس آسمان کو کسی دوسرے آسمان سے بدل دیں!

بیا تا گل بر افشانیم دمی در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرحِ نو در اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خونِ عاشقاں ریزد

من وساقی بہم سازیم وبنیادش براندازیم (حافظ)

پس اگر کوئی مسلمان عاشقوں کی اس مجلس میں عملاً شامل ہونا نہیں چاہتا تو اس کے لئے بہتر ہے کہ مجھے اپنی تحریر نہ دے۔ میرے پاس مراسلات کا ایک بڑا دفتر پہنچ رہا ہے، مجھے ان کو کامل طور پر پڑھنے کے لئے بڑی فرصت چاہیئے، میں ان کا فرداً فرداً جواب خواہش کے باوجود نہیں دے سکتا، میں ایک ایک شخص سے جو مجھے لکھتا ہے **ایک راز کی بات** کان میں کہہ کر اور پھر اس کو متحد العمل کرنے کے لئے خدا کا واسطہ دینا چاہتا ہوں لیکن کم فرصتی کی وجہ سے نہیں دے سکتا، میں چاہتا ہوں کہ اُن مسلمانوں کو جو خطوط میں میری تعریفوں کے پُل باندھ رہے ہیں کہوں کہ خدارا قصیدہ گری کو چھوڑ کر قوم گری کی طرف متوجہ ہوں، مجھے کسی نئی عزت یا شہرت کی خواہش نہیں، اس قصیدہ گوئی سے ممکن ہے بعض لوگوں میں جو عزت اور شہرت کے متمنی ہیں رنج اور حسد کے جذبات بھڑک اُٹھیں۔ ابھی چند روز ہوئے ایک دو گدیہ گر "رہنما" رستے میں ملے اور باتوں باتوں میں نرم آواز سے کہنے لگے کہ میں نے آپ کے اخبار میں دیکھا ہے کہ آپ نے **"ہادی"** ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں جناب کو **"ہدایت"** کرتا ہوں کہ آپ اُس اخبار کو پھر دیکھیں۔ ایک دوسرے مکتب فروش رہنما" بھاگے بھاگے اچھرہ آئے اور اپنی کتب فروشی کے جوش میں میرے گھر کے دروازے خود بخود کھول کر عین اُس کمرے تک پہنچ گئے جہاں میں کام کر رہا تھا، کہنے لگے کہ آپ کے خطبۂ عید الفطر کی مفت تقسیم سے میرے کام کو نقصان پہنچا ہے، خطبوں کے لکھنے کا کام آپ میرے ذمے رہنے دیں وغیرہ وغیرہ الغرض مراسلہ نگاروں سے "الاصلاح" یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی تحریر میں دے کر اس "قانونی معاہدہ"

کا پاس کریں، اُس تحریر کو رسوا نہ کریں، یاد رکھیں کہ اس لکھت کے بعد "الاصلاح" سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا[+] پر عمل کریگا، قوم کو بلند کرنے کے لئے ایک عظیم ذمّہ داری کا بوجھ اُن کی گردن پر ڈال کر رہے گا، اُن کی تحریر کو پبلک میں لاکر اِن کو اپنے قول و قرار کے پورا کرنے پر مجبور کر دیگا، اِن سے قومی اور اسلامی کام لیگا، ان کو میدانِ عمل میں نکالے گا، یاد رکھو کہ مسلمان کی "تحریر" قلمی عیاشی نہ تھی۔ وہ غلاموں کو غلامی سے نجات دینے، مقہور و مجبور گردنوں کو آزاد کرنے، اور ملکوں کو فساد سے محفوظ رکھنے کے لئے دی جاتی تھی! وہ غلام قوموں کے لئے حریّت اور آزادی کی سند تھی۔ مسلمان اپنی تحریر دے کر دوسروں کو آزاد کرتا ہے، لیکن خود خدا اور رسُول کی عدالت عالیہ کے سامنے **پابند** ہو جاتا ہے۔

عنایت اللہ خان المشرقی

+ اے پیغمبر ہم عنقریب تم پر ایک بڑی ذمّہ داری ڈالنے والے ہیں۔

سول تحریک

زیکوسلوویکیا میں حریت کی ایک کامیاب تحریک کی تاریخ

مطبوعہ "الاصلاح" ۲۵ جنوری ۱۹۳۶ء

"الاصلاح" کی پالیسی میں جو پہلے نمبر میں شائع کی گئی تھی، اعلان کیا گیا تھا کہ اس کا اہم مقصد مسلمانوں کو دنیا کی اُن کامیاب اور نتیجہ خیز تحریکوں سے باخبر کرنا ہے جو غلام یا آزاد قوموں میں وقتاً فوقتاً رائج ہوئیں۔ معلومات کا یہ شعبہ انسانی قلوب کے اندر اس قدر انقلاب انگیز اور ہیجان خیز ثابت ہوا ہے کہ دنیا کے کئی مصلحوں اور قائدوں نے ارتقائے اُمم کی ان تاریخوں سے مستقل سبق حاصل کر کے اپنی زندگیاں بدل دی ہیں۔ اُدھر افراد کے دلوں میں اپنی درستی اور اصلاح کے ارادے ان احوال کے مطالعہ کے بعد اس قدر راسخ ہوتے گئے ہیں کہ تمام قوم تھوڑی مدت کے اندر اندر حُسنِ عمل کے جذبوں اور فتح و ظفر کی اُمنگوں میں سرشار ہو گئی ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ جماعت کا اُٹھان بعض اوقات اس حیرت انگیز طور پر ہوا ہے کہ بڑی سے بڑی مخالف اور ہوشمند طاقتیں مُنہ دیکھتی رہ گئیں ہیں اور بالآخر غیرت اور وجدانِ قومی نے اُن کی مخالفت پاش پاش کر دی ہے۔ قرآنِ حکیم کی تعلیم کا ایک مستقل حصہ اقوام

عالم کے اسی عروج و ارتقا کے بیان سے پُر ہے اور اصلاحِ نفس کا یہ بارانِ رحمت جب دلوں کی سنگلاخ زمینوں اور ذہن کے ویران خزانوں پر برسنے لگتا ہے، تو "حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ" کا عمل بیج کی سوئی کی طرح پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہوتا ہے اور دیکھتے دیکھتے تمام کھیتیاں ہری بھری ہو جاتی ہیں۔

قومی حرکتوں کی تاریخ کے مطالعے کے بعد جو نتیجہ خیز بات سب سے زیادہ عیاں ہے یہ ہے کہ انسانی جماعت کے اندر زندگی پیدا کرنے کا دار و مدار افراد پر ہے۔ سب سے پہلے ایک فردِ واحد اُس تخّیل کو جس کا حسن پہلے سے قطعاً موجود ہوتا ہے، تن تنہا لے کر اٹھتا ہے۔ یہ شبنمِ رحمت کے اُس پہلے ترشّح کا اثر ہے جس نے نامحسوس طور پر تمام زمین کو نرم کر دیا تھا۔ اِس تھوڑی سی تری میں ایک چھپا ہوا بیج، جس کی افتاد اور نشست، جس کے گرد کی زمین کی صلاحیت اور استعداد، جس کا ٹھکانا اور انداز اوروں سے کچھ مختلف تھا چشمِ زدن میں چٹکا اور دو ننھی ننھی پتیاں دونوں طرف پھیل گئیں۔ چشمِ بصیرت کے لئے یہ ننھا سا اُٹھان اس امر کا کھلا اعلان ہے کہ رحمتِ خدا کی شبنم اس زمین کو تر بتر کر چکی ہے، خشک زمین کی اندرونی طراوت باہر کی ہوا کی نمی سے مل چکی ہے۔ زمین کے ایک ایک ذرّے میں مسامحت اور رافت قطعاً موجود ہے "فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِہٖ" کا سماں بندھ چکا ہے، زندگی اور موت کی باہمی آویزش کا آخری فیصلہ ہو چکا ہے۔ اُدھر دیکھتے دیکھتے اس قوم میں کئی اور مستعد افراد اسی تخّیل کی ہوا میں پل کر یک دم کھڑے ہو جاتے ہیں اور زمین کے مختلف حصّوں کو اپنی ننھی سی بساط کے مطابق ڈھانپ لیتے ہیں۔ ویرانی اور خلوت میں اس پریشان انجمن کا ظہور رحمتِ خدا کا نیا منظر ہے۔ عام نظریں

اس رحمت کو نہیں دیکھتیں، شیطانی وسوسے اور ابلیسی طاقتیں اس انگیخت پر مسکرا دیتی ہیں، کارخانۂ قدرت کے عمل سے بے خبر افراد اس میں کچھ حکمت نہیں دیکھتے، وہ اُس لازوال کشاکش اور تقاضا کو نہیں سمجھتے جو عمل اور اجر، سبب اور اثر، عُسر اور یُسر، محنت اور راحت کے درمیان ہمیشہ سے ہو رہا ہے، وہ اُس مقناطیسی قوت اور برقی رَو کے سمجھنے سے قاصر ہیں جو لوہے کی طرح رحمت کے بادلوں اور رافت کے سمندروں کو دُور سے بزورِ خود کھینچ کر لاتی ہے اور جس کا ایک پرتو "اِنِّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی" کے آسمانی الفاظ میں ظاہر ہے!

الغرض اقوام کے اندر ایک مختصر ساز و سامان کے ساتھ ایک تحریک اٹھتی ہے، لوگ اس کے ضعف اور بے سروسامانی کو دیکھ کر ہنس دیتے ہیں، مخالف مسکراتے ہیں، دوست سرہلاتے ہیں، مگر رحمتِ خدا ایک دم انسانی عمل سے غافل نہیں، مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (یعنی جس نے ایک عمدہ عمل کیا وہ دس عملوں کے اجر کا حقدار ہوا) کی لاہوتی رافت اور مروّت ہر لحظہ اس کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے۔ اس محنت اور اضطراب میں برسوں کے سعی و عمل کے بعد شفقتِ الٰہی کا موسلا دھار مینہ برسنے لگتا ہے اور تمام زمین تر بتر کر دیتا ہے۔

آج کے تاریخ و عبر کے عنوان میں مَیں یورپ کی ایک چھوٹی سی عاجز اور بیکس قوم زیچوسلوک کی مشہور سوکل تحریک کی تاریخ درج کرتا ہوں جس کے حیات انگیز اثر سے تمام قوم ایک اقل قلیل مدت کے اندر آزاد ہو گئی۔ اس حکایت میں ہر مسلمان کے لئے کھلا سبق ہے، اس میں ایک گری ہوئی قوم کے عرُوج کا سربستہ راز کھول کر رکھ دیا ہے، اس سے ہر ہوشمند شخص خاکساری کی تحریک کی ماہیت سمجھ سکتا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ سپاہیانہ زندگی کا قوم کے اجتماعی اخلاق

پر کیا اثر ہے، جسمانی صحّت کا مکارمِ اخلاق سے کیا رشتہ ہے، اصلاحِ نفس اجتماعی طور پر کیونکر ہو سکتی ہے، طاقت اور اتحادِ عمل کیونکر پیدا ہوتے ہیں اور روحی طاقتیں کیونکر پیدا ہوتی ہیں۔ ایک محتاجِ اصلاح قوم کے لئے غیر سیاسی ہونا کسقدر ضروری ہے، کامیاب تجربیں وقتی اور ہنگامی حرکتوں سے کس قدر بلند ہوتی ہیں، کامیابی اور آزادی کے لئے عزم اور استقلال کی کسقدر ضرورت ہے، چند اولوالعزم افراد قوم کی کایا کیونکر پلٹ سکتے ہیں۔ الغرض سو کل تحریک کے احوال سے مسلمان بطور خود اخذ کر سکتا ہے کہ اس زمانے میں اُس کے پھر بلند ہونے کا راز کیا ہے۔

دینِ اسلام کے متعلق مسلمان کا فعلی اور روحانی تخیّل آج صرف تسبیحوں کی گردش اور رسمی عبادت تک محدود ہو چکا ہے۔ وہ جہالت اور بے خبری کے اس چکّر میں ہے کہ دنیا کی سب نعمتیں اس کو صرف دعاؤں کے زور پر ملی تھیں، ملکوں کے فتح اور قلعوں کے سَر کرنے میں ہاتھ پاؤں کا دخل بیشتر نہ تھا، خدا کی دوستی اُس کو خدا کی لفظی تحمید اور قولی عبادت سے میسّر ہوگئی تھی، خدا نے بادشاہت اور زمین کا بیش قیمت انعام عقیدوں اور کلموں کے دُہرانے پر موقوف کر دیا تھا۔ اس قولی دین نے مسلمان کے اقلیمِ خیال سے وہ تمام تخیّل نکال دیا ہے جس کی بنا سعی و عمل پر تھی، ہمّت اور شجاعت پر تھی، اُلفت اور اتحاد پر تھی، اطاعت اور نظم و نسق پر تھی، دیانت اور راستی پر تھی، خوفِ قانونِ خدا اور تقویٰ پر تھی، الغرض تزکیہ نفس اور مکارمِ اخلاق پر تھی۔ مسلمان آج زندہ قوموں کے بلند اخلاق کا کچھ مطالعہ نہیں کرتا، اُن کے اندر کچھ خوبی نہیں دیکھتا، اُن کی طرف متوجّہ ہونا گوارا نہیں کرتا اسلئے کہ اس کی بصیرت کی آنکھ بے کار اُجرت اور بے عمل اجر کی طرف لگی ہے۔ وہ قرآنِ عظیم جس کے ایک ایک ورق پر وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ، اللّٰہ غفور

سے دیکھ رہا ہے کہ تم کیا کام کر رہے ہو، فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْن، (تو دیکھو کام کرنے والوں کا انجام کیا اچھا ہے) اَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی، (انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جو وہ کرے) لکھا ہے جس کے تمام طول وعرض میں "عقیدے" اور "اعتقاد" "سنی اور شیعہ حنفی اور وہابی اہل قرآن اور اہل حدیث وغیرہ وغیرہ کا نام تک نہیں، جس کی تمام کائنات میں گوشوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ جپنے اور اعضاء کو شل اور بیکار کر دینے کا ذکر تک نہیں، جس کو نہ ڈاڑھیوں اور پگڑیوں سے سروکار ہے، نہ پاجاموں اور ڈھیلوں سے، جس کا تمام لائحہ عمل آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی بنیاد پر ہے، جس کی صالحیت اور صلاحیت، عبادت اور عبودیت کی بنیاد تمام تر بادشاہت زمین اور اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ، (یعنی زمین کے وارث میرے صالح بندے ہی ہیں) پر ہے، جس کے "ایمان" کی شرط وحید اس دنیا میں **غالب** اور **اعلون** بن کر رہنا ہے، جس کے قطعی فیصلے کی رو سے ہلاک ہو جانے والی قوم **فاسق** ہے فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ، جس میں صاف اور غیر مشروط طور پر لکھا ہے کہ اس دنیا میں **مومن** اور صرف **مومن کا لشکر غالب** ہے، جس کے پہلے صفحے پر لکھا ہے کہ **صراط مستقیم** پر وہی قوم ہے جس کو میرے **انعام مل رہے ہیں**، جس کی ناقابل بدل سنت اور اٹل قانون یہ ہے کہ اس دنیا کے اندر جب **پیٹھ پھیرینگے کافر ہی پھیرینگے، مومن کو دنیا میں کہیں شکست نہیں**، ہاں ایسے قرآن کی طرف پیٹھ پھیر کر اگر آج کا مسلمان ہر جگہ جوتیاں کھا رہا ہے تو کیا تعجب ہے! اس کے رہنما اگر اندھے ہیں تو کیا حیرت ہے! اس کے نابکار "عالم" اگر جہنمی تعلیم دے رہے ہیں تو دنیا اور آخرت دونوں میں جہنم کیوں نہ ملے۔

ابتدائی تاریخ

۱۹۱۴ء کے جنگِ عظیم کے بعد ۱۹۱۹ء میں یورپ کی کئی سلطنتوں کے نقشے بدل گئے۔ اتحادی سلطنتوں نے جس میں امریکہ بالآخر آ کر شامل ہُوا، جرمنی ترکی اور آسٹریا کے کئی حصوں کو کاٹ کر الگ کر دیا، روس جو اتحادیوں کے ساتھ تھا ایک انقلابِ عظیم کا شکار رہا، پولینڈ خود مختار ہو گیا، فینلینڈ نے الگ جمہوریت قائم کی، فرانس نے دو صوبے اُلسیس اور لورین، جو ۱۸۷۸ء کی جنگ سے پہلے اسی کے تھے، واپس لے لئے، جرمنی میں پہلی دفعہ ایک جمہوری سلطنت ہو گئی، ترکی سے اس کے سب سے بڑے صُوبے، حجاز، عراق، عرب، فلسطین، سوریا، اردنہ وغیرہ وغیرہ چھن گئے، روس پر بالشویک جماعت نے قبضہ کر لیا۔ جنگِ عظیم سے قبل وسطی یورپ میں آسٹرین حکومت تھی، جس پر ہیپسبرگ خاندان راج کرتا تھا اور اسی خاندان کے ایک شہزادے کی موت کا باعث جنگِ عظیم تھی۔ جنگ سے قبل یہ سلطنت آسٹریا، ہنگری، بوہیمیا وغیرہ کے صوبوں سے مِل کر بنی تھی۔ جنگ کے خاتمے پر ہیپسبرگ خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ سلطنت کے کئی حصے ہو گئے جن میں آزاد جمہوری حکومتیں قائم ہو گئیں۔ انہی حصوں میں سے بوہیمیا، موریویا اور سلیسیا صوبے مِل کر ایک جمہوریت قائم کرنے کے درپے ہو گئے جس کا نام بعد میں زیچو سلوویکیا رکھا گیا اور جس کو نئی اور آزاد قوم بنانے میں سوکل تحریک نے حیرت انگیز طور پر نمایاں حصہ لیا۔

ڈاکٹر جوزف شینر جو موجودہ سوکل حکومت کا صدر ہے، اس تحریک کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں اظہار کرتا ہے:۔

"جو شخص سلووک قوم کی روحانی اور جسمانی فضیلتوں کو جاننا چاہتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ سوکل تحریک سے واقفیت حاصل کرے۔ زیچو سلووک قوم کی گذشتہ کئی قرنوں کی اُمنگیں اور قومی عمل کی اصلی رُوح اسی تحریک میں نظر آتی ہے۔ پچھلے قرن میں اسی تحریک نے قوم کو اُن اوصاف کی تعلیم دینے کا بیڑا اُٹھایا جن کے ذریعے سے وہ آج ترقی کر کے آزادی حاصل کر چکی ہے۔ اس تحریک نے اس اثنا میں ایسی تجویزوں پر عمل کیا جن سے انسانی کیرکٹر کے تمام طبعی اوصاف کامل طور پر ظاہر ہو سکیں اور بالآخر ایک ایسی نئی قوم تیار کرنے میں کامیابی حاصل کی جو بادشاہت اور آزادی کے عظیم الشان بوجھ کو سنبھال سکے۔ آج ملک میں اس حرکت نے قومی زندگی کے اندر ایک گرانقدر مرتبہ حاصل کر لیا ہے۔ تحریک ہماری سیاسی مضبوطی شجاعت اور اتحاد کی ضامن ہے اور ملک کے ارتقا کی تمام کوششوں کا حصر اس پر ہے"

اس امر کو سمجھنے کے لئے کہ تحریک کی بنیاد کیونکر قائم ہوئی ضروری ہے کہ صوبہ بوہیمیا کی ابتدائی تاریخ کو واضح کر دیا جائے۔ سولھویں صدی عیسوی میں دنیا کے اندر مسلمانوں کا بول بالا تھا عرب، عراق عرب، افریقہ، فارس، افغانستان، ہندوستان حتےٰ کہ مشرقی مجمع الجزائر میں ان کی حکومت تھی۔ اُدھر یورپ کی اکثر جنوبی اور وسطی سلطنتیں ترکوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے لرزاں تھیں ۱۵۲۶ء میں وسطی یورپ کی دو مقتدر ریاستیں یعنی بوہیمیا اور ہنگری ترکوں سے پناہ حاصل کرنے کے لئے آسٹریا کے ساتھ مل گئیں۔ اس سیاسی اتحاد میں بوہیمیا کو یقین دلایا گیا تھا کہ اس کی آزادی میں کوئی دُوسری ریاست مزاحم نہ ہوگی۔

آسٹریا کے ہیپسبرگ خاندان کے بادشاہوں نے رفتہ رفتہ اس شرط کو توڑ دیا۔ ۱۶۱۸ء میں بوہیمیا

کے باشندوں (یعنی چیک) نے اس بدعہدی کی پاداش میں عذر کیا۔ ایک خوفناک جنگ ہوئی جس میں چیک ہار گئے۔ آسٹریا نے ان سے بُری طرح بدلہ لیا، بادشاہی فوجوں نے تمام ملک تاراج کیا اور وہ دردناک سزا دی کہ بوہیمیا کی آبادی ۳۰ لاکھ سے گھٹ کر صرف ۸ لاکھ رہ گئی۔

غلامی کی زنجیریں

اس خوفناک لڑائی کے بعد چیک قوم کا عروج قطعاً مسدود ہوگیا، وہ عاجز اور بے بس ہوگئی، وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ٭ کا سماں ہر طرف عملاً بندھ گیا، وہ تعداد میں کم ہو ہو کر مردہ اور بے حس ہوگئے، خوف، بھوک اور محتاجی ان پر لیس دی گئی۔ بالآخر اٹھارویں صدی میں اس حالت سے تنگ آکر ان کی خفتہ روح بیدار ہوئی، قومی اُمنگیں اُبھریں اور آزادی کو دوبارہ حاصل کرنے کی اُمید پیدا ہوئی۔ بادشاہ وقت کے بنائے ہوئے ظالمانہ قانون ان کے جگروں کو کباب کرنے لگے، غلامی کی بیڑیاں اور لعنت کے طوق ان کے بدن پر محسوس ہوئے۔ معلوم ہوتا گیا کہ بادشاہ قوم ان کی انفرادی اور اجتماعی، تہذیبی اور ادبی، مالی اور اقتصادی سب خوبیوں کو کچلنے کے درپے ہے اور یہ وہ جہنم ہے جس کی آگ دلوں کو یکسر کباب کردیتی ہے۔ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ٭

(قرآن عظیم)

٭ اور لوگو! اس میں شک نہیں کہ ہم تم کو ذرا اچھی طرح دشمن کا خوف دلا دلا کر، بھوک کے مارے مار کر، تمہارے مال میں کمی کر کر کے تمہاری آبادی کو گھٹا گھٹا کر پیداوار کی کمی کر کر کے آزمائیں گے۔

٭ اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے۔

دورِ احساس

اس احساس کے بعد ایک تحریک "اصلاحِ چیک" کے نام سے شروع ہوئی۔ کم تعلیمیافتہ لوگ اور کسان، مزدور پیشہ اور تجربہ کار صاحبِ علم لوگ اس میں داخل ہوئے۔ ان لوگوں نے ہر طرح کی مشکلات برداشت کرکے قومی نصب العین کو قائم رکھا اور یہیں سے صحیح معنوں میں زیچوسلووک آزادی کا آغاز ہوا۔ پہلے پہل یہ تحریک صرف تہذیبِ نفس کے اصلی اصول کو لئے ہوئے تھی، لیکن بعد میں اس نے سیاسی شکل اختیار کرلی۔ بہت سے لوگوں نے جابجا اپنی تمام طاقتیں قوم کی قسمت کو جگانے اور اپنے آپ کو باخبر اور آزاد کرنے میں صرف کردیں۔ آسٹروی حکومت نے ان کوششوں میں ظاہرا اور خفیہ طور پر بہت سی مشکلات پیدا کردیں لیکن چیک لوگ نہایت مستقل مزاجی سے ان کا مقابلہ خاموشی سے کرتے رہے۔ چیک رہنماؤں نے سوچا کہ آسٹروی حکومت کا اقتدار اٹھا دینے کی سعی میں کسی سیاسی تحریک کے اجرا کے بجائے قوم کو اندر سے مضبوط بنانا اور اس میں مقاومت کی طاقتیں پیدا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس مطلب کے حصول کے لئے تمام ملک میں سینکڑوں کلبیں، لائبریریاں، اور انجمنیں کھل گئیں اور ہزارہا مستورات نے ان کے کھولنے میں حصہ لیا۔ جس وقت ملک میں حبِ وطن کی یہ لہر پورے زوروں پر تھی اور اصلاح کا جذبہ عام ہوگیا، ملک میں "سوکل" تحریک کا آغاز ہوا۔

دورِ عمل

۱۹۲۶ء میں چیک قوم نے چند نوآموز کھلاڑیوں کی ایک انجمن "جمناسٹک انسٹی ٹیوٹ" کے

نام سے قائم کی۔ یہ انجمن دراصل ایک برادری تھی جس کے ممبر بلاتکلف ایک دوسرے کو "تم" کہتے تھے حب الوطنی، راست گوئی، شجاعت، صفائی بدن، جسمانی ورزش اور صحت اس کے بنیادی اصول تھے۔ ممبروں کو ہدایت تھی کہ سرخ رنگ کی وردی پہنیں، اہل چیک کی زبان میں سوکل مشہور پرندے عقاب کو کہتے ہیں، عقاب کی تیز پروازی، طاقت بے خوفی اور اپنے شکار پر سیدھا پہنچنے کے اوصاف کے باعث یہ نشان اختیار کیا گیا۔

اِس بے ضرر تحریک نے تمام چیک لوگوں کے دلوں میں از سرِ نو قوّت حیات پیدا کر دی۔ لوگ اِس میں شامل ہو کر اپنی اعانت کا اظہار کرنے لگے۔ متحمل مزاجی، صحتِ جسمانی، چستی اور ہوشیاری کی مضبوط بنیادوں پر اس برادری کے قائم کرنے کا سہرا ڈاکٹر میرسلیب ٹائرس اور اس کے خسر ہنری فگنر کو حاصل ہے۔ فگنر جو کہ ایک نہایت قابل شخص تھا اس انجمن کا صدر تھا۔ اُسے عوام کی نفسیات کا صحیح احساس تھا، وہ خود ایک وسیع نظر اور مضبوط جسم انسان تھا۔ اُس نے اپنے اوصافِ حمیدہ کی بدولت ملک کے نوجوانوں پر گہرا اثر ڈالا۔ انہیں ہشیار اور مستعد بنایا۔ روحانیت اور اتحادِ عمل کو ترقی دینے کے لئے تحریک کو ایک سپاہیانہ کیمپ کی صورت میں ڈھالا۔

ٹائرس بڑا مدبّر تھا۔ وہ تاریخ اور فلسفہ جانتا تھا۔ طاقت اور خوبصورتی کا پرستار تھا اس نے اِس انجمن کی داخلی اِصلاح کا ذمہ لیا۔ اس کے ممبروں میں جسمانی ورزش، عمدہ اخلاق اور محنت کی خصلتیں رائج کیں۔ ٹائرس کی زندگی کے احوال نہایت پُرلطف ہیں۔ وہ ابتدا میں شاستروں کا پروفیسر بننے کی آرزو رکھتا تھا لیکن یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔

پھر اس پر مشہور فلسفی شوپن ہار کا اثر پڑا اسلئے وہ ہر شے کو شوپن ہار کے یاس انگیز فلسفے کی عینک سے دیکھتا رہا۔ اسی اثنا میں انگریزی حکیم ڈارون کی مشہور کتاب "آریجن آف سپیشیز" (یعنی اصل انواع) شائع ہوئی۔ ٹائرس نے اسے پڑھا اور "**بقائے اصلح**" کے مسئلے کا (یعنی بقا اسی شے کو ہے جو سب سے زیادہ مستعد اور مناسب ہے) اثر اس کے دِل پر خاص ہوا۔ اِس اثر کو لے کر اُس نے جسمانی ورزش کے ذریعے سے اپنی کمزور صحت کو درست کرنے اور اپنی نااُمیدی کو دور کرنے کی پوری کوشش کی۔ اُس نے دیکھا کہ دنیا ایک عظیم الشان اِمتحان گاہ **جہد و عمل** ہے۔ اُس کے اندر ہر شے مسلسل طور پر ارتقا کر رہی ہے، اپنے آپ کو اصلح اور بہتر بنا رہی ہے۔ اُس کو یقین ہو گیا کہ بقائے اصلح کا مسئلہ انفرادی اور اجتماعی دونوں صورتوں میں درست ہے۔ یہ مسئلہ ان کے ہر کام میں رہنمائی کرنے لگا۔

ٹائرس نے قومی تعلیم کا تمام پروگرام اسی اصل سے اخذ کیا۔ اِس نے سوکل تحریک کی ترقی اور ارتقا کے لئے اپنا تن من دھن صرف کر دیا۔ اپنی تحریک کے پیشِ نظر **جسمانی اور رُوحانی کمال** کے نصب العین کو پیش کر کے ممبروں کے دلوں میں **صحت، چستی، جسمانی طاقت اور پھرتی** کی محبت پیدا کر دی۔ عمدہ نتائج دیکھ کر اس کو یقین ہو گیا کہ قوم کو بلند کرنے کے لئے **روحانیت کی تعلیم** کے ساتھ ساتھ ٹھوس **جسمانی صحت** کی اشد ضرورت ہے، بلکہ جسمانی صحت اخلاقی صحت کی کامل موید ہے۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ صرف جسمانی صحت اُس وقت تک قوم کو بلند نہیں کر سکتی جب تک کہ اسکے ساتھ ساتھ **پاکیزگی بدن، متحمل مزاجی، شجاعت، وقت کی پابندی اور یقین** بھی پیدا نہ ہو جائیں۔ اُس کی جسمانی تعلیم کا اصلی مقصد سیاسی تعلیم تھا اور آج تک

سوکل تحریک کی تمام تعلیم اسی بنیاد پر ہے۔

اگرچہ ٹائرس نے اس امر کی پوری کوشش کی کہ فرد واحد میں جسقدر اوصاف ہو سکتے ہیں کلیتہً انتہائے ترقی پر پہنچیں، لیکن ٹائرس کا قول تھا کہ "شخصیت کچھ شئے نہیں، سب کچھ جماعت ہے۔ صرف وہی ملک اور قوم زندہ ہو سکتی ہے جس کا ہر ایک فرد اصلاح نفس اور بے غرضی سے اپنے آپ کو جماعت کی مجموعی ضروریات کا پابند بنائے"۔ سوکل لوگ اسی غرض سے اصلاح نفس پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اصلاح نفس کے بغیر اخوت بصحیح معنوں میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ سچی آزادی اور اس کا استحکام اسی اخوت پر مبنی ہے۔ انقلاب فرانس سے تین سو برس پہلے چیک لیڈروں نے ٹابیر پہاڑ کی چوٹیوں سے جو اصول آزادی، مساوات اور اخوت (VOLNO, ROVNOST, BRATRSTVI) کے قائم کئے تھے وہی آج سوکل جماعت کے نصب العین ہیں۔

چونکہ ہر ملک میں قوت اور طاقت کا ہونا اس کی زندگی کے لئے اشد ضروری ہے اسلئے ٹائرس کا قول تھا کہ "انسانی فطرت کا کمال عمل پر ہے"۔ اسی لئے اس نے جسمانی ورزش کی تجویز کو رائج کیا تھا۔ ان ورزشوں کے ذریعے سے انسانی جسم کو محنت کا عادی بنا کر اس میں پھرتی اور چالاکی پیدا کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ اس ورزش میں ڈرل (یعنی سپاہیانہ قواعد)، مارچنگ (یعنی چلنا) آزاد ورزش (یعنی ڈنڈ پیلنا، دوڑنا، تیراکی وغیرہ) آلات سے ورزش (یعنی ڈمبل، وغیرہ) کھیل کود وغیرہ سب شامل ہیں۔

سوکل تحریک میں عورتوں پر بھی خاص توجہ صرف ہوتی ہے یہ اسلئے کہ وہ آئندہ قوم کی مائیں

ہیں۔ پرائمری سکول میں پڑھنے والے لڑکے لڑکیوں، خاص کر اُن بچوں پر جن کی تربیت ورزشی مقابلوں کے لئے ہوتی ہے، غیر معمولی توجہ دی جاتی ہے۔ سوکل تحریک کے ممبر روحانی زندگی کے بلند معیار سے جو اُن کے لئے مقرر ہیں گر جائیں تو "سوکل بیج" (یعنی تحریک کا نشان جو وہ پہنتے ہیں) چھین لیا جاتا ہے۔ اس نشان کا ضبط کیا جانا بڑی ہتک سمجھا جاتا ہے اور اسکی توہین کا ڈر اعضائے تحریک کو سچائی سے ہٹنے نہیں دیتا۔ ہر ممبر کو ایک سچے اور معزز شہری کی طرح اپنا معیار قائم کرنا پڑتا ہے۔ اپنے ارد گرد کے آدمیوں اور تمام باقی دنیا کے ساتھ شہری سلوک کرنا ہر سوکل کا فرض عین ہے۔

سوکل تحریک ملکی سیاسیات یا کسی اور قسم کی جنگ وجدال سے قطعاً بَری ہے۔ سیاسی تحریک خواہ کسی قسم کی جاری ہو، یہ جماعت ہمیشہ اس سے الگ رہی ہے۔ ان کے نزدیک وقتی اور ہنگامی تحریکوں کا اثر عام جماعت کے کیریکٹر پر ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔ یہ تحریکیں قوم کے دلوں میں بداعمالی پیدا کرتی ہیں۔ سیاسی جماعت بندیوں اور ہنگامی حرکتوں سے الگ تھلگ رہنا ہی ان کے نزدیک ملکی طاقت کے لئے ضروری ہے۔

سوکل تحریک میں چھوٹے بچّوں سے لے کر بوڑھوں تک سب سوکل اصول کے دلدادہ ہیں اور اِس پروگرام میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ ورزش اور ڈرل اس قطع کی تیار کی گئی ہیں کہ ہر عمر کے لوگ اس میں آسانی سے حصّہ لے سکیں۔ عورتوں میں سوکل عقائد کی تبلیغ نے تحریک میں ایک خاص قسم کی مضبوطی پیدا کر دی ہے۔ لوگوں میں عورت اور مرد کے متفقہ اثر سے ایک ایسی منظم آزادی، روحانی اور جسمانی خوبصورتی اور بیداری پیدا ہو گئی ہے جسکو وہ پہلے جانتے ہی نہ تھے۔

تحریک کی غرض و غایت

سوکل تحریک کا مدّعا ملک کو رسومات قبیحہ اور ضعفِ اعتقاد کے مہلک اثرات سے بچانا ہی نہ تھا۔ اس کا اندرونی مقصد ملک کو آسٹریا کی غلامی سے آزاد کرنا تھا۔ یہ مقصد قوم کے سربرآوردہ لوگوں کے دلوں میں اِس قدر گھر کر گیا تھا کہ زیچوسلوویکیا کی جمہوریّت کے موجودہ صدر پروفیسر مسارک بھی اس تحریک کے سرگرم ممبر تھے۔ ان کی شرکت کا چیک لوگوں پر بڑا گہرا اثر پڑا اور عوام کو تحریک کی کامیابی کا پختہ یقین ہو گیا۔ پروفیسر مسارک کی عمر اس وقت بیاسی۸۲ سال کی ہے۔ وہ اب تک گھوڑے کی زین پر تن کر بیٹھے ہوئے ہر روز نکلتے ہیں اور اپنی تمام زندگی سپاہیانہ انداز میں ڈھالے رکھتے ہیں۔

حکومت کی مخالفت اور ٹائرس کا عزم

یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ اپنی مستقل کئی سال کی جد و جہد میں سوکل تحریک کو مشکلات کا سامنا نہیں ہوا۔ آسٹرین حکومت اس تحریک کو ہمیشہ مشتبہ نظر سے دیکھتی رہی اور ہر ممکن طریقہ سے اس میں روڑا اٹکاتی رہی۔ ۱۸۶۶ء میں آسٹریا اور پرشیا میں جنگ ہوئی تو سوکل لوگوں نے اپنی خدمات پیش کرنی چاہئیں۔ حکومت نے فوراً نامنظور کر دیا اور حکم دیا کہ تحریک کوئی جلسہ اجلاس نہ کرے۔ معمولی سے معمولی بہانے پر اُن کے اجلاس بند کر دیئے جاتے تھے۔ اس کشمکش کا اثر یہ ہوا کہ قوم میں افتراق پیدا ہو گیا اور جماعت منتشر ہو گئی کچھ مدّت کے لئے تمام تحریک ماند پڑ گئی۔ لوگ حکومت کی زبردست مخالفت کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔ مگر ٹائرس بڑے حوصلے کا آدمی تھا اس نے تحریک کو پھر زندہ کرنے

کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ اس عزم کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کی دشمنی بھی اس کو روک نہ سکی اور حرکت ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھر زندہ ہو گئی!

جنگِ عظیم کے خاتمہ پر سوکل لوگوں نے اپنی قوم کو یکدم آسٹریا کی غلامی سے آزاد ہونے کا اعلان کیا۔ حکومت مُنہ دیکھتی رہ گئی۔ بوہیمیا اور ملحقہ علاقے خود بخود ایک جمہوری تعلق میں پیوست ہو گئے اور ملک آزاد ہو گیا۔

تحریک کی موجُودہ حالت

اس وقت زیچوسلوویکیا میں سوکل تحریک کے قریباً چار ہزار مرکز ہیں جن کے مجموعہ ممبروں کی تعداد ساڑھے سات لاکھ ہے۔ تحریک کے پندرہ مختلف شعبے ہیں جن میں سپاہیانہ قواعد، جسمانی ورزش، معماری، ڈاکٹری، امدادِ باہمی، اسکولی تعلیم وغیرہ وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ انفرادی تنازعات کے فیصلے کے لئے ملک میں "کورٹ آف آنر" یعنی اعزازی عدالت قائم ہے۔

ہر پانچ سال کے بعد سوکل تحریک کے ممبروں کا ایک اجتماعِ عام (GRAND RALLY) ہوتا ہے جس میں ہزاروں مرد عورتیں، بوڑھے بچے مل کر ڈرل اور طرح طرح کی جسمانی ورزشیں کرتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر مختلف کھیلوں میں اوّلیّت کا انعام Championship حاصل کرنے کے لئے دوسرے ملکوں کے لوگ بھی مقابلہ کے لئے مدعو کئے جاتے ہیں۔ گزشتہ اجتماع میں پندرہ ہزار مردوں اور پندرہ ہزار عورتوں نے حصہ لیا۔ اِن اجتماعات میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، الغرض ہر عمر کے اِنسان شامل ہوتے ہیں۔

دوسرے ملکوں پر اثر

رفتہ رفتہ سوکل تحریک روس، یوگوسلیویا، امریکہ، فرانس اور دوسرے ملکوں میں بھی پھیل کر عالمگیر صورت اختیار کر رہی ہے۔ "پین اسلام" کے نمونے پر "پین سوکل" تخیل حاوی ہو رہا ہے۔ غیر ملکوں کے ممبر زیکوسلوویکیا کے اصول جماعت سے ہمدردی رکھتے ہیں اور ایک وسیع اور عالم گیر برادری کی بنا پیدا ہو رہی ہے۔ ۱۹۲۷ء میں ان لوگوں کا ایک بڑا عالم گیر اجتماع ہوا تھا اور ۱۹۳۱ء کے جون میں جو اجتماع ہوا وہ اس سے بھی زیادہ شاندار تھا۔ مؤخر الذکر اجتماع میں بانیٔ تحریک ٹائرس کی سالگرہ منائی گئی۔ کم و بیش بائیس مختلف ملکوں کے نمائندے اس میں شامل ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ ممبروں کی یہ برادری چار دن تک ایک چھت کے نیچے ایک جگہ بیٹھ کر انسانی اخوت کی یاد کو تازہ کرتی رہی۔

عنایت اللہ خان المشرقی

گمنام سرفروش کا خط

مطبوعہ "الاصلاح"

یکم فروری ۱۹۳۵ئہ مطابق ۲۶ر شوال ۱۳۵۳ھ

یارب تو شوخ ورزد نظر یک شبنم نواز
کو رخت صبر پاک ربود و خبر نہ کرد

۲۵ر جنوری کے "الاصلاح" کا مقالہ افتتاحیہ "رمز سلطنت" محترم سیٹھ الہ بخش (مشرقی) کے قلم سے تھا مقالے کے اخیر پر محترم کے نام سے پہلے "گدائے گوشہ نشین" کے الفاظ لکھے تھے ایک نامعلوم مسلمان نے جس کی حمیت کی رگ اِن الفاظ کو دیکھ کر پھڑک اٹھی فوراً مجھے حسب ذیل خط لکھا جس کو آج کے مقالہ افتتاحیہ میں نقل اِس لئے کرتا ہوں کہ مسلمان اِس مقیاس الحرارت (تھرما میٹر) کے ذریعے سے دیکھیں کہ وہ کس قدر بلند نظر واقع ہوئے ہیں، اور اگر ان کو موقع ملے تو آج بھی کیا کچھ کر گزریں گے۔ خط حسب ذیل ہے۔

"السلام علیکم۔ بھائی الہ بخش سیٹھ کے نام سے پہلے "گدائے گوشہ نشین" کے الفاظ پڑھ کر سخت بے چینی ہوئی۔ گدائے گوشہ نشین کی اس وقت اسلام کو کوئی ضرورت نہیں۔ گدائے گوشہ نشین کی جگہ سرفروش، مجاہد، یا غازی کا لفظ زیادہ موزون تھا۔ میں محترم بھائی الہ بخش

سے عرض کرونگا کہ گدائے گوشہ نشین ہی مسلمانوں کو لے ڈوبے ہیں۔ گوشہ نشینی جناب حافظ کو ہی مبارک رہے۔ ہم کو رموز سلطنت سے واقفیت حاصل کرنی چاہیئے۔ گوشہ نشینی مسلمان کے درد کا علاج نہیں۔

مہر ڈاکخانہ سیتلا مندر لاہور　　　　　　　　احقر سرفروش "گمنام"

خط پڑھ کر حیرت زدہ ہوں کہ یہ کون منچلا نوجوان ہے جو باوجود نوجوانی کے مجھ چالیس برس سے گزرے ہوئے بڈھے کو تازیانۂ عبرت لگا گیا۔ میں اس سرفروش کی تلاش میں ہونگا تھا کہ وہ مجھے خود آ کر ملے لیکن "عذر گناہ بدتر از گناہ" کو پیش نظر رکھکر تشریح کر دیتا ہوں کہ "گدائے گوشہ نشین" کے الفاظ لکھوانیکا مجرم کون تھا۔

۲۵ جنوری کے "الاصلاح" کی ترتیب وتدوین کلیتہً محترم سبطہ الہ بخش صاحب کے سپرد تھی، میں نے صرف اپنا آرٹیکل اُن کے سپرد کر دیا تھا۔ مقالہ افتتاحیہ کی باری آئی تو محترم اصرار کرنے لگے کہ یہ میں لکھوں۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ بالآخر انہوں نے مقالہ لکھ کر مجھے دکھایا۔ میں نے کہا خوب ہے۔ کہنے لگے عنوان تو تجویز کر دو۔ میں نے کہا "رمز سلطنت"۔ سالار مندوب لاہور پاس بیٹھے تھے سب نے پسند کیا۔ بالآخر میں نے دیکھا کہ اگر سرحد کا یہ خاکسار جسنے اپنے عمل سے اپنے آپ کو عمدہ کارکن ثابت کیا ہے، انگریز کو حکومت کا مشورہ دیتے وقت اپنے آپ کو حافظ کے مشہور شعر کی مناسبت سے "گدائے گوشہ نشین" لکھ دے تو ایک رمز کے اندر دوسری رمز پیدا ہو جائیگی اور مسلمان کے لئے جو "ادب" پڑھتا ہے ایک اور چٹخارے کا سامان پیدا ہو جائے گا۔ یہ جرم میرا ہے محترم کا نہیں!

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالۂ افتتاحیہ

گمنام سرفروش کا جواب

مطبوعہ "الاصلاح"

۸ فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۳ ذیقعد ۱۳۵۳ھ

گرچہ پیرم تو شبے تنگ در آغوشم گیر
تا سحر گہ ز کنارِ تو جوان برخیزم

گمنام "سرفروش" کے خط نے جو "الاصلاح" کے پچھلے مقالہ افتتاحیہ میں شائع ہوا تھا مجھے بے چین کر دیا تھا۔ میں سرفروشوں کی تلاش میں رہا ہوں، سرفروشوں کا آسمان شکن گروہ چاہتا ہوں، سرفروشی کو اسلام کی بگڑی کے بن جانے کا آخری، واحد اور تیر بہدف علاج سمجھتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اسلام اُسی دن سے زائل ہونے لگا ہے جس دن سے اسلام پر مٹنے والے کم ہو گئے، اس کے سچے اور جانباز عاشق نہ رہے، جان پرست اور بوالہوس اسلام میں آگھسے، جان ہتھیلی پر رکھ کر خدا ماننے والے نہ رہے، جان کے بُت کو پوجنے والے پیدا ہو گئے، مشرک اور کافر "مسلمان" بننے لگے، تمنّون الموت کے مصداق نہ رہے، تمنائے موت باقی نہ رہی، تلوار سے عشق نہ رہا۔ میرے نزدیک خدا، تلوار، اسلام، توپ، خون کی ندیاں، ایمان، مسلمان ایک شریعت کے مختلف مظاہر ادر ایک ہی عشق کی کئی نیرنگیاں ہیں۔ مسلمان کا سر اسلام میں رہ کر مسلمان کی گردن پر ہرگز نہیں رہ سکتا!

اگر اسلام کی یہ صورت قطعاً درست ہے جو میں نے اوپر بیان کی تو آج "مسلمان" کے لئے سوچ کا کھلا موقعہ ہے۔ اگر مسلمان کا خدا پر یقین اپنے نفس سے مکر نہیں تو مسلمان سوچے کہ وہ اس عشق کا مدّعی کیونکر ہو سکتا ہے، اِس شریعت کو کیونکر نباہ سکتا ہے۔ نہیں، اگر مسلمان کا روزِ قیامت پر ایمان اُس کے دل کا بنایا ہوا فریب نہیں اور جانتا ہے کہ جس دن موٹر کے ٹائیر کی طرح بدن کے سوراخ سے ہوا نکل گئی اور سب کچھ پنکچر ہو گیا، اُس دن اُس کا سب مال و متاع، اس کے سب بیوی بچے، سب مکان اور باغ، سب بنگلے اور گھوڑے، نہیں سب چیتھڑے اور بوریے یہیں دھرے رہ جائیں گے! بیوی دو دن روپیٹ کر شکر کریگی کہ خاوند چل بسا، بیٹا خوش ہوگا کہ پدر آزاد ہو گئے، مکانوں میں اُلّو بولیں گے، بنگلوں میں چمگادڑیں اُڑینگی، چیتھڑے اور بوریے نالیوں پر دھرے ہونگے! ہاں اُس وقت اگر کوئی شئے حقیقت ہوگی تو مالک زمین و آسمان کے حضور میں حاضری ہوگی، اُس کی پُرسش اور گرفت ہوگی، اس کی پکڑ اور امتحان ہوگا، پوچھا جائیگا کہ "تم نے کیا کیا! میں نے ازراہ کرم تم کو زندگی دی تھی، دنیا کا عظیم الشّان تماشہ ساٹھ ستّر برس تک دکھلایا تھا، خوبصورت بیٹے، نفیس کھانے، بغل میں دبا کر دل ٹھنڈا کرنے والی عورتیں، باغ، مکان، ہوا، بادل، پہاڑ، دریا دل کو تسکین دینے کے لئے علی الحساب دے دیئے تھے، کچھ تمہارا مجھ پر اُدھار نہ تھا، کچھ قرضے کا تمسّک نہ لکھا تھا۔ بتلا دیہ سب کچھ تو ازراہِ کرم تھا تم نے ازراہِ شکر کیا کیا"؟ مسلمان کے لئے سوچ کا کھلا موقعہ ہے کہ اگر یہ منظر کسی دن پیش ہو گیا تو وہ کیا جواب دہ ہوگا!

اگر مسلمان نادان یہ سمجھتا ہے کہ اُس دن ڈاڑھی کے بالوں کو پیش کرونگا کہ لمبے رکھ لئے تھے، ڈھیلوں کا ڈھیر پیش کر دوں گا کہ اِس سے استنجا کیا تھا، پاجاموں کا انبار لگا دونگا کہ یہ پہنے تھے اور سب

ٹخنوں سے اونچے تھے، یا اور بے حیا بن کر کہدونگا کہ ناف کے بال صاف کرتا تھا اور تیری مسجدوں میں پھینکتا تھا، تو اس نادان کو کہہ دو کہ جہنم کی لکڑیاں تم ہی بنوگے! اُس دن خدا کی عاطفت یہ نہ ہیگی اُس کی چشم پوشی کے یہ رنگ نہ ہونگے، آج تو خدا سے چھپ کر کبھی بیوی کی آڑ لیتا ہے کہ بیمار ہے، کبھی بیٹے کا ڈھونگ رچاتا ہے کہ اس کی وجہ سے "غفلت ہوگئی"، کبھی مکان کا بہانہ کرکے کہتا ہے کہ "توفیق نہیں"، کبھی دولت کا عذر رکھ کر احکم الحاکمین سے بگڑا ہے، اُس کے حکموں کو پرکاہ کے برابر نہیں سمجھتا، ان چیزوں کو اپنا حمائتی بنا کر سمجھتا ہے کہ یہ وار کو روک لیں گی، ڈھال کا کام دیں گی، سفارش کردیں گی۔ نادان کو کہہ دو کہ اُس دن اللّٰہ الواحد القہار کی سلطنت ہوگی، ضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ کا سماں ہوگا، يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ کا نظارہ ہوگا، مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ کی حکومت ہوگی، بیٹوں اور بیٹیوں، عورتوں اور مکانوں، باغوں اور بنگلوں کی حکومت ہرگز نہ ہوگی، وہ دن یوم حساب ہوگا اور خاموشی، دہشت اور ہُو کے عالم پوچھا جائیگا کہ بتاؤ کیا کیا؟

بس اگر مسلمان کو یقین ہے کہ مرنا ہے تو اس کے سوا چارہ نہیں کہ **سرفروش** ہوجائے۔ گمنام "سرفروش" نے اپنا تن من دھن پیش کردیا ہے، اُس کا جواب نقل کرتا ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ سرفروش دھڑا دھڑ نکلنے جائیں اور اس اندھیری رات کو کیسر چراغاں کردیں۔ خط حسب ذیل ہے۔

"چاہئے تو یہ تھا کہ میں آپ ایسے فاضل کے قلم سے اپنی تعریف میں مقالہ افتتاحیہ لکھا ہُوا دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سماتا اور چلا اٹھتا کہ میں ہوں خط لکھنے والا مگر میں مرحبا اور جزاک اللہ پر مرمٹنے والے مسلمانوں سے نہیں ہوں، اسلام کے لئے تن من دھن قربان کردینے کا جذبہ میرے دل میں اخبار کے مطالعے سے ہی پیدا ہُوا ہے۔"

"آپ کی آواز پر اگر مسلمان اس وقت لبیک نہیں کہتے تو تھوڑی مدت کے بعد مجبور ہو جائینگے۔ بیچارے ڈرے ہوئے ہیں، سانپ کا ڈسا رسّی سے خوف کھاتا ہے۔ رہبرانِ قوم نے انکی حرارتِ دینی کو کئی دفعہ اپنے مطلب کے لئے استعمال کیا، اس لئے اب ڈر رہے۔ مجھے دیکھ کر آپ کیا کریں گے۔ مناسب موقعہ پر معلوم ہو جائیگا کہ میں کون ہوں۔ والسلام۔"

ایک اَن پڑھ کا عملی ایمان

گدائے گوشہ نشین اور گمنام سرفروش دونوں کی ضرورت نہیں

مطبوعہ "الاصلاح" ۱۵ فروری ۱۹۳۵ء

محترم علّامہ عنایت اللہ خان مشرقی

السلام علیکم۔ میرے خیالات کو اپنے اخبار میں جگہ دیکر میرے جلے دل پر مرہم لگا دیں۔ آپ کا اخبار خرید لیتا ہوں۔ خود پڑھا ہوا نہیں ہوں دوسرا پڑھتا ہے۔ میں سنتا ہوں۔ میں ساٹھ برس کا بڈھا ہوں۔ اخبار سن کر میری مردہ رگوں میں بھی خون دوڑ جاتا ہے۔ اس دفعہ کے اخبار میں گمنام سرفروش کے متعلق آپ کا مضمون پڑھا گیا اور میں نے سُنا۔ سُن کر جو دکھ میرے دل کو ہوا بیان نہیں کر سکتا۔ دانت پیسکر رہ گیا۔ خدا ان زبانی جمع خرچ کرنے والے سرفروش گوشہ نشین اور گمناموں سے ملّتِ بیضا کو محفوظ رکھے گوشہ نشین اگر آرام طلب ہے تو گمنام بزدل ہے جس کو اپنا نام ظاہر کرنے کی جرات نہیں ہوئی اسلام کو اس وقت نہ تو گوشہ نشین کی ضرورت ہے نہ گمنام کی۔ ضرورت ہے تو صرف مردِ میدان کی جس کی ایک للکار سے دشمن کے چھکّے چھوٹ جائیں۔ جو میدان میں شیرِ نر کیطرح ڈٹ کر ہر قسم کی مخالفت اور مصیبتوں

کا مقابلہ کرے جو اپنے استقلال اور اخلاق سے اِس بدبخت قوم کی کایا پلٹ دے راستہ سے بھٹکے ہوئے مسلمانوں کو سیدھا راستہ دکھادے۔ مرکز سے ہٹے ہوئے مسلمانوں کو پھر اکٹھا کر دے۔ ان کو آپس میں بھائی بھائی بنا دے۔ بس وہی ہمارا گورو۔ وہی ہمارا پیر۔ وہی ہمارا لیڈر۔ اگر ایسا نہیں تو کسی سرفروش کی سرفروشی سے اور کسی گوشہ نشین کی روحانیت سے قوم کے درد کا علاج نہیں ہوسکتا۔

آپ کا مخلص مستری اللہ بخش" نشان انگوٹھا مستری اللہ بخش

قرآن کی جدید تفسیر کی ضرورت

ایک محترم کا خط

محترم علی احمد خان دانشمن بی اے، ایم۔ اے، ڈاکخانہ صادق گڑھ پیلیس ریاست بہاول پور نے حسب ذیل خط محررہ ۲۵ جنوری ۱۹۳۵ء علامہ مشرقی کو لکھا:۔

"اخی المکرم

میں چاہتا ہوں کہ آپ "الاصلاح" میں دو دو ورق قرآن حکیم کے باقاعدہ ترجمہ اور تفسیر کے واسطے مختص کریں۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت ہندوستان میں اس کام کو اچھی طرح بھگتانے والا شاید ہی کوئی دوسرا آدمی آپ سے بہتر موجود ہوگا۔

پہلے دور میں مسلمانوں کو قرآن نے ہی اُبھارا تھا اور اب بھی اِسی سے جو کچھ بن سکتا ہے بنے گا۔ یہ آسان بات ہے کہ قرآن کے متفرق مقامات سے بعض آیات لے کر ایک اچھا انشا پردازانہ ایک معقول کتاب لکھ ڈالے۔ مگر یہ ذرا مشکل کام ہے کہ اوّل سے آخر تک ترجمہ اور تفسیر لکھتے ہوئے کوئی جگہ ایسی نہ چھوڑے جس پر معقول طور پر ہلکا یا بھاری اعتراض نہ ہوسکتا ہو۔ یہ بنیادی کام ہے۔ جب تک یہ اس وقت کی ضروریات کے مطابق نہ ہوجائیگا تب تک مسلمانوں کے باقی کام پادر ہوا رہیں گے جس طرح خدا کے کام کے متعلق نئے نئے انکشافات آئے دن ہوتے رہتے ہیں، اِسی طرح خدا کے کلام کے اُن حصّوں کے متعلق جن میں خدا

کے کام کی طرف اشارات ہوں جدید روشنی میں مقبول ہونے کے لائق تفسیر کی ضرورت ہمیشہ پیدا ہوتی رہے گی۔ اور اس وقت ایسی تفسیر کی سخت ضرورت ہے پہلے کا کیا ہوا جو کچھ موجود ہے اس کو میں کسی طرح کافی نہیں سمجھتا۔ اور سارے کام ایک طرف اور قرآن کی ضرورت حاضرہ کے مطابق تفسیر ایک طرف رکھے جائیں تو میں کہوں گا کہ اور سب کاموں کو چھوڑ کر قرآن کی تفسیر کا کام پہلے کیا جاوے کیونکہ اسوقت کسی زندہ قوم کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے اس سے بہتر ہتھیار ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا ہتھیار ہمارے پاس موجود ہی نہیں ہے تو زیادہ صحیح ہوگا۔

سید احمد خان، مولوی محمد علی، محمد سرور، محمد مارماڈیوک پکتھال، خواجہ کمال الدین۔ خواجہ احمد الدین، ابو الکلام عبداللہ یوسف علی صاحبان میں سے بعض جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے، اور دو تین ابھی اس کام میں مصروف ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی وہ رنگ نہیں پیدا کر سکتا جس کی اس وقت ضرورت ہے۔ شاید آپ کر سکیں۔

نوٹ: پنسل کا لکھا معاف کیا جائے۔ یہ صرف ایک طرح کی یاددہانی ہے۔

مخلص علی احمد خان داشمن بی اے ایم ای

قرآن کی جدید تفسیر کی ضرورت

مطبوعہ "الاصلاح"

۱۵ر فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۱۰ر ذیقعد ۱۳۵۳ھ

مسلمان کا حیرت انگیز ایمان

محترم علی احمد خان دشمن کا دوسرا خط

محترم علی احمد خان داشمن، بی اے ایکینکل انجینئر، صادق گڑھ بہاول پور نے اپنے خط میں جو یکم فروری کے "الاصلاح" کے صفحہ ۴ پر چھپا تھا تجویز کی تھی کہ "الاصلاح" میں قرآنِ حکیم کی تفسیر علامہ مشرقی کے قلم سے ہو اور اس مطلب کے لئے دو صفحے اور بڑھائے جائیں۔ انہوں نے اب لکھا ہے کہ میں اس مطلب کے لئے جب تک ملازم ہوں پچاس روپیہ ماہوار دینے کے لئے تیار ہوں۔ خط حسب ذیل ہے:۔

ڈاکخانہ صادق گڑھ پیلیس۔ ڈیرہ نواب صاحب ریاست بہاول پور ۲ر فروری ۱۹۳۵ء

اخی المکرم۔ مدیر "الاصلاح"

السلام علیکم مجھے امید نہ تھی کہ میری تحریر اخبار میں چھپے گی۔ یہ خیال تھا کہ اگر بہت توجہ کی گئی تو فرصت اور روپیہ کی کمی کا عذر سامنے آجائے گا۔

اب چونکہ یہ سوال ساری جماعت کے سامنے پیش ہوگیا ہے اسلئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مندرجہ بالا دونوں امکانی عذرات کے دور کرنے کے متعلق بھی کچھ کہہ دوں۔

دوورق بڑھانے پر خرچ میں جو کچھ اضافہ ہوگا وہ دو طرح سے پورا ہو سکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ کم از کم تین چوتھائی خریدار رسالہ کی قیمت میں مناسب اضافہ قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جاویں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ رسالہ کی قیمت جو کچھ اب ہے وہی رہے اور جو کچھ زائد خرچ ہوگا اس کو برداشت کرنے کے واسطے ایسے افراد کافی تعداد میں آجائیں جو اپنی توفیق کے مطابق اس بوجھ کو آپس میں بانٹ لیں۔

دوسرا سوال آپ کی فرصت کا ہے۔ اس کا یہ علاج ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمانوں کو پہلی شان پر واپس لانے کا شوق رکھنے والا، صدیوں کے زنگار سے پاک دل و دماغ رکھنے والا، حالات حاضرہ سے بخوبی باخبر، اچھا لکھنے والا عالم نوکر رکھ لیا جائے تاکہ زیادہ حصہ اس کام کا وہ کرے اور آپ صرف اشارات دیتے جائیں اور خاص خاص مقامات پر خود لکھنے کی تکلیف اٹھائیں۔ چونکہ اس سوال کو میں نے اٹھایا ہے اس واسطے بمصداق پنجابی مثل "جیہڑا بولے اوہو کنڈا کھولے" پہلا مالی مجاہد بننے کا بھی میں ہی اعلان کرتا ہوں۔ اگر آپ اور باقی ساری برادری اس کام کو ضروری سمجھ کر کرنا چاہیں تو میں جب تک ملازم ہوں پچاس روپیہ ماہوار اس کام کے واسطے دینے کو حاضر ہوں۔ بشرطِ ضرورت انشاءاللہ کچھ اور بھی اضافہ کردونگا۔

نوٹ:۔ میں ایک نادار آدمی ہوں۔ اگر بڑی جائداد والا یا بڑی تنخواہ والا ہوتا تو سارا خرچ ہی اُٹھا لیتا۔

علی احمد خان داشمن بی اے

علّامہ مشرقی کا جواب

محترم علی احمد خان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کے دونوں خط ملے اور حیرت انگیز جوش ایمانی سے متاثر ہوا۔ یہاں لاہور کے دو بڑے مولوی قرآن کا روزانہ درس دیتے ہیں، دونوں کا درس عمدہ ہوتا ہے اور لوگ جوق

درجوق جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک محترم کی ملاقات ایک شادی کے موقع پر ہوئی۔ پانچ دس شاگرد سامنے تھے اور سب کے سب مقتدر عہدوں پر ملازم تھے۔ ایک شاگرد نے مجلس میں کہا کہ "مولانا" نے قرآن کا "دَور" کل بارہ برس کے بعد ختم کیا ہے! میں اس خبر کو سنکر غمزدہ ہوگیا۔ غصے میں پوچھا کہ اس بارہ برس میں قرآن سُن کر آپنے کیا کیا، اور ہر شاگرد سے باری باری پوچھتا گیا۔ سب آئیں بائیں شائیں کرنے لگے اور اس عمر رفتہ کے ماحصل کے متعلق ایک حرف نہ بتلا سکے۔ بالآخر میں سختی سے استاد کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ آپکی تشریح نے ان سے کیا کرایا۔ محترم کچھ غوں غوں کرنے لگے اور معلوم ہوتا تھا کہ اس کے پڑھنے کو ہی داخل "ثواب" سمجھتے ہیں۔ میں نے آدھ گھنٹے تک سب کو وہ آڑے ہاتھوں لیا کہ محترم اُستاد صاحب نے ہتھیار ڈال دیئے کہ "یہ سب اعی عیاشی" تھی جو بارہ برس تک کیگئی۔ اس سے سوائے اس کے کہ دل سُن سُن کر پتھر ہو جاتے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ قرآن کی دہشت کم ہوگئی اور حاکم کے حکم کو پڑھ پڑھ کر بے اثر کر دیا گیا۔ قرآن حکمنامہ خدا ہے اس کی صحیح قدر اس پر عمل ہے، اس کے محکمات پر عمل ہے، اس کی حرف ایک آیت پر صحیح عمل ایک پوری قوم کو صدیوں تک عروج کے فلک الافلاک تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔ ایک گری ہوئی قوم کے لئے اسکو اول سے آخر تک بالتفسیر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ تیئیں برس تک تھوڑا تھوڑا وقفے سے کرنے کی ضرورت ہے

اگر کوئی تفسیر میرے قلم سے لکھے جانے کے بعد مسلمانوں کو بیدار اور پا بہ کاب کر سکتی تھی تو وہ میرا "تذکرہ" تھا۔ اس کو مسلمانوں نے اپنے بدن کے کوٹ اور گھر کا سامان بیچ بیچ کر خریدا اور واہ واہ میں اُڑا دیا! اب مجھے شدید رنج ہے کہ چار ہزار صفحوں کے لکھنے کی شدید محنت کا نتیجہ جسنے میری زندگی کو خطرے میں ڈال دیا تھا حبذا اور مرحبا کے سوا کچھ نہ نکلا!

میں تذکرہ میں لکھ چکا ہوں کہ قرآن کا علم اُسی دن سے زائل ہونا شروع ہوا جب سے اس کی تفسیریں لکھنا

شروع ہوئیں ۔ صدر اسلام میں قرآن کی زندہ تفسیر اس پر عمل تھا۔ سعید بن جُبیرؓ سے جو تابعین میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے کسی شخص نے آکر کہا کہ آپ قرآن کی تفسیر لکھیں ۔ اس سوال کو سُنکر ان کا چہرہ غصے سے تمتما اُٹھا اور بولے کہ میں نے تم سے زیادہ بدبخت کوئی نہیں دیکھا۔

تذکرہ ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کو ہر کس و ناکس نے پڑھا اور گوشے گوشے میں پھیل گیا۔ اب دس برس کے انتظار اور سوچ کا ماحصل "بیلچہ" اور "خاکساری" کی تحریک ہے ۔ اس کو پکڑیئے ۔ پچاس ۵۰ روپیہ ماہوار آپ سے آگے چل کر کسی اور ضمن میں لوں گا منتظر رہیئے ۔

مصلحت دیدِ من آنست کہ یاران ہمہ کار
بگذارند و خمِ طُرّۂ یارے گیرند

(المشرقی)

مسلمان کا حیرت انگیز غیظ و غضب

محترم علی احمد خان دشمن نے میرے خط مطبوعہ "الاصلاح" ۱۵ فروری کا جو میں نے ان کو لکھا تھا حسب ذیل جواب دیا ہے :-

ڈاکخانہ صادق گڑھ پیلیس   ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء

اخی المکرم

السلام علیکم ۔ میں نے اپنے دوسرے خط کا جواب پڑھا ۔ آپ کا جواب میرے سوال سے اتنا ہی دُور ہے جتنا آپ کا بیلچہ اُس اوزار سے جو رسول اللہ نے خندق کی کھدائی کے وقت پتھر توڑنے کے واسطے استعمال کیا تھا ۔

لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْن۔

علی احمد خان دانشمن

موصوف کے خط پہنچنے سے تین دن پہلے خاکسار تحریک کے سرگرم مجاہد محترم محمد ابراہیم ٹیلیگراف آفس ساکن سعدی پارک مزنگ لاہور نے جن کی دین اسلام سے کتابی واقفیت بھی بڑی دیر کی ہے ۔ مجھے حسب ذیل تصریح بھیجی جو مجھے اُمید ہے کہ محترم دانشمن کو غور اور محبت سے میرے نقطۂ نظر پر غور کرنے کے لئے ایک دفعہ اور آمادہ کریگی۔ محترم محمد ابراہیم کا ایک ایک حرف قابلِ غور ہے۔

عنایت اللہ خان المشرقی

محترم محمد ابراہیم کا بصیرت افروز خط

اخبار " الاصلاح " مجریہ یکم فروری ۱۹۳۵ئہ میں بھائی علی احمد صاحب دانشمن، بی اے، ایم۔ ای، کا مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے علامہ مشرقی کو یہ مشورہ دیا ہے کہ قوم کو ابھارنے اور زندہ کرنے کے لئے صرف و محض تفسیر قرآن ہی ایک واحد ذریعہ ہے اور تحریر کیا ہے کہ آج تلک جتنی تفاسیر زمانہ میں موجود ہیں وہ سب ناکافی ہیں اور اُس رنگ میں جسکی قوم کو ضرورت ہے ہرگز رنگ نہیں سکیں۔ لہذا یہ کام خاکسار تحریک کے اخبار " الاصلاح " میں دو عدد ورق وقف کر کے شروع کر دینا چاہیئے۔

میں بحیثیت ایک خاکسار کے محترم برادرم سے اختلاف رائے رکھتے ہوئے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآنی تفاسیر آج تک بے شمار بندگانِ خُدا مرتب کر چکے ہیں اور اپنے علم و فہم اور ادراک سے جو کچھ بھی ان سے میسر ہو سکا قوم کے سامنے پیش کر دیا۔ اس کا حشر یہ ہُوا ہے کہ ہر ایک تفسیر کا حلقہ علیحدہ بنا لیا گیا ہے، ان کے حواری مختلف فرقوں کی صورت اختیار کر بیٹھے ہیں۔ ایک دوسرے سے بحثوں پہ بحثیں اور مناظروں پر مناظرے شروع ہو کر قوم میں فرقہ بندی،

اشتات، نفرت اور بغاوت پیدا ہوگئی ہے۔ قوم کی عملی طاقت زائل ہوکر صرف زبانی اور قولی اعتقادوں تک محدود ہوگئی ہے۔ ایسی حالت میں کیسی ہی "احسن سے احسن" تفسیر لکھی جائے صرف کاغذوں اور ورقوں میں محفوظ رہے گی اور ایسی قوم کو اُبھارنے اور زندہ کرنے میں بالکل کارآمد نہ ہوگی جس کی ذہنی سرزمین بالکل برباد، بنجر اور ویران ہوچکی ہو۔ پس قانونِ فطرت کے مطابق زمین کے نقائص کو پہلے رفع کرکے بعد ازاں اس میں بیج بونا چاہیئے، اور اگر نقائص دُور کرنے سے پہلے بیج بو یا گیا تو اس کا ہر بار تباہ اور ضائع ہوجانا اٹل ہے۔ تفسیر کے مطالعہ کا ماحصل اعمالِ صالح کے بیج ہی ہوا کرتے ہیں ان کی کاشت اُسی صورت میں مفید ہوگی کہ قوم کی ذہنی زمین میں قبولیت کی طاقت موجود ہو۔ آج قوم میں فرقہ بندی اور خودرائی کمال پر ہے، سستی اور غفلت زوروں پر ہے، کافر اور مرتد ہونے کے فتوے لبوں پر ہیں، شیطانیت یا رہبانیت دلوں میں ہے! ایسی حالت میں اگر تفسیر کا کام شروع کیا گیا تو وہی دیرینہ اور نہ ختم ہونے والی لڑائیاں، شیعہ اور سُنی، مالکی اور حنبلی، اہلِ حدیث اور اہلِ قرآن کے جنگ و جدل کی طرح خاکساروں میں بھی، لفظوں اور معنوں کی کھال اتارنے کے ضمن شروع ہوجائیگی اور وہ مقصد جو قرآنی تفسیر لکھوانے سے میرے پیارے بھائی کا ہے، ضمناً مفقود ہوجائے گا۔

قوم کو اس وقت ایک ایسے **عملی پروگرام** کی ضرورت ہے جو اس کی تمام غفلت کام چوری اور جمود کو یکسر سینوں سے پاک صاف کرکے عمل کرنے کا وہ جذبہ مسلمانوں میں پھر از سرِ نو پیدا کرے جو کبھی اُنکے شایانِ شان تھا۔

آج قوم اعمالِ صالحہ کو جانتے ہوئے زمانہ کے ترازو میں عملاً ہمسایہ قوموں اور طاقتوں کے مقابل میں سب سے پیچھے رہ گئی ہے۔ قوم جانتی ہے کہ جھوٹ بُری چیز ہے مگر جھوٹی شہادتیں زوروں پر ہیں! قوم جانتی ہے کہ غیبت ایک خبث شئے ہے مگر وہ اس سے رُک نہیں سکتی! قوم جانتی ہے کہ ایفائے عہد ایک مبارک عمل ہے مگر وہ ایسی بے حس ہے کہ روزمرہ اس سے تغافل کرتی ہے! بلکہ میں کہتا ہوں کہ بڑے بڑے رسمی اور نمائشی زاہد اور پرہیزگار وعدہ

کر کے پورا نہیں کرتے اور ان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ کس گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں!

ایسی حالت میں نئی تفسیر کا کام شروع کرنا طاقت اور وقت کو ضائع کرنا ہے۔ بلکہ یہی طاقت اور وقت اگر قوم کو عمل کی طرف دعوت دینے میں صرف کیا جائے تو تھوڑی ہی مدت میں عمل کا بٹن دبا کر اِن میں اُلفت، محبت اور اُخوت کی بجلی پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ ایک امیر، ایک مرکز، ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ایک نظام میں منسلک ہو سکتی ہے، اس کی سب اجتماعی درماندگیاں اور بداعمالیاں دور ہو سکتی ہیں اور بالآخر ترقی کے فلک افلاک پر پہنچ کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکتی ہے۔ مگر شرط عملی طاقت کا پیدا کرنا ہے۔ اس عملی طاقت کے پیدا کرنے کا واحد ذریعہ میری نظر میں خاکسار تحریک میں شامل ہونا ہے جو علامہ موصوف نے دُنیا کے سامنے پیش کر دی ہے اور جس کے اُصول وقتاً فوقتاً "الاصلاح" میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ خاکسار کا کسی مسلمان کے برخلاف آواز نکالنے سے رُکنا ایک ایسا عمل ہے جو فرقہ بندی کے زہر کے لئے تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ خاکسار کا اپنے سالار یعنی افسر کا حکم بلا چون وچرا ماننا (خواہ وہ حکم کتنا ہی مشکل اور تکلیف دہ کیوں نہ ہو) ایک ایسا عمل ہے جو مسلمانوں کو خود رائی اور نخوت سے خلاصی دے گا۔ خاکسار کا باقاعدہ فوجی قواعد کرنا ایک بے نظیر عمل ہے جو رگ و ریشہ کی کمزوریوں سے نجات دے گا۔ خدمتِ خلق وہ مہتم بالشان عمل ہے جس سے دشمن کو فوراً اپنا مطیع کیا جا سکتا ہے۔ تحریک کے یہ تمام عملی اصول عین فطرت کے مطابق ہیں اور قوم کی ذہنی زمین کو جلد سے جلد اور قلیل سے قلیل مدت میں پیداوار کے لائق بنا دیں گے پھر عین اس وقت قرآنی تفسیر کا پانی قوم کو سیراب کر کے نہال کر دے گا۔

آج قوم کا درد رکھنے والے ہر شخص کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ اپنے زیرِ اثر حلقہ میں کھڑے، بیٹھے اور لیٹے عمل کے لئے قوم کو ابھارے، عمل کی تلقین کرے، عملی رہنمائی کرے اور قوم میں کہنے کی بجائے کرنے کی طاقت پیدا کرے۔ جس وقت قوم عملی سٹیج پر چڑھ جائیگی اس وقت البتہ ہم علامہ صاحب کو فرمائش بلکہ مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ

قرآنی تفسیر سے قوم کو شاداب کریں۔ مگر موجودہ حالت میں اگر علامہ صاحب کیا بلکہ معاذ اللہ محمدؐ رسول اللہ بھی بالفرض
اپنی تفسیر پیش کریں تو اس تفسیر کا وہی حشر ہوگا جو اس سے قبل تمام تفاسیر کا ہو رہا ہے۔ کوئی وجہ کوئی دلیل نہیں کہ وہ ایسی
قوم کی نکتہ چینی سے بچ سکے جو عمل کی بجائے اعتقاد کو ترجیح دیتی ہو۔ جو کلمے اور لاحول پڑھ پڑھ کر جنت کی حقدار بنتی ہو،
جو قرآن مجید کا ایک ایک حرف پڑھ کر دس دس نیکیوں کی منتظر رہتی ہو، جو عذاب الٰہی میں گرفتار ہونے کے باوجود خود کو
عذاب سے مستثنیٰ سمجھتی ہو، جو اپنے اعتقاد کی مخالف رائے کو ایک آنکھ نہ دیکھ سکتی ہو، جو پیر پرستی جھاڑ پھونک،
ظاہرا ٹیپ ٹاپ اور نمائش کو اپنا شعار سمجھتی ہو۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس تفسیر کا جس کا آپ ارادہ رکھتے ہیں فوری اور
ضروری اثر یہ ہوگا کہ "الاصلاح" کی زندگی مشکوک ہو جائے گی۔ اس کے مطالعہ کے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہو جائیںگی،
طرح طرح کی بدگمانیاں نمودار ہو کر واویلا مچ جائے گا اور وہ مفید پہلو جواب اس کے پیش نہاد ہے دھرا کا دھرا رہ جائیگا۔

خاکسار محمد ابراہیم

مقالہ افتتاحیہ

جرعۂ رنداں

مطبوعہ "الاصلاح"

۲۲/ فروری ۱۹۳۵ء مطابق ۱۷/ ذیقعد ۱۳۵۳ھ

تشنہ اگر جرعۂ رنداں نہ بہ حرمت نوشد
التفاتش بہ مئی صافِ مروّق نہ کنیم

محترم علی احمد خان داشمن کے مختصر خط نے جو آج کے صیغۂ مراسلات میں شائع ہو رہا ہے میرے سامنے ایک ایسا مسئلہ پیش کر دیا ہے جس کو معلق چھوڑ دینا یا جس کے متعلق مختتم اور فیصلہ کن رویہ روزِ اول سے اختیار نہ کرنا تحریک کے اُن بلند مقاصد سے حجاب کرنا ہے جس کے قیام کے لئے "الاصلاح" جاری کیا گیا تھا۔ محترم کا خط مختصر اور چیستان اس لئے ہے کہ اس کو اس "جرعۂ رندان" سے بے توجہی بلکہ حجاب ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں۔ وہ ایک غریب اور بے بس درویش کی شراب کے اندر مَیل، تلچھٹ اور تنکے دیکھ رہا ہے۔ جس پیالے میں گھونٹ پیش کیا گیا ہے صاف مَیلا ہے، زمانہ کے چلن کے خلاف ہے، بے فیشن ہے، نازک اور پُر رونق چہروں کو شرما دینے والا ہے، "ابروئے غیرت" کو پسینہ پسینہ کرنے والا ہے۔ محترم چاہتا ہے کہ اس فقیرانہ گھونٹ، اس رندانہ قدح، اس شرم انگیز پیشکش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دے کہ یہ وہ گھونٹ نہیں جو اُس پیرِ مغاںؑ نے پیش کیا تھا جنے ہمیں

سب سے پہلے قدح نوش بنایا تھا!

انکار کی یہ ادا اور دامن بچانے کا یہ انداز خوبصورت ہی کیوں نہ معلوم ہو مگر اس میں نشہ کی کبریائی کے اقرار سے زیادہ فقیر کی فقیری کی توہین کا رنگ موجود ہے۔ اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ مسلمان کے سامنے آج پھر اپنی، خاکسار تحریک اور "الاصلاح" کی پوزیشن کو واضح کردوں تاکہ دلوں کے اس اٹھان اور ہیجان کے متعلق جو ممکن ہے بعض غیر مانوس طبیعتوں پہ ناگوار اور گراں گزر رہا ہو شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ وہ پہلے سے ہی دیکھ لیں کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں، مسلمان کے اندر کس حیرت افزا انقلاب پیدا کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، کس زمین اور کس آسمان کو الٹ کر نئی دنیا کو بسانے کا عزم کر چکے ہیں، اس زمین اور اس آسمان کو الٹنے کے لئے کیا کوہ شکن اور فلک پاش سامان بالآخر کیونکر آئیں گے اور کس وسیلے سے آ کر رہیں گے؟

یاد رکھو کہ انسان کا یہ چھوٹا سا جسم جس کو خدا کی جناب سے احساناً حاصل کر کے انسان اس دنیا میں خدا سے بگڑ بیٹھتا ہے بے انتہا کمزوریوں کا مجموعہ ہے "خُلِقَ ضَعِیْفاً" اور عجز، تبدیلی اور انقلاب کا خمیر اس کی مٹی میں گندھا ہے اور یہی اس کا ضعیف اور بے بس ہونا، انقلاب پذیر اور مبدّل ہو جانا، اس امر کی دلیل ہے کہ انسان خدا نہیں بلکہ اس سے برتر ایک طاقت، ایک بے پناہ اور اٹل قوت، ایک ناقابل بدل سُنت اور قانون موجود ہے جو اس کو بدل رہا ہے، اس کے ارادوں کو بدل رہا ہے، توڑ جوڑ کر رہا ہے، بنے کو بگاڑ رہا ہے، بگڑے ہی کو بنا رہا ہے۔ انسان قانونِ وقت کے خلاف ایک جرم کر کے بازار میں کھڑا ہے، پولیس کا سپاہی اس کو یک دم ہتھکڑی لگا دیتا ہے، مجسٹریٹ فردِ جرم لگا کر عمر قید کا حکم سناتا ہے تو مجرم روتا ہے سر پیٹتا ہے، زمین پر لوٹتا ہے، اچھلتا ہے، کودتا ہے،

بیڑیوں کو توڑنے کی سعی میں اپنے ہاتھ پاؤں زخمی کرلیتا ہے کہ اس قید کو کیونکر نباہوں گا۔ دس برس کے بعد قیدیوں کی عام معافی کا اعلان بادشاہ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس مجرم سے حال پوچھیے۔ کہیگا بھائی! اس "گھر" میں خوب گذرتی ہے، عمدہ گھرانا ہے، درودیوار دوست ہیں، طبیعت کے موافق کھانا ہے، کوئی تکلیف نہیں، مزے سے پڑے ہیں، بادشاہ کا دماغ خراب ہوگیا ہے کہ ہم کو پڑے پڑے یہاں سے نکال رہا ہے!

بعینہٖ اسی "درودیوار کی دوستی" میں آج مسلمان، اور مسلمان کے "صحیح نمائیندہ" محترم علی احمد خان داشمن، گھرے ہیں۔ بعینہٖ انسان کی اسی کمزوری خلق اور خدا کی اٹل مقلب القلوب طاقت پر خاکسار اور مسلمانوں کا "صحیح دشمن" فقیر عنایت اللہ خان المشرقی تکیہ لگائے بیٹھے ہیں، بعینہٖ اسی بنا پر "عنایت اللہ کا دماغ خراب" ہے، مجنوں اور ساحر کا خطاب پا رہا ہے، لوگ اس کی حالت کو دیکھ کر سر ہلا رہے ہیں، سر ہلا ہلا کر افسوس کر رہے ہیں، اپنے تدبّر اور اپنے دماغوں کے صحیح ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں، بیلچے کو اس کے کندھے پر، اور بازار میں اس کی رسوائی دیکھ کر علانیہ کہہ رہے ہیں کہ "افسوس ایک عمدہ آدمی مسلمانوں میں تھا اس کا دماغ بگڑ گیا"!

لیکن یاد رکھو کہ "منزلِ لیلےٰ" کی راہ میں جب "پہلے قدم"† کی شرط پوری ہو چکی تو لیلیٰ کی منزل بھی اب دور نہیں! یہی بیلچہ بردار خاکسار جن کا اوزار تمہارے نزدیک "رسولِ خدا کے ہتھیار سے کوسوں دور ہے" یہی مجنوں اور سر پھرے لوگ، یہی اللہ کے سچے اور مخلص جانباز، یہی انشا پرداز "شاعر" اور مجنون مشرقی تم کو قید و بند، غلامی اور عجز کی ان آہنی زنجیروں سے چھڑا کر رہیں گے، جن میں تم مطمئن ہو چکے ہو، جن کو آج تم سنہری زنجیریں سمجھ کر ہر اس شخص کو جو ان کے توڑنے

† حافظؒ کے شعر "در رہِ منزلِ لیلیٰ کہ خطرہاست بجان   شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی" کیطرف اشارہ ہے۔

کی فکر کرے ٹال دیتے ہو، جو آزادی اور بادشاہت کا مذہب پیش کرتا ہے اس کو غلامی اور عاجزی کا دین دکھاتے ہو، جو خدا کی راہ میں سر دینے کا رستہ بتاتا ہے اس کو تفسیروں اور تنقیدوں کی آرام دِہ خدمتوں کی طرف متوجہ کرتے ہو، جو مکہ اور مدینہ کا جان بکف اور تیغ بہ بر اسلام سامنے رکھتا ہے، اس کو لندن اور شملہ کے انگلش میڈ (ENGLISH MADE) عقیدے سُناتے ہو، تمہاری بہتری کی خاطر اپنا گھر بار، مال جان، فرزند و زن، عزت اور آن لٹا دینے والوں کو لوریاں دے دے کر سُلانا چاہتے ہو کہ کہیں اُٹھ کر تمہاری موت کی نیند کو خراب نہ کریں، تمہاری دماغی عیاشیوں کو تباہ نہ کریں، تمہاری اُن آہنی سلاخوں اور قفس کی تیلیوں کو نہ توڑ دیں جن سے تم دوستی لگا کر اپنے ارادوں اور نیتوں، ہمتوں اور حوصلوں، افعال و کردار، دلوں اور جگروں کو بدل چکے ہو۔

یاد رکھو کہ اگر تیرہ سو برس کی بادشاہت اور عالمگیریت کے بعد چند برس کی غلامی اور عاجزی نے تمہیں اُس اسلام سے پھیر دیا ہے جو تلوار اور توپ، خون اور قتل، گھوڑوں اور اونٹوں، زرہوں اور خنجروں والا اسلام تھا تو "الاصلاح" اسلئے میدانِ شہود میں نہیں آیا کہ تمہارے اس کرسیوں اور عینکوں، مجلسوں اور انجمنوں، پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں، چندوں اور لکچروں شعروں اور گیتوں والا اسلام آسانی سے قبول کرے۔ جب تم چند برسوں کے اندر اندر یوں سے یوں بدل گئے ہو اور انسان کی پیدائشی کمزوری کو یوں جلد و اسخ کر دیا ہے، جب اُدھر سے اِدھر اتنی تھوڑی مُدت کے بعد آ چکے ہو کہ ابھی تمہارے غلبے اور بادشاہت کی کہانیاں غیروں کی زبان پر باقی ہیں تو تمکو اِدھر سے اُدھر پھر پہنچانا بھی آسان ہے۔

اس آسان کام کو جسکو تم ناممکن سمجھ بیٹھے ہو انشاءاللہ العزیز یہی خاکسار پُورا کر کے رہیں گے، ہمیں تمہاری تفسیریں پڑھ پڑھ کر اور عینکیں لگا لگا کر مُسلمان بننے کی کیا پروا ہے۔ عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

"رہِ قلندر"

مطبوعہ "الاصلاح"

یکم مارچ ۱۹۳۵ء مطابق ۲۴ ذیقعد ۱۳۵۳ھ

صنمارہِ قلندر بسزد اربمن نمائی [(۱)]
کہ دراز و دُور دیدم رہ عشق و پارسائی

۲۲ فروری کے مقالہ افتتاحیہ میں جو "جرعہ رندان" کے عنوان سے میرے قلم سے تھا، میں نے عیاں کردیا تھا کہ اگر مسلمانوں کا لندن اور شملہ کے انگلش میڈ عقیدوں والا طبقہ ہمارے اِس درویشی گھونٹ کو پینے میں کراہت اور نفرت کا اظہار کر رہا ہے جس کو آج ہم قرنوں کے بعد پھر پیش کر کے پکار رہے ہیں کہ "آنکھیں میچ کر چڑھا جاؤ اور لطف دیکھو"، اگر آج ہماری اِس فقیرانہ جڑی بوٹی اور قلندرانہ ٹوٹکے کو جو بڑی بڑی بدصورت اور مٹی کی دوریوں میں گھٹ گھٹ کر تقسیم ہو رہا ہے، مسلمانوں کا وجہ پسند اور فیشن ایبل "مہذب" اور "متنور"، یورپ زدہ اور فریب خوردہ طبقہ حقارت اور انکار سے دیکھ رہا ہے اور ہم کو اس کے بدلے اُس چمکدار اور خوش رنگ بوتل کا سُرخ اور

---

(۱) اے میرے مقصود و مدعا! اب بھلائی اس میں ہے کہ تو مجھے وہ قلندروں اور مجذوب و مست عاشقوں والا رستہ بتا جس پر چل کر میں جلد تجھ تک پہنچ جاؤں اور مقصود حاصل کروں کیونکہ یہ جھوٹے عشق اور مکارانہ پارسائی والا رستہ جس پر میں اب تک چلا ہوں دراز اور دُور ہے اور منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔

مقطر زہر دکھا رہا ہے جس پر نیند اور امن ، جمود اور سکون ، مکر اور فریب ، جھوٹی پارسائی اور جھوٹے عشق ، موت اور شکست کا لیبل (LABEL) لگا ہے ، تو آج یہ طبقہ خوب جان لے کہ ہمیں اس صاف اور مروّق زہر کی ہرگز پروا نہیں ! ہم خاکسار اگر بیلچہ کے ذلیل اور شرمندہ کُن ہتھیار کو اُٹھا کر دیوانہ وار اور قلندر وَش گھروں سے نکلے ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ "مسلمانو! اس کو پکڑو ، اور نجات پاؤ" ، اسکے اندر تمہاری از سرِ نو حیات کا سچا راز ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے پچھلے تمام کرم فرماؤں کی لوپے ستر برس کی رورو کر چارہ فرمائیوں اور اپنے بیدار دشمنوں کی پچھلے سو برس کی خواب آور اور موت بخش دواؤں کے بعد اب کسی کے دمِ فریب میں نہیں آسکتے ۔ مسلمان آج اپنا علاج خود تجویز کرنے کے لئے اُٹھا ہے ! اس کو اب کسی معالج یا ڈاکٹر کی ضرورت نہیں رہی ۔ سب ڈاکٹروں اور سرجنوں ، سب چارہ فرماؤں اور معالجوں ، سب رہنماؤں اور واعظوں ، سب رشتہ داروں اور عزیزوں ، سب مُردہ شوؤں اور قل آعوذیوں ، سب ریش بردار ملاؤں اور مولویوں کو شکریہ کے بعد "اذنِ عام" ہے کہ رخصت ہوجائیں ! جنازہ نکل چکا ہے ، نمازِ جنازہ پڑھائی جاچکی ہے ، مُردہ دفن ہوچکا ہے ، اس پر مٹی ڈالی جاچکی ہے ، مکاری کے پھول اور فریب کے آنسو بہائے جاچکے ہیں ۔ اب مُردے کا کام ہے کہ اس تمام بدمعاشی کے بعد قبر سے نکل کر خود باہر کھڑا ہوجائے اور اپنے گھر کی راہ لے !

یاد رکھو خدا ، رسولؐ ، اسلام ، ایمان ، قرآن دین کچھ نہیں بدلا ، تم مسلمان بدل چکے ہو ، تمہارے دل اور جگر بدل چکے ہیں ، ذہن اور دماغ چکے ہیں ، تخیّل خیال اور اعمال بدل چکے ہیں ، حسرتیں اور ارمان ، احساس اور حِسّیات بدل چکے ہیں ، نصب العین بدل چکے ہیں ، گھٹنوں میں درد رس چکا ہے ، پیر وہ اگلے پیر نہیں رہے ، ہاتھ شل ہوگئے ہیں ، ذہنوں میں ویرانیاں اور دماغوں میں خرابے

بس چکے ہیں نیتیں اور ارادے مر چکے، نہیں، مارے جا چکے ہیں۔ ہاں تم بدلے نہیں، بدلائے جا چکے ہو۔ کسی "نامعلوم" اور زبردست دشمن نے، کسی چالاک اور ہوشیار مخالف نے، کسی ابلہ فریب اور عیار نے، کسی جانی روگ لگانے والے عدو نے تمہیں وہ نامحسوس افیون، وہ تریاق کے رنگ کا زہر وہ سلو پائزن (SLOW POISON) شکر میں لپٹی ہوئی گولیوں میں لا کر دیا ہے، کہ تم تیرہ سو برس کے دین کو، تیرہ سو برس کی تندرستی اور صحت کو، تیرہ سو برس کے سرخ چہروں اور بلند نظروں کو، تیرہ سو برس کے پھرتیلے بدنوں اور مضطرب جسموں کو پچاس برس کے اندر اندر اس دشمن کی ادنیٰ ادا پر قربان کر چکے ہو!

مغربی تہذیب کا زہر اور اسکے اثرات

اس دشمن نے "تہذیب تہذیب" کا خاموش ہنگامہ تمہارے دلوں میں پیدا کر کے، رعب قوت اور جلال سلطنت کے عجز خیز ماحول میں، وہ دوستی نما خصومت، وہ سارقانہ عیاری، وہ مصالحانہ دخل، وہ پیس فل پنی ٹریشن (PEACEFUL PENETRATION) تمہارے ذہنوں کے اندر کیا ہے کہ تم اپنے دماغ کی پوری حکومت اس گھر کے بھیدی کے سپرد کر بیٹھے ہو۔ اب ایکشن (action) اور عملوا الصّٰلحٰت کی جگہ تمہارے ہاں انجمنیں ہیں، انجمنوں کے "جلسے" اور "ریزولیوشن" ہیں، جلسوں میں جا کر تقریروں کا سماع اور مقرروں کا ناچ ہے، جزاک اللہ اور نعرۂ تکبیر کے جملے ہیں، گورنمنٹ کے حضور میں مؤدبانہ گذارشیں اور اخبارات کو "کارگذاریوں" کی نقلیں ہیں، چندہ کا جمع کرنا اور پھر "حساب دوستاں در دل" ہے، بے حساب جمع اور بے ڈکار ہضم ہے، اب ایمان

کی بجائے صرف کرسیوں پر بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ ہے، کسی بُک ڈپو سے کسی "مولانا" کی نئی تصنیف کی فرمائش ہے، کسی مذہبی رسالے کی باقاعدہ "تلاوت" ہے، کسی یتیم خانے کو آٹھ آنے ماہوار کا منی آرڈر ہے، یا حد سے حد یہ دعوے ہے کہ فلاں تفسیر دوبار "دیکھ" چکا ہوں، "خوب لکھی ہے" "کمال کر دیا ہے" "پڑھنے کی چیز ہے" "ایمان افروز ہے" "رُوح افزا ہے، میرے کتب خانے میں اِس کی سب جلدیں موجود ہیں!

مسلمانوں کا غلط "جہادِ قلم"

اگر "ایمان" کے اِس درجے اور "عشق و پارسائی" کے اِس مقام سے کوئی شخص تم میں آگے بڑھا ہے تو پھر اُس نے "جہادِ قلم" اپنے ذمہ لیا ہے، وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ کی آسمانی وحی کو توڑ مروڑ کر اپنے نفس کو دھوکہ دیا ہے، پھر فریبِ نفس اور شیطنت کے اِس ابلیسی عمل سے مسلمانوں کی تیرہ سو برس پُرانی حسیات اور روایات کا قتلِ عام اِس طریقے پر اپنی نوکِ قلم سے کیا ہے کہ شملہ کی چوٹیوں پر وائسریگل لاج کے اندر بیٹھا ہوا خاموش انگریز بھی مطمئن اور خوش بخوش ہے کہ ٹھیک کام ہو رہا ہے" ہماری تبلیغ و تہذیب، ہماری تعلیمی حکمتِ عملی، ہماری ایجوکیشنل پالیسی عمدہ کام کر رہی ہے، ہمارے کالجوں کے پیدا کئے ہوئے مسلمان مذہب، ایمان، اِسلام، قرآن، خدا، رسولؐ کو حسبِ مطلب ٹھیک سمجھ رہے ہیں! انگریز خوش ہے کہ خود مسلمان پچھلے پچاس برس سے دفتر کے دفتر اپنی ملت کی بنا کو بگاڑنے کے لئے لکھ رہا ہے، خوش ہے کہ اس کی سلطنت کو خود مسلمان مضبوط کر رہے ہیں، مطمئن ہے کہ عروسِ حکومت کا چھلا بے غیرت خاوند خود دلّال بنا ہے! اپنے قلم

سے لکھ رہا ہے کہ اسلام کے معنی غیر کے مطیع اور محکوم بن کر رہنا ہے، اسلام کا مطلب بہر نوع امن پسندی ہے، اسلام کے قرآن میں اُولِی الاَمرِ مِنکُم کا یہ "مفہوم" ہے کہ انگریز کو مِنکُم سمجھو، اسلام کے قرآن میں جہاد کی آیتیں اب منسوخ ہو چکی ہیں، اسلام کو تلوار سے کچھ سروکار نہیں، اسلام کے تمام جنگ مدافعانہ تھے، طارق کو سپین والوں نے مکہ اور مدینہ میں آکر چھیڑا ہوگا، ہندوستان کے مہاراجوں نے عرب میں آکر محمدؐ بن قاسم کو تنگ کیا ہوگا، مسلمان کو دُنیا اور روئے زمین کی بادشاہت اِتفاقاً مِل گئی تھی، مسلمان کو دُنیا سے کیا سروکار ہے!

دِین اِسلام کی منقلب صُورت

اِدھر ہوشیار اور عیّار عیسائی مشنری نے جو یورپ کی ابلیسی مستعمرانہ پولیسی کا مقدّمۃ الجیش ہمیشہ سے رہا ہے، سادہ لوح مسلمان کو چھیڑ دیا کہ "ایلو! اسلام میں بڑا نقص یہ ہے کہ وہ بزورِ شمشیر پھیلا"، اُدھر انگریزی حکومت کا ایک نا انگریز دان اور نا انگریزی دان علمبردار سرسیّد احمدؐ خان علیہ الرّحمۃ اپنے سادہ پن میں جھٹ قلم دوات لے کر بیٹھ گیا اور اپنے خاموش کُن زورِ قلم سے ثابت کر گیا کہ مسلمان کا ہر غزوہ، ہر جنگ، ہر ایک جہاد، ہر ایک حملہ، ہندوستان کے سترہ محمودی حملے، سندھ پر قاسمیؒ چڑھائی، فرانس میں طارقیؒ فتوحات، ایران، مصر، افریقیہ، روم، آسٹریا سب پر بے پناہ یورشیں صرف اِس لئے تھیں کہ اُس وقت کے غریب اور یتیم، بے بس اور بے کس مسلمانوں کو اِس دُنیا کی زمین پر "نماز پڑھنے" کے لئے جگہ نہ مِلتی تھی، ماہِ رمضان میں کُفّار مسلمانوں کو سحری کھانے نہ دیتے تھے، کلمہ شہادت کے بولنے کے لئے زبان بندی کر دی تھی، حج کے فریضے کو ادا

کرنے کے وقت راہ چلنے نہ دیتے تھے، اس لئے بیچارے نہتّے تسبیح خوان مسلمانوں نے اپنا دین بچانے کی خاطر" ان سلطنتوں پر مجبوراً چڑھائی کی۔ قرآن میں صاف لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ لکھا ہے، مسلمان کو تلوار سے بھلا کیا کام ہے، مسلمان، اسلام، سِلْم، امن، صلح ایک شے ہیں، حدیث میں لکھا ہے اگر تم پر ایک حبشی بھی حکمران کر دیا جائے، اس کی اطاعت کرو۔ جب اسلام کے اندر ایک کلونٹے اور بدصورت حبشی کی اطاعت واجب ہے، تو ان گورے چٹّے یورپ کے خوبصورت نیلی آنکھوں والے نوجوانوں کی غلامی کیوں نہ عین فرض ہو! دنیا میں اگر اسلام پھیلا تو مسلمانوں کی تسبیحیں اور اذانیں دیکھ کر پھیلا، عیسائی مشنریوں کا اتہام کہ ہم نے کبھی تلوار پکڑی تھی سراسر غلط ہے۔

علمائے وقت کی انتہائی دُوربینی

قلم کے اِس ہلاکت انگیز جہاد اور سر سید احمد اور اس کے رفقا کی اس نکتہ ناشناسی نے ہندوستان میں اسلام کا رہا سہا رنگ چشم زدن میں بدل دیا! اُدھر انگریز نے جو غدر کے بعد اپنے ہمدرد چراغ لے کر ڈھونڈھ رہا تھا، حکومت کے ان بے دام دوستوں سے مصافحے کرنے شروع کئے، گورے گورے ہاتھ بڑھا کر اور پونے سے دبا دبا کر عقیدت اور ارادت کی بجلیاں یکسر بدن میں دَوڑا دیں اور نشہ دیدی کہ "کالج" بناؤ۔ ان دنوں انگریزی نہ جاننے والے مسلمان اپنے گورے معشوقوں کے الفاظ کو غلط سلط بولنا اور خواہ مخواہ ان کو اپنی "سپیچوں" میں داخل کرنا داخل فیشن سمجھتے تھے اس فیشن پہ حالی اور نذیر احمدؒ جیسے جلیل القدر مسلمان مرمٹے تھے۔ "کالج" کے نام کو سُن کر سید احمد خان

(۱) ترجمہ: دین میں کوئی مجبوری نہیں ہے۔

کی رگِ تفریح پھڑک اُٹھی، وہ اسلام کی تیرہ سو برس کی تربیت کو بھول گیا، تیرہ سو برس کی آن اور خودداری کو بھول گیا، تیرہ سو برس کی بادشاہت اور وجاہت کو بھول گیا، تیرہ سو برس کی غیرتِ اسلامی اور عزتِ نفس کو بھول گیا! اُس وقت ہوشمند علمائے دین اور دقیقہ رس مذہبی رہنما پکار پکار کر کہتے رہے کہ انگریزی پڑھنا کفر ہے مسلمان انگریزی پڑھ کر نیم انگریز بن جائیں گے۔ اُن کے عقیدے نیم انگریزی عقیدے ہو جائیں گے۔ اُن کی تہذیب اور رہائش، اُن کا لباس اور "کلچر" سب نیم انگریزی ہو گا، نقاطِ نظر انگریزی ہونگے وہ سوچیں گے تو انگریز کے نقطۂ نظر سے، اور مسلمان ہونگے تو صرف اُس کے اعلا کے لئے۔ اُنھوں نے پکار پکار کر کہا کہ خدا کا آخری رسول "النَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ"[۲] کے الفاظ کہہ گیا ہے، اس لئے نبیؐ کا احترام کرو، مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ[۳] کی حدیث مشہور ہے، اس لئے رسول کی عزت کرو، لَا یَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ[۴] قرآن میں صاف لکھا ہے، اس لئے خدا کا خوف کرو، مگر سید احمد خان نے اپنی دھن میں ایک نہ مانی، دوربین مولویوں اور علمائے دین کی نہ مانی، لسان العصر اکبر کی نہ مانی، زبانِ خلق کی جسکو نقارۂ خدا کہتے ہیں نہ مانی، اور علمائے وقت سے جن کے ذہنوں میں بے شک اُس وقت وحی خدا اور جلوہ طور کی روشنی موجود تھی، بے پناہ لڑائی کی، اپنا سارا زور اُنکے خلاف تقریروں میں صرف کر دیا، تمام شمالی ہندوستان میں ایک طرف سے دوسری طرف تک "کالج"

---

(۲) ترجمہ:۔ رعیت کا بالآخر وہی مذہب اور چلن ہو جاتا ہے جو اُسکے بادشاہوں کا ہوتا ہے (حدیث)۔ (۳) جس قوم نے کسی دوسری قوم کی مشابہت اختیار کی وہ بالآخر اُنھی کی ہوگئی (حدیث) (۴) مومن لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کسی کافر قوم کے لوگوں کے ساتھ اتحادِ عمل نہیں کرتے، نہ اِن کے ساتھ دوستی کرتے ہیں۔ (قرآن)

"کالج" کا شور مچ گیا۔ لوگ کالج کا ذکر کرنا نماز روزے اور ذکرِ خدا سے بہتر سمجھنے لگے۔ کالج کے اہتمام میں سیّد مرحوم کا والہانہ ہر طرف کچکولِ گدائی ہاتھ میں لئے پھرنا سونے پر سہاگے کا کام دے گیا۔ الغرض سلطنت کو پھر حاصل کرنے کا نصب العین آنکھوں سے یک دم اُچک لیا گیا ان کو ابھی اپنی شکست کی ہوش بھی نہ آئی تھی کہ غلامی کا درس پڑھنے لگے، اُدھر حالی نے مُسدّس کا گناہ عظیم لکھ کر[1] یاس و قنوط کی لہر دل میں دوڑا دی! الغرض قلیل مدت میں اسلام سے محبّت، تقریریں اور جلسوں، شعروں اور گیتوں ریزولیوشنوں اور مؤدّبانہ گذارشوں، جہاد سے بے رُخی، ہندو سے علیحدگی، کانگریس سے نفرت، ہر طرف "امن اور توکّل" الغرض "عشق و پارسائی" کے درجے تک پہنچ گئی۔ ان حالات میں فرعونِ مصر سریر آرائے سلطنت ہُوا! سیّد احمد خان اور اس کے کئی یورپ زدہ ساتھی وزیر و مشیر بنے، اور کالج" کے ذریعے سے ابنائے قوم کو "درست" کرنا شروع کیا۔ لسان العصر اکبر کہہ گیا ہے:۔

یوں قتل سے بچّوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو "کالج" کی نہ سوجھی

کامیابی جنوں میں ہے ہوشمندی میں نہیں!

کیا رُوسیاہی اور عیر نوازی کے ان کافرانہ اور خودکُش اعمال کے بعد جو متواتر پچھلے پچاس برس سے ہو رہے ہیں مسلمان کے پاس وقت باقی ہے کہ وہ آج دین اسلام کی طرف پھر رجوع ہو جانے کے سوا کسی اور طرف رُخ کرے؟ کیا آج صحیح راہ یہ نہیں کہ قلندروں اور مجذوبوں کی طرح اپنی گزشتہ

[1] مجھے والدِ محترم جناب قبلہ و کعبہ نے جب کہ میں مسدس حالی پڑھ رہا تھا کہا کہ سر سید مرحوم مسدّس کو پہلی دفعہ دیکھ کر رنجیدہ سے ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں نے مولانا حالی کو یہ لکھنے کے لئے نہیں کہا تھا، اسمیں مایوسی اور بد دلی کی بو آتی ہے۔ بعد میں ضمیمہ تیار کیا گیا جو پھسپھسا تھا اور پہلے زہر کو دُور نہ کر سکا۔

عظمت کے ماتم میں سرفروش بن کر نکلے، پہلے سینہ پیٹ کر اپنے آپ کو لہولہان کرے، پاگلوں کیطرح لوگوں کو کہتا پھرے کہ آؤ اکٹھے ہو جاؤ، پرانے قصور جانے دو، اگلی تقصیریں معاف کرو، گلے مل جاؤ، تمہاری آپس کی جدائی نے بُرے دن دکھائے ہیں! کہتا پھرے کہ وہ قوم جو ماں کے پیٹ سے بادشاہ بن کر نکلی تھی، جس کو خدا نے بادشاہت اور صرف بادشاہت کے لئے پیدا کیا تھا، جس کا ایمان بادشاہت تھا، جس کا اسلام غلبے اور سلطنت کا دوسرا نام تھا، جو اعلون ہونے کے بغیر مومن نہ رہ سکتی تھی، جس کا دین مشرکوں اور کافروں کو اس قدر تہس نہس کرتا تھا کہ روئے زمین پر ایک کافر باقی نہ رہے ”حتیٰ یکون الدین کُلّہ للّٰہ“ جس نے چھتیس ہزار شہر اور قلعے بارہ برس میں، ہاں، تین ہزار شہر بارہ مہینوں میں، ہاں نو شہر ایک ایک دن میں، اپنی تلوار کے زور اور سنگینوں کی نوک سے فتح کئے تھے۔ اُس قوم کے آج وہ اُلٹے دن آئے ہیں کہ اس کو رات کے وقت سُوکھی روٹی نصیب نہیں، اس کے گھروں میں چیتھڑے اور بوریے تک نہیں، اُن کی عورتیں آج دخالم بدہن، رات کو اپنے بچّوں کو روٹی کھلانے کے لئے غیر کے گھروں میں باکراہ تمام جا کر عصمت فروشی کر رہی ہیں، اُن کے مردوں کے چہروں پر طوق عاجزی کی لعنت برس رہی ہے، اُن کے چہرے سیاہ اور مسخ ہو چکے ہیں، ”یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ“ کا سماں[۲] صاف بندھ چکا ہے، ”کونوا قردۃ خاسئین“[۳] کا منظر عین سامنے ہے! کیا آج قلندری کی راہ کے سوا کوئی اور راہ باقی ہے؟ کیا زوالِ اسلام کے زمانے کا شاعر حافظ تم سب سے زیادہ ہوشیار، تم سب سے زیادہ ایجوکیٹڈ، تم سب سے زیادہ ”بی اے ایم اے“، تم سب سے زیادہ سخن شناس اور نکتہ دان، تم سب سے زیادہ ”مہذّب“، تم سب سے زیادہ نبض شناسِ وقت نہ تھا جو

(۲) ایک دن کسی قوم کے چہرے سیاہ ہونگے اور کسی کے سفید (۳) ذلیل بندر بن جاؤ کہ یہی تمہاری سزا ہے۔

دو جملوں کے اندر زوال کے بعد ترقی کا راز تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔

در رہِ منزلِ لیلےٰ کہ خطرہاست بہ جان
شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

انصاف کرو کیا آج تفسیریں پڑھنے کی عیاشیوں اور کتاب بینی کی بدمعاشیوں سے تمہارا سو برس کا پیچ در پیچ عقدہ کھل سکتا ہے، کیا اس ناخنِ تدبیر سے تمہاری برسوں کی گتھی سلجھ سکتی ہے کیا "جنون" کی بیماری کو اختیار کر لینے کے سوا کوئی تمہارا علاج بھی ہے؟ میں نے تذکرہ لکھنے کے بعد پورے دس برس انتظار کیا کہ کہیں سے کوئی آہ نکلے جو نیستی کے خرمن کو یکسر آگ لگا کر رکھ دے۔ پورے دس برس واہ واہ ہی نکلتی رہی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم "تذکرہ پڑھتے پڑھتے" سو گئی! کئی برس کے انتظار اور سوچ کے بعد مجھ جیسے کند ذہن کو پتہ لگا کہ اگر بیمار کو لوریاں دیتے رہو گے تو نقاہت اور کمزوری کا اثر یہ ہوگا کہ وہ اور سوئیگا، اس میں اٹھنے کی طاقت لوریاں دے دے کر کہاں آئے گی، وہ تبھی اٹھیگا جب اس کو اٹھنے کا ڈھنگ سکھاؤ، نہیں اٹھا دو، پاؤں پر اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر کھڑا کر دو، وہ بیٹھنے لگے پھر کھڑا کر دو، اس کو بیٹھنے نہ دو، اگر اٹھنے کی طاقت کے باوجود مکر کرتا ہے اور توفیق نہ ہونے کا عذر کرتا ہے تو حضرت عمرؓ کا دُرّہ مار کر اٹھاؤ اور خود مجنوں بنجاؤ، لوگ آپ اس مار کو سہہ لیں گے اور اٹھنا اور چلنا تو درکنار بھاگینگے! میں اگر تفسیروں اور کتابوں کو قوم کا علاج سمجھتا تو اس میں مجھے فائدہ تھا، میرے پاس تذکرہ کی دوسری جلد کی فرمائشیں اتنی پڑی ہیں کہ اگر دوسری جلد نکالوں تو ایک سال کے اندر اندر پندرہ ہزار تذکرہ بک سکتا ہے اور ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ آسکتا ہے، میری باقی پانچ جلدوں کے صرف مسودے کا ایک شخص مجھے سوا لاکھ روپیہ اصرار سے

دیتا تھا اور کہتا تھا کہ آپ صبح ہوتے وقت صرف اس کی نگرانی کریں باقی سب میرا خرچ ہوگا۔ یہ سب دماغی عیاشیوں کے نتیجے ہیں اور میرے آئندہ پروگرام کے خلاف ہیں اگلے دس برس کے اندر مسلمان کو عمل کی **مستقل منزل** پر پہنچانے کے درپے ہوں اور مرنے سے پہلے (خواہ وہ بستر مرگ پر ہی کیوں نہ ہو) مسلمانوں کے پھر غالب آ جانے کی خوشخبری سُننا چاہتا ہوں۔ تذکرہ کی باقی جلدیں، قرآن کی مکمل تفسیر میرے ہاتھ سے اس وقت نکلے گی جب اسلامی شوکت اور اُبھت کا پھریرا دنیا میں پھر لہرا رہا ہوگا اور کیا عجب ہے کہ مسلمان اُسوقت اِسی پھریرے کو لہراتے دیکھ کر کہیں کہ **قرآن کی مکمل تفسیر ہو چکی**، اب اِس کے لکھنے کی کیا ضرورت ہے! میرے ہاتھ سے ایسی تفسیر کا لکھا جانا اُس وقت میری انتہائی خوش قسمتی کا باعث ہوگا۔

کتابت کے فتنے کو مسلمانوں میں پھر کھڑا کرنا یا ایک گری ہوئی قوم کو اور گر جانے کا لقمہ دینا عین خلافِ مصلحت ہے۔ اِس وقت اگر کوئی راہ سامنے ہے تو یہی قلندری راہ یہ ہے کہ "اے مسلمانو! اپنے محلّوں میں جماعتیں پیدا کرو، اُن کے سردار بنو، قوم کی سب اُونچ نیچ برابر کر دو۔ سپاہیانہ قواعد کر کے چست بدن ہو جاؤ، خدمتِ خلق کرو، قانونِ وقت کے خلاف کچھ نہ کرو اور مضبوط ہو جاؤ"

تذکرہ کی چوتھی جلد سے آئندہ میں اپنا باب "فتنۂ کتابت" کسی آئندہ پرچے میں پیش کرونگا۔

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

فتنۂ کتابت

مطبوعہ "الاصلاح"

۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء مطابق ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ

چھتیس ہزار شہروں اور قلعوں کو بارہ برس میں سَر کرنے والے اسلام کو کیا ہُوا؟ اُس کی پاؤں پر کھڑا کر دینے والی تعلیم کیا ہوئی؟ اُس کے پیدا کئے ہوئے دل اور جگر کدھر گئے؟ حکم نامہ خدا پر چلنے اور قرآن کو چلانے والے کہاں گئے؟ اسلام کی تلوار کیا ہوئی اور کیونکر مسلمان کے چہرے سیاہ ہوگئے؟ ذلّت اور مسکنت اُن پر کیوں لیس دی گئی اور کیوں خدا کے قہر و غضب میں آگئے؟ اِن سب سوالات کا جواب دو مختصر الفاظ "فتنۂ کتابت" میں ہے جو میری کتاب تذکرہ کی چوتھی جلد کا ایک باب ہے۔ اِس باب میں ہندوؤں کے رہنما موہن داس کرم چند گاندہی کی تحریک چرخہ کی ایک مثال دیکر واضح کیا ہے کہ یہ اگر آج چلانے کی بجائے لکھلی جائے تو آگے چل کر کیا ہو جائیگی؟ مسلمان بھی اسی فسادِ کتابت کا شکار ہو گئے۔ اُسی دن سے اِسلام بدل گیا جس دن سے اِسلام والوں نے قرآن کی تفسیریں اور حدیثوں کی کتابت شروع کی۔ اسلام پہلے پہل سینوں اور ذہنوں، ہاتھوں اور پاؤں، دلوں اور جگروں کے اندر تھا، پھر کاغذوں پر آگیا جب اسلام کاغذ پر آیا اُس کا زوال شروع ہوا!

عنایت اللہ خان المشرقی

تخیّل کی ابتداء

آج اس سرزمین ہند میں ایک مقتدر سیاسی رہنما آزادی کے نئے تخیّل کو تیس کروڑ باشندگانِ ملک کے دلوں میں پیدا کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ وقتی حکومت کا اہرمن اُس کے نزدیک واجب القتل، اور ہندوستان کی متحدّہ قومیّت کا راج اس کا نصب العین ہے۔ ایک مغرور اور زبردست سلطنت کے بالمقابل اُس کے بے دست و پا سپاہیوں کی مجادلانہ طاقت صفر ہے، مگر حکومت کے شیر نر کو رام کرنے یا اقلاً اُس کے ناخن تراش دینے کے خیال سے اس نے دو ایک سبیل اختیار کر رکھے ہیں جو اس تمام تخیّل کی جان ہیں۔ اوّلاً، سلطنت کے جنگی نظام کو بیکار کرنے اور ایک متکبّر حکومت کے اشتعال کو حتّی الامکان روکنے کی غرض سے اُس نے عدم تشدّد اور امن عام کا حکم دیا ہے۔ حکام کی طرف سے ہر جبر و تعدّی ان کو بہ طیبِ خاطر برداشت کرنا اُس کا مذہبِ عمل ہے۔ حکومت سے کسی امر میں تعاون کرنا اُس کے نزدیک کفر ہے۔ مگر اس کے برخلاف کھلے طور پر آمادۂ پیکار ہونا بھی صریح ظلم ہے۔ حدودِ ملک کے اندر بین الملی مصالحت قائم کرنا اس کا منتہائے نظر ہے، اگر حکومت کی دستبردِ اشتعال سے بچنے کے لئے اِس متفقہ طاقت کو عمل میں لانا "خودکشی" ہے۔ اظہارِ رنج کا بہترین طریقہ اس کی نظروں میں کاروبار کی عام بندش ہے۔ شہداء کی یاد، مقتولین کا انتقام، اقربا کا رنج والم سب کچھ

اسی روحانی مقاطعے میں آجاتے ہیں۔ یہی پرامن ترکِ عانت اور احتسابِ نفس، اخفائے طاقت اور امساکِ انتقام اس کے نزدیک حصولِ آزادی کی پہلی منازل ہیں۔ ثانیاً، حکومت وقت کو اقتصادی اور ملّی زک دینے کی غرض سے اُس نے مغربی معاشرت اور تمدّن کی تقلید کو ممنوع قرار دیا ہے۔ وہ ایک رئیس التجار حکومت کی جلبِ منفعت اور جمعِ زر، اجرِ مال اور فروخت اشیاء کی سب راہوں کو مسدود کرنے کی فکر میں ہے۔ اُس کے نزدیک غیر ملکی ساخت کی اشیاء کا استعمال جرم ہے۔ شاہی محکمۂ قضا میں جا کر طلبِ عدل کرنا اعانتِ ظلم ہے، ضبطیۂ شہر سے کسی معاملے حتیٰ کہ حادثۂ قتل میں بھی استمداد کرنا حصولِ سوراج کے نقیض ہے۔ اُس کی نظروں میں ریلوں کا چلنا ملکی اغراض کے منافی ہے، شفاخانوں کی کثرت صحتِ عامہ کے لئے مضر ہے، مدارس اور موجودہ نصابِ تعلیم رعایا کو غلامی میں رکھنے کے ابلیسی اوزار ہیں، سرکاری عہدے اور اعزازی خطاباتِ طغرائے اُسرِ وجبن ہیں۔ وکلاء کا ہر قریے میں ہجوم قوم کے لئے باعثِ افلاس و انحطاط ہے، گویا ملک کی حقیقی فلاح اُس رجعیت متعکس میں مضمر ہے جس کا تصوّر بھی ایک سطح بین نگاہ کو "متحیّر" اور "متنفّر" کر دیتا ہے۔ ثالثاً، ملک کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے اور اس کی مصنوعات کو حتیٰ الوسع فروغ دینے کی غرض سے اُس نے ازمنۂ مظلمہ کی ایک بھولی بسری، اور عصرِ جدید کی نگاہ میں ننگِ تہذیب و شجاعت شے کو از سرِ نو رائج کر دیا ہے۔ جس کا نام چرخہ ہے! ہر مرد و زن پر اِس کا کاتنا فرض کر دیا ہے۔ یہی ایک عاجز اور بے بس رعیّت کی وہ "کلدار توپ" ہے جس کی زد اُس کی نگاہ میں المانیہ اور افرنج کی جدید توپوں سے "دُور تر" پڑتی ہے۔ اسی کے استعمال سے "سوراج" کا حاصل ہونا قطعی ہے۔ اِسی کی گھوں گھوں میں ملک اور قوم کی "دائمی فلاح" اور "ابدی نجات" کا ترنم ہے۔ اسی کی گردش اُن احرارِ قوم اور شہدا کا "غم غلط" کر دیتی

ہے جنہوں نے حریت اور مساوات کی راہ میں اپنی جانیں قربان کیں۔ اسی کی روئی کے گالے رعیت کے زخم خوردہ دلوں اور مظلوم جسموں پر مرہم کے پھاہے ہیں۔ نہیں بلکہ اِس تحریک جلیل کے علمبرداروں نے بارہا اپنی تقاریر میں عدم تشدد پر زور دیتے ہوئے یہ بھی کہا ہے کہ قتل و فساد اِس تحریک کے لئے مہلک ہے۔ جبر کا مقابلہ جبر سے کرنا سوراج کے نصب العین کو بالیقین دُور کر دے گا۔ خون آشام حکومت کے تشدد کا جواب چرخہ ہے۔ اسی کی تیز گردش سوراج کو نزدیک کر رہی ہے۔ جب کبھی حکومت کا طریقِ عمل تمہارے نائرۂ غیظ و غضب کو مشتعل کرے تو اس کو اور بھی تیز چلاؤ۔ تمہارا انتقام لینے والا تمہارے غصّے کو فرد کرنے والا تمہیں سوراج دینے والا یہی مہلک عدو اور گرانقدر چرخہ ہے!

تخیّل کا رواج عروج اور زوال

اب فرض کرو کہ یہی تخیّل کسی فردِ واحد کی قیادت میں تمام ملک پر حاوی ہو جاتا ہے اور اس کے زورِ عمل سے حریّت اور سوراج کا گوہرِ مقصود بھی مل گیا ہے۔ کچھ مدت کے بعد اس مسلکِ عمل کے سب عاملین یکجا جمع ہوتے ہیں اور آیندہ نسلوں کی ہدایت اور استحکام سوراج کی غرض سے اسی تخیّل کو ایک کتاب کی صورت میں قلمبند کر دیتے ہیں! امن پسندی کی خوبیاں، ترک موالات کے جوہر، ہڑتالوں اور مقاطعوں کا تزکیۂ نفس، حُبِّ وطن کے محاسن، غیر ملکی تمدن سے نفرت، چرخے کے "معجزے" کھدّر کے کرشمے، سُوت کاتنے کے نتائج، الغرض اس تحریک کے تمام ضروری مراحل اوامر و نواہی کے رنگ میں بیان ہوتے ہیں۔ شارعِ تخیّل کو "مامُور من اللہ" اور اس کتاب کو ہندی منت کا ایک نیا شاستر قرار دیا جاتا ہے۔ ہندوستان کی متحدہ قومیت اس جدید تخیّل کو اپنی زندگی کا پیش نہاد

سمجھ کر عامل ہوجاتی ہے۔ سو برس کے بعد تبدیلِ احوال کے باعث اس کے بعض احکام کا صحیح
مفہوم ذہنوں سے سرکنے لگتا ہے، تاہم اس ناقص شاستر پر ایمان رکھنے کی غرض سے
ہڑتالوں اور مقاطعوں کو ایک "مقدس اعتقاد" کے طور پر مان لیا جاتا ہے۔ لوگ سال بھر میں چند
ایک دن مقرر کر لیتے ہیں، ان میں برت رکھتے ہیں اور کچھ کاروبار نہیں کرتے۔ اسلامی جہاد و
زکوٰۃ کی مانند اس اعتقاد کے نئے نئے معانی اور عجیب و غریب تاویلات کی جاتی ہیں۔ پھر شارحین
کا ایک مستند گروہ اس کتاب کے مفقود مطالب کو "محفوظ" کرنے میں مستغرق ہوجاتا ہے۔ عقل
و نقل، درایت و روایت، فکر و رائے سے جو کچھ بن پڑتا ہے لکھ دیا جاتا ہے۔ بڑی بڑی ضخیم جلدیں اس
مختصر اور سیدھی سادی کتاب کی شرح و بسط میں تیار ہوتی ہیں۔ لوگ ان کو شوق سے پڑھتے
اور اندھا دھند ہضم کرتے جاتے ہیں مگر کچھ نہیں سمجھتے! چرخے کے فضائل اور مناقب بار بار پڑھ سُن کر
اُس کے تقدس کا خیال دلوں میں جمتا جاتا ہے۔ بالآخر اس کی پرستش گھر گھر شروع ہوجاتی
ہے۔ اس کو غریب گائے کی طرح "ماتا" اور "پتا" کے القاب دیئے جاتے ہیں۔ کھدر مذہبی شعار
بن کر قشقہ و زُنّار کی طرح علامتِ زہد و اعتقاد بن جاتا ہے۔ گھر کی بیبیاں رسمی اور شرعی طور پر
چند لمحوں کے لئے سُوت کاتنا "داخلِ ثواب" سمجھ لیتی ہیں۔ اسی اثنا میں اس وہم پرست، کج بین اور
نافہم قوم سے جستہ جستہ وہ سب فضائل معدوم ہوجاتے ہیں جن کے برتنے پر وہ آغازِ
تحریک میں متحد العمل اور متفق الیقین ہوگئی تھی۔ فرقہ آرائیاں اور فساد شروع ہوجاتے ہیں۔ گھر
گھر میں چرخے کا نیا بُت پُجنے لگتا ہے۔ بافندوں کا احترام اور کھدر کی تقدیس حد سے بڑھ جاتی ہے
ہر شخص اسکو اپنے اپنے طور پر سراہتا اور اس کی عبادت میں ہمہ تن منہمک رہتا ہے۔ بُت خانے اور مندر،

شوالے اور پاٹھ شالے جابجا قائم ہوتے ہیں، روئی کے بُت اور جامہ پوش اصنام شارعِ تخیّل کی یادگاریں نصب کئے جاتے ہیں۔ بالآخر کذب وفساد کی اس المناک کشاکش، اور جہل دریا کی اِس قیامت انگیز شکست وریخت میں سوراج کا عزیزہ گوھرِ مقصود بھی ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ ایک بیدار مغز، مستعد اور عصبیّت میں سرشار قوم ملک پر حملہ کرتی ہے اور چشم زدن میں اس ناخلف ملّت کے سب اباطیل کو محو کر دیتی ہے!

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (۱۱: ۱۰۲)

اور اے مخاطب! اُس جابر اور قاہر خدا کی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے جب وہ اُن بستیوں کو پکڑتا ہے جو اس کے معیارِ امتحان کے مطابق ظالم ٹھہرتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی پکڑ بڑی دردناک اور بڑی ہی سخت ہے۔

تخیّل کے بگاڑ کی آخری منزل

اب فرض کرو کہ اِس نئے تداول کے بعد جب کہ زمانہ کا رنگ قطعاً بدل چکا ہے، جب کہ چرخ فلک کی کجرفتاری، "بایندگانِ خدا کی کج بینی اور بدشناسی نے عصبیّت اور اتحاد، قوت اور موالات کا وہ اگلا سماں سب بدل دیا ہے اور آغازِ تحریک کو بھی پورے ایک ہزار برس گزر چکے ہیں، ذلّت اور مسکنت کی گھٹا قوم کے سر پر چھائی ہوئی ہے، اور محکومی اور ادبار سے چہرے سیاہ ہو چکے ہیں، ایک بڑھیا اپنے نہاں خانۂ رنج والم میں بیٹھی چرخہ کات رہی ہے! اس معبودِ صغار کے خوشنما نقش ونگار، اس کے ریشمیں پھندنے، اس کا رنگِ تقدس اور مذہبی روپ، بڑھیا کے وہم پرست

دِل کو یک گونہ تسکین دے رہے ہیں! وہ تار نکالتی ہے اور خوش ہے کہ ربِّ ذوالمنن کی نگاہ میں
ایک نہایت محبوب اور مستحسن عمل کر رہی ہے! یہ سب کچھ ہے مگر آہ! اُس ضعیفہ کا نفسِ مُدرِکہ اور خلاقِ عالم
کی اُس عاجز اور بے قصور بندی کا ذہنِ سلیم اِس کو اندر ہی اندر سوال کر رہا ہے کہ آج تمہارے
شاستر کے مطابق اِس چرخے کو تیز تر چلانے سے تمہارے "رنج والم کیوں نہیں مِٹتے"؟ "سوراج"
کیوں حاصل نہیں ہوتا؟ اس کی "روئی کے گالے تمہارے زخموں کی مرہم کیوں نہیں بنتے"؟ دشمن کی
دراز دستی کے بالمقابل تمہارے "چرخے کی مار میلوں تک کیوں نہیں پڑتی"؟ تمہارے بیرحم ہمسائے
کو جسنے تمہیں اس قدر دُکھ پہنچایا ہے کیوں "سزا" نہیں ملتی؟ تم "امن پسند" ہو "تارکِ
موالات" ہو ہڑتالوں اور مقاطعوں پر "شرعی ایمان" رکھتے ہو تمہیں غیر ملکی تمدن سے یہ نفرت ہے
کہ ہر اجنبی کو "ملیچھ اور بھرشٹ" کہتے ہو، اس سے مِل بیٹھنا تو درکنار اس کا چھونا بھی تمہیں پسند نہیں،
ذات پات اور فرقہ نوازی کا لحاظ سب کچھ تم میں ہے، مگر تمہاری "دائمی فلاح" اور "ابدی نجات"
کے سامان کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ شاستر کا وہ بے طرح اور بے رحم "مفسّر" جسنے اس کی تشریح
میں صفحوں کے صفحے سیاہ کر دیئے تھے اور زود اعتقادی کا وہ لاجواب کر دینے والا بھلا مانس جو
نفسِ انسان میں ہر وقت آمادۂ تشریح رہتا ہے، اس عجوزہ کو معاً کہہ دیتے ہیں کہ تمہاری "عقل میں
فتور" اور "ذہن میں خلل" ہے تم کفر کی حد پہ پہنچ رہی ہو۔ چرخہ "بلاشبہ" تمہاری نجات کا زبردست
وسیلہ ہے، اس کے چلانے سے تمہارا رنج والم بیشک مٹ جائیگا بشرطیکہ تم غم غلط کرنے کی سعی
کرو۔ چھوت تمہارا "مذہبی اعتقاد" ہے، اس پر بلا حیل و حجت جمے رہو! "نجات" تمہیں آگے چل
کر ملے گی جب تمہاری روح اس قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گی۔ سوراج تمہاری "فلاح" کی

آخری منزل ہے جس کی کیفیت بیان کرنے سے "انسان کی چھوٹی سی زبان ازبس عاجز" ہے۔
یہ دنیا دارالعمل ہے دارالجزا نہیں۔ تم ہر روز چرخہ چلانے میں التزام کے ساتھ مصروف رہو، ایشور
کی کرپا اور مہاتما کی دیا سے تمہیں سب کچھ آخرت میں مل رہے گا!

دینِ اسلام کا بگاڑ

اگر تمثیل کے طور پر فضائے تخیل کی اس نیم فرضی مگر دستورِ انسانی کو مدنظر رکھ کر سچی تصویر کا مقابلہ
ماضائے اسلام اور توحید سے کرنا سوئے ادب میں داخل نہیں تو اس غایت پر پہنچنا کچھ مشکل
نہیں کہ آج دینِ اسلام بھی اسی قطع کے باطنی تحوّل اور نامحسوس انقلابِ الیم کا شکار ہو چکا
ہے۔ اس کی اگلی اور اصلی حیات انگیز تصویر دلوں سے خاتمۂ مٹ چکی ہے۔ خدائے بے ہمتا کے وجود
کا صحیح تخیل اور اسلام کے حرکت انگیز اصولوں کا سچا کیف ذہنوں سے حرفِ غلط بن کر بے
نشان ہو گیا ہے۔ صدیوں کی غلط انداز نگاہِ نقد و نظر نے قرآن کے اصلی مقاصد اور
رائج الوقت مطالب کے درمیان تعصب اور اعتقاد کی ناقابلِ گذر خلیج حائل کر دی ہے۔ غلط
تبلیغ، غیر مجاز اشاعت، اور عقل و نقل کے ذہنی فتنہ و فساد نے اس پر وہم و جہل کے پے در پے
غلاف چڑھا دیئے ہیں۔ غارت گرِ حسن اور قزاقِ روح زمانے نے اس کی خوشنما صورت
کی اگلی آب و تاب سب اچک لی ہے۔ اعمال کے غلط مقاصد اور مقاصد کی غلط تشکیل نصب العین
کو نگاہوں سے الگ کر چکی ہے۔ ائتلافِ امت اور تمرکزِ عمل جن پر توحید کی خوبی کا سب دارومدار
تھا، دلوں سے کلیتہً محو ہو چکے ہیں۔ قرآن کا جنتی اور سوراجی منظر، توحید کی لشکر انگیز روح، تقوے

کی جامع الناس قوت، صلوٰۃ کے مزکی النفس ولولے، اطاعت کے غلبہ افزا حوصلے، صبر کا محکم عزم اضطراب، توکل کا بے خطر اور فیصلہ کن تقدم، سب یک بیک اپنی اصلی بنیاد سے ہٹ چکے ہیں۔ مہمات اوامر اور مقدم العمل احکام نسیان والتوا میں پڑ کر بے اثر ہو گئے ہیں، غیر ضروری اور مافوق الطبیعی باتیں ذہنوں میں دخیل ہو کر شرارت پیدا کر گئی ہیں۔ الغرض موجودہ تخیل کے بے حس اور ناکار برآر، انفرادی اور متفرق، مقصد سے دور اور دلیل سے ساقط، مرکز سے علیحدہ اور قائد اعظم کے محتاج اسلام نے مسلمانانِ عالم کے اعمال کا رُخ ایک ایسی ذہنی اور نظری اقلیم کی طرف بدل دیا ہے جو متذکرہ صدر بڑھیا کے سوراجی تصور سے کسی طرح کم مضحکہ انگیز اور فساد آلود نہیں!

اِس کے پرپرزوں کا بے کار ہو جانا

آج اِس الٰہی تحریک کا عملی سقوط عالم انگیز اسلام کو وقف جمود، جامع الملل دین کو رہن اشتات مشترک الکل شریعت کو سپردِ شخص، اجتماعی آئین کو مشق اعتکاف، اور قاطع الوہم مذہب کو پابندِ رسم ورواج کر کے قرآن حکیم کے ازلی اور ابدی حقائق کو ایک المناک طریقے پر یک بیک جھٹلا رہا ہے۔ نمازیں فاحش اور منکر خیالات کو روکنے سے عاجز آ گئی ہیں "مومن" "اعلون" کے مرتبے سے گر کر تنزل کے مقامِ نامحمود پر پہنچ چکا ہے۔ "احزابِ خدا" "غلبۂ اسلام" کے نصب العین کو ترک کر کے آپس میں لڑ مر کر مغلوب ہو رہے ہیں۔ "ایمان اور اعمال صالحہ" "استخلاف فی الارض" کے ایزدی میثاق کی ایک شرمناک طور پر تغلیط کر رہے ہیں۔ "عبادت" "وراثت زمین" سے اُلٹا محروم کر رہی ہے "تقویٰ" غیروں کی نگاہ میں حقیر و مبتذل کر رہا ہے "زکوٰۃ" "خوف وحزن" بیش از بیش دے

رہی ہے۔ وہ اسلام جس کا کوئی عمل جماعت سے الگ ہوکر کچھ معنی نہیں رکھتا تھا، جس کا منتہائے وحید اِس دنیا میں علی الرغمِ اغیار اور علی کرہِ اعدا توصیۂ حق اور غلبۂ خدا قائم کرنا تھا، جس کا دستور العمل ابلیس کی حکومت کو دلوں سے محو کرکے "خدا کا سوراج" حاصل کرنا تھا، جس کی دشمن کو صلائے جنگ اور دوست سے بزمِ صلح وامن، جس کی سب انسانوں سے اُنس ومجالست اور نفسِ امارہ سے پیہم مقاطعے، ایک عالم آرا انقلاب کا پیش خیمہ تھے' وہ دین آج ہر شخص کی آبائی اِرث بنکر وقفِ عُزل وابتذال ہو رہا ہے۔ اب ہر کس وناکس بجائے خود اس بارِ عظیم کا حامل ہے۔ ہر متنفّس اس کو اپنے بل بوتے پر چلانے کی ضد پہ ہے! آہ! مگر ذاتیات کی اِس مزاحمت ہائلہ اور انانیت کی اِس رُستخیزِ عُطل وجمود میں توحید کا وہ برق رفتار منجنیقی انجن جو تیرہ سو برس پہلے پہنائے جہاں میں اِس شان وتمکنت سے رواں ہوا تھا، آج کسی بائنر سائق کے نہ ہونے کے باعث تھمتے تھمتے بالکل تھم گیا ہے!

علمائے دین کا دردناک قحط

کلامِ الٰہی کی حقیقت اور توحید کے زور اثر پر صحیح ایمان ویقین اُسی وقت سے کمزور ہوتا گیا ہے جب اُس حیات آفرین تخیّل کے چلانے والے نہ رہے، اِس حیرت انگیز برقی کل کے سائق چل بسے، اُس کے پرزوں کو سمجھنے والے، اس کے ظاہر وباطن کو پہچاننے والے، اس کے دقیق اور نازک حصّوں کے عمل کو جاننے والے، باریک بین اور ہنرمند، عالم اور عامل، اہلِ کار اور اہلِ فن نہ رہے، جب صحبتِ رسولؐ کا بے مثال علم وعمل نہ رہا، جب خلفائے راشدینؓ کی فکر وتدبیر نہ رہی، جب ایک

سورۂ بقرہ پر آٹھ برس تک غور کرنے والے ابنِ عمرؓ نہ رہے، جب صحابہؓ کرام کی عملی اور بالمشافہہ شرح وتفسیر نہ رہی، جب قرآن کو **سُنا** اور بنا کر زندہ کر دینے والے رخصت ہوگئے اور سامعین کو چار و ناچار خود دیکھنا پڑا، اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُہُمُ اللّٰہُ ثُمَّ اِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ (۱) (۶: ۳۶) جب علمائے کرام اور آئمہ عظام کا سینہ بہ سینہ علم ناپید ہوگیا!

بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ (۲۹: ۴۹)

اے لوگو! یہ قرآنِ عظیم اُن لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے، روشن اور اظہر من الشمس آیات ہیں۔ اور ہماری آیاتِ بیّنات کی تعمیل میں انکار یا شک کا پہلو وہی لوگ رکھتے ہیں جو جہل کی ظلمتوں میں گھِر کر ظالم بنے ہوئے ہیں۔

آہ! قرآنِ عظیم کی بے عدیل صحت اور عظمت پر کارکُن یقین اُسی روز سے کم ہونے لگا ہے جب مرورِ وقت، اور تبدیلِ احوال کے باعث سطح بین ذہنوں سے مطالب سرکنے لگے، جب مقاصد کو چھوڑ کر الفاظ کی عبادت شروع ہوگئی، جب قرآن کا معجزہ بے حس قوموں کو زندہ کرنے، اور ظلمتوں کو دور کر دینے کی بجائے سوقِ عکاظ کے شطحیات کی امتحانی محک اور ترّہاتِ فصاحت کا محل و مصرف بن گیا، جب کامل دو سو برس کی ناانجام شناسی اور جہالت کے بعد، محال اندیش اور فریب خوردگانِ فنا و اجل نے، رسولِ پاک صحبت کا عہدِ کہن تازہ کرنے کے وہم سے احادیثِ نبوی کی تدوین شروع کی۔ پھر اُس دن سے کلامِ خدا کا اکثر معاملہ خبرِ احاد، اور اُن کے

(۱) ترجمہ:۔ اس قرآن کو صحیح معنوں میں ماننے وہی لوگ ہیں جو اسکو صحیح معنوں میں سنتے ہیں اور مردہ قوم کو تو زندہ کرنیوالا خدا ہی ہے۔ پھر یہ لوگ خواہ اُبھریں یا مرے رہیں جزا اور سزا کے واسطے اُسی کی طرف رجوع کریں گے۔

"دین و ایمان" پر چھوڑ دیا گیا۔ صدیوں کی بھولی بسری باتیں معرضِ تحریر میں آتے ہی جزوِ ایمان بن گئیں۔ کل کی کہی ہوئی بات کو صحیح طور پر دُہرا نہ سکنے والا انسان، پرپردادا کے ماجرائے اکل و شرب کو بھی یاد نہ رکھ سکنے والا، اور بات بات میں نادانستہ غلوّ و توغّل و استغراق کرنے والا بشر، خطا و نسیان سے یکسر بری ہو کر رسولِ پاک کی ڈیڑھ سو برس پہلے کہی ہوئی اور سُنی ہوئی باتوں کو اپنے جیسے بیسیوں ضعیف الخلق انسانوں کی روایت پر نہایت وثوق و ثقاہت سے سنانے لگا۔ بے رحم اور ناقدر شناس اُمّتِ عرب، خدا کو چھوڑ کر پرستشِ رسول میں مصروف ہو گئی۔ ایک ٹکڑا کلام کا اِدھر سے کچھ اُدھر سے، کچھ جوڑ توڑ کر، کچھ رلا ملا کر، کچھ غلط فہمی سے، کچھ غلط کاری سے، کچھ ناموقع شناسی، نادُوربینی، اور نایادداری سے، الغرض جس طرح بھی ہو سکا اپنی خوش اعتقادی کا حق ادا کیا۔ وُہ کلماتِ خدا، جو تیئس برس تک آتے آتے خیر الورٰی کی وفات سے صرف نو دن پہلے ختم ہوئے تھے، جن کے ایک حرف کے تسلسل و تواتر کے متعلق بھی شائبہ وہم نہ گزر سکتا تھا، جن کا ذرا ذرا کلّیتہً عمل پر تھا، جن کی بیخ و بنیاد ہمہ تن صدق و عدل[†] پر تھی، جن کی قلبی تصویر نے تین چار قرنوں تک عرب اور عجم میں تحرکِ عمل اور اضطرارِ حیات قائم رکھا تھا، جن پر عمل کرنے سے روئے زمین کی بادشاہت مل گئی تھی، جس نے فاروقِ اعظمؓ کی جمہوریّت اور سیاست کو شہرۂ آفاق کر دیا تھا، وہی کتابِ مبین اب ناقص سمجھی جانے لگی، لائقِ شرح و بیان ہو گئی، طولِ اَمد اور مرورِ مدّت کے باعث چیستان اور پہیلی بن گئی! پھر یقین کا فیصلہ وہم و تخمین سے، حق کا انکشاف افراط و تفریط سے، اور خدائی مقاصد

[†] قرآنِ حکیم میں ہے :- "وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا"

کا تصفیہ راویوں کے شخصی اعتبار پر ہونے لگا۔ انسان کی طبعی درماندگیوں، ضعفِ خلق، اور قصورِ بیان کی کچھ پروانہ کی گئی۔ سب وہ احادیث جن کا محلِّ کلام معلوم نہیں، جن کا اندازِ بیان ممکن الادا نہیں، جن کے مطالب کی رُوح معلوم نہیں، بشرطِ ثقاہتِ رواۃ و اسانید ایک سطح پر رکھ دی گئیں۔ اگر جیسا کہ مسلمان آج کہتے ہیں اہل عرب اور صحابہؓ کرام کا حافظہ اس قدر بےمثال تھا کہ وہ حرف بحرف ہر بات کو تمام عمر یاد رکھ سکتے تھے، تو حیرت ہے کہ رسولِ خدا صلعم نے کلامِ وحی کو فوراً زید بن ثابت سے لکھوا لینے کا اہتمام کیوں کیا، اُنہوں نے کیوں نہ صحابہؓ کے حافظے پر اعتماد کر کے قرآن کو بغیر لکھے چھوڑ دیا۔ مگر قرآن کو چھوڑ کر ارسولؐ نوازی کی اس عالمگیر وضعداری اور جنون میں کذب و دروغ کا بازار بالآخر وہ گرم ہوا کہ اس کی داستان اہلِ عرب کی راست گفتاری اور حق گوئی کے شایانِ شان ہرگز نہ رہی۔ موضوعہ احادیث کا ایک سیلابِ عظیم، سیاسی مصلحتوں، ذاتی کاوشوں اور فریق آرائی کی مستقل اغراض کو مدّنظر رکھ کر ہر سُو پھیل گیا۔ بڑے بڑے مشہور محدّث جن کے رسمی زہد و اتقا، کا اُن کی حینِ حیات میں بھی ایک زمانہ قائل تھا، اپنی کذب بانی کا اقرار عین مرتے وقت کر گئے۔ کوفے کے ایک مشہور محدث (ابن ابی العوجاء) نے دوسری صدی کے وسط میں حاکمِ وقت کے روبرو قتل سے کچھ دیر پہلے، باقرارِ صالح کہا کہ "اس نے اپنی عمر میں چار ہزار احادیث وضع کیں! حلال کو مسلمانوں پر حرام، اور حرام کو حلال کیا، افطار کے دن روزہ رکھوایا اور روزے کے دن افطار کرایا"۔ پیروانِ علیؓ کے دعوئے امامت کو حق بجانب قرار دینے، اور جامع قرآنؓ کے عہد خلافت پر ایک بدنما داغ لگانے کی خاطر، زوجۂ مطہرہ نبیؐ (حضرت عائشہؓ) اور حضرتِ عمرؓ فاروق کے نام پر،

نقصِ قرآن اور تحریفِ مضامین کے متعلق، حیرت انگیز اور زہرہ گداز حیا سوز روایات وضع کی گئیں!

فتنۂ کتابت

احادیث نبوی کی جمع و تدوین کے فوائد پر معناً اور بطور نظریے کے آج بھی کسی مسلمان شخص کو اعتراض نہیں ہوسکتا۔ سیّد البشرؐ کی ہر بات ہر مسلمان کے سویدائے قلب میں ابتدائے اسلام سے ہی ایک محبوب ترین شئے رہی ہے۔ یہ فی الحقیقت اُس ایمان آفرین مصاحبت، اور اعجاز نما تکلّم کا اثر ہی تھا کہ ایک آنکھ کی جھپک میں سارا عرب زندہ ہوگیا تھا۔ اِس کی حسرت بلاشک صدیوں سے خلقِ خدا کو تڑپاتی چلی آئی ہے مگر بعینہٖ یہی عقیدت مندی اور ارادت، یہی غلوِّ محبت اور عشق صحابہؓ کرام اور تابعینؒ کو صدرِ اسلام میں تدوینِ احادیث سے باز رکھتے رہے اُنہیں اس بات کا صحیح احساس تھا کہ رسولِ خدا کے کلام کی نقل و تدوین میں ادنےٰ سی سہو و لغزش بھی دنیائے اسلام میں کس عالمگیر شرارت کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے! وہ کلام جس کا پورا حق رسولؐ پاک کی زبان مبارک ہی بالمشافہہ ادا کر سکتی تھی، جس کا محل و موضوع، سائل یا مخاطب کے ذاتی اور مخصوص احوال کے ساتھ ملحق تھا، جس کا صحیح مفہوم ہمہ تن کیفیّتِ مقام و زمان، اور نوعیّتِ سوال و جواب سے متعلق تھا، جو ہرگز ہرگز اس خیال سے نہیں کی گئی تھی کہ بعد میں جاکر مدوّن ہو اور بندگانِ خدا کی مستقل اور دوامی ہدایت کا باعث ہو، ایسا منقول کلام ضبطِ تحریر میں آکر، اُمّت کو کوئی تقینی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ خیر الانام علیہ التحیتہ والسلام کی وفات کے بعد کتابِ خدا یا ان کے دل ان کے لئے بس تھے۔ یہ وجوہ تھے جن کے باعث اکثر، بلکہ بلا استثناء سب صحابہ کرامؓ، احادیث

کی جمع وکتابت کے شدید مخالف تھے۔ حضرت عمرؓ کو یقین تھا کہ احادیث کا ٹھیک طور پر جمع ہونا ازبس مشکل امر ہے، اور ان کی تدوین سے لامحالہ وہی خرابی پیدا ہوگی جو یہود کے ہاں جمع روایات ومزخرافاتِ قصص سے بالآخر ہوئی۔ یہی حکمت نہ صرف اصحابِ رسولؐ بلکہ تابعینِ عظام کے ذہنوں میں بھی گھر کر گئی تھی۔ دین کے متعلق، کتابِ خدا کے ماسوا کسی عقیدے کی تدوین ان کو بے حد ناگوار گزرتی تھی۔ اس حقیقتِ کبریٰ کا مقصود بالذات حفظ تخیّل اور تحفّظِ اسلام کے سوا کچھ نہ تھا! وہ نہیں چاہتے تھے کہ توحید جس کا صحیح مقام انسان کا ذہن وقلب ہے، جس کا سچّا احساس بشر کے باطن اور تکیّفِ دروں میں ہے، صفحۂ قرطاس پر اُتر کر بے اثر ہو جائے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا (۸:۲)

یہی باعث تھا کہ نبیؐ پاک کے زمانے میں قرآن کا نقش تخیّل بھی تمام تر ذہنوں، سینوں اور جگروں کے اندر تھا۔ یہی حفظ قرآن کا سچّا فلسفہ، اور دل میں یاد رکھنے کی بے حساب برکت تھی۔ اکثر مورّخین کا خیال کہ عرب کا تمام دار و مدار حافظہ پر تھا اور فنّ تصنیف وکتابت بھی اس وقت محض ابتدائی حالت میں تھے، اس لئے اوّل اوّل مذہب کی تدوین نہ ہو سکی، محض کذب وغلط اور سطح بینی ہے۔ سبع معلقات کی دیدہ زیب زرنگاری، اور فاروقؓ اعظم کے اکثر دواوین نظم ونسق اور وسائل تحریر وکتابت کے باوجود قرآن کریم کی عام تدوین اور تحریری اشاعت خلیفہ ثالث کے عہد سے پہلے نہ ہوئی۔ غزوۂ یمامہ کے بعد حضرت عمرؓ فاروق

† (ترجمہ) لوگو! ایمان والے تو وہی کھٹکے والے لوگ ہیں کہ جب اُن کو اپنا سب سے بڑا حاکم خدا یاد آجاتا ہے تو اُن کے دل اُس کھٹکے کے باعث لرز جاتے ہیں اور جب اُن کو خدا کے حکم پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو اُن کا ان احکام پر عمل کرنے کا یقین اور بھی بڑھ جاتا ہے۔

خلیفۃ الرسولؐ کے پاس تشریف لائے اور اکثر قرّاء کے قتل ہوجانے کے باعث کتاب خدا کے ضایع ہوجانے کا احتمال، اور جمع قرآن کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے توقف کیا اور کہا کہ "میں کیونکر وہ کام کروں جو خود رسولِ خدا نے نہیں کیا"۔ بالآخر اُن کے اصرار پر صرف ایک نسخہ مرتب کیا گیا۔ جو خلفائے راشدین کی تحویل میں رہا۔ بعینہٖ یہی تامل صحابہ کرام اور تابعین کو تحریرِ اصول، تحدیدِ عقائد، حتیٰ کہ کلامِ الٰہی کی کوئی تفسیر لکھنے سے بھی منع کرتا رہا۔ سعید ابن جبیرؒ سے جو کہ تابعین میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے کسی شخص نے آکر کہا کہ آپ قرآن کی تفسیر لکھیں۔ یہ سُنکر اُن کا چہرہ غُصّے سے تمتما اُٹھا اور کہا کہ" اگر کوئی بدبخت بھی میرے پاس آئے تو میں اِس شخص سے زیادہ اُس کو پسند کرونگا"! یہ تھا وہ سچا جذبۂ دین، اور یہ تھی وُہ اسلامی عصبیّت جس کے زور پر قرونِ اولیٰ کے مسلمان اطاعتِ خدا و رسول کا حق ادا کر گئے تھے۔ حفظِ اسلام کی یہ وہ عملی تدبیر، اور دینِ خدا کی یہ وہ صحیح تعظیم تھی جس نے انہیں التہابِ دروں اور عشقِ عمل کے ہوتے ہوئے، تحریر و نظر کے مُضر اور رُوح کش اثرات سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ایک حقیقت نگار شاعر کا قول ہے!

جس دل میں ہو پرتوِ کرسی و عرش، اُس دل کی بلندی صلِّ علیٰ
جس سینے میں قرآن اُترا ہو اُس سینے کی عظمت کیا کہنا

قرونِ اُولیٰ میں قرآن سینوں اور دلوں میں تھا

لیکن خیر القرون کے مسلمانوں کی یہ نادر اور دُور رس حکمتِ عملی اسلام کی براہِ راست ہدایت و تعلیم

کا نقش اتر چکا تھا۔ رسول خدا کا فیضانِ علم وعمل، قرآن کریم کی بے مثال اور حیرت انگیز تعلیم کو ہمہ تن سینوں کے سپرد کر گیا تھا۔ توحید کی جلیل القدر عظمت قلوب میں اثر کر چکی تھی۔ قرآن کا بلاشبہ بالآخر ایک کتاب کی صورت میں روئے زمین پر شائع ہونا مقصودِ خدا تھا، مگر عہدِ رسالت میں اسکے مقاصد دلوں کی تختیوں پر لکھے جا چکے تھے، خدا کے اس برگزیدہ پیغمبرؐ اور دانائے آئینِ جہاں نے اوّلاً اپنی حینِ حیات میں، توحید کے محشر انگیز تخیّل کو قلوب سے محو نہ ہونے دیا۔ اُن کے نزدیک اسلام سرتاپا ایک دعوت تھی جس کی بنیاد درس وتدریس کی خیال آرائیوں اور تعلیم تعلّم کی خانہ نشینیوں کی بجائے یکسر کسب وعمل پر تھی۔ اسی نقطۂ نظر سے خلفائے راشدینؓ بھی اہلِ عرب کا خانہ آباد اور متمدّن ہونا پسند نہ کرتے اور اُن کو حتّی الامکان تدوینِ کتب سے باز رکھتے تھے۔ اسی عصبیّت اور اضطرارِ عمل کو برقرار رکھنے کی غرض سے حضرتِ عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اہلِ عرب کو زراعت اور ایسے اور خانہ نشان پیشوں سے منع کر دیا تھا۔ مگر خاص احادیث کے متعلق جو مستقل روّیہ سرورِ کائناتؐ کا اپنی طولِ حیات میں رہا مسلمانانِ عالم کے لئے بطورِ خود ایک عبرت آموز عملی سبق تھا۔ امام مسلمؒ کے اپنے صحیح مجموعۂ احادیث کے مطابق نبیِّ خدا نے بالصّراحت کہا کہ "میری طرف سے ماسوائے قرآن کے کچھ معرضِ تحریر میں نہ لاؤ"۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ پاک نے احادیث کو لکھنے سے منع فرمایا اور کہا کہ "پہلی قومیں لکھنے ہی سے گمراہ ہوئیں"۔ آہ لیکن جب اُمّت نے عشقِ رسولؐ کے بہانے سے، رحمۃ اللعالمین کے صریح حکم کے برخلاف گمراہی کو خود تلاش کیا ہو، جنہے خلفائے راشدینؓ اور صحابۂ عظامؓ کے معمول کو بالائے طاق رکھ کر ہلاکت کو اپنے

ہاتھوں خریدا ہو، جسنے تلاش رسول کے غلط ارمانوں میں، اور اُسوۂ حسنہ کے مفہوم کو غلط سمجھ کر اور اُس میں توغّل یا غلوّ عظیم کر کے، خود کُشی کو اپنا دوست بنالیا ہو، اور خدا کے صریح احکام کو پس پشت ڈالا ہو (یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ) ✝ (۴: ۱۷۱)، اُس کی ہٹ دھرمی اور ضد بیمالاقی اور جہالت میں کیا شک ہے؟ آج وہ قوم عمل کو چھوڑ کر، اعتقاد و نظر کے اشغالِ لامتناہیہ و ظنونِ واہمہ میں کچھ ایسی بے طرح پھنسی ہے اور صدیوں کے تقدّم و عمران کے بعد اپنی آبائی فلاکت، اور موروثی جہل کی طرف کچھ ایسی اُلٹے پاؤں پھر گئی ہے کہ ایک عالم اُس کی بداقبالی کی ہنسی اُڑا رہا ہے!

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ ○ (۳: ۱۴۴)

اور اے لوگو! محمدؐ اس سے بڑھ کر اور کیا ہے کہ تمہاری طرف ہمارا بھیجا ہُوا ایک بندہ ہے اور بس۔ وہ کوئی انوکھا رسول یا مافوق الفطرۃ بشر نہیں ہے جو تم ہر بات پر اُسی پر تکیہ لگائے بیٹھے رہو۔ اِس سے پہلے اور بھی اِسی قطع کے رسول ہو گزرے ہیں اور مر چکے ہیں۔ تو اگر یہ اپنی طبعی موت سے مر جائیں یا بالفرض مارے جائیں تو کیا تم اِس

✝ اے وہ لوگو جن کو خدا کی طرف سے عمل کرنے کیلئے ایک قانون کتاب کی صورت میں بھیجا گیا ہے، اپنے دین کی نارواتعظیم میں حد سے بڑھ نہ جاؤ۔ بجائے اِس کے کہ اس کتاب کے احکام پر عمل کرو اور اپنی حالت بہتر کرو، بیہودہ سوالوں میں پڑ جاؤ اور کتاب لانے والے قاصد اور پیغمبر کی باتوں کو لیکر بال کی کھال نکالتے رہو (لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ) اور خدا پر سوائے سچ بات کے اور کوئی افترا نہ باندھو، مسیح تو صرف خدا کا ایک قاصد ہی تھا اور اس کے مُنہ میں خدا کا پیغام تھا۔ اس سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ ✝

کی برسوں میں دی ہوئی ہدایت ، یا قرآن پر پیدا کیا ہوا عمل چھوڑ کر الٹے پیروں کفر کیطرف پھر لوٹ جاؤ گے یا ہاتھ پر ہاتھ دھر کر ایک دوسرے کے مونہوں کو تکتے رہو گے ۔ اور یاد رکھو کہ جو شخص رسولِ خدا کے بعد پھر اپنی بداعمالیوں اور غفلتوں کی طرف لوٹ گیا وہ خدا کا تو کچھ بگاڑ بھی نہیں سکے گا ۔ اور خدا عنقریب اُنہی لوگوں کو نیک عِوض دیگا جو احکام الٰہی کی دِل سے قدر کر کے ان پر عمل کرتے ہیں ۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ (۵ : ۷۷-۷۹) تَرٰى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُونَ ۝ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلٰكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ (۵ : ۸۰)

اے پیغمبر! کتابِ خدا کے وارثوں کو کہہ دو کہ اے اہل کتاب! خدا کے بتائے دین میں ناروا غلو نہ کرو ۔ اس کے سیدھے سادے احکام میں ناحق پیچیدگیاں اور ناجائز مشکلیں پیدا نہ کرو ، ان کی دور از کار تاویلیں نہ کرو ، ذرّہ ذرّہ سی بات پر بال کی کھال نہ نکالو ۔ اور اُن لوگوں کی ذاتی خواہشوں اور نفسانی اغراض پر نہ چلو جو تم سے پہلے راہ راست سے بھٹک گئے ہیں ، کئی پشتوں اور قرنوں کو گمراہ کر چکے ہیں ۔ اور ہموار راستے سے بھٹک کر غلو اور تاویل ، تفریق اور تقلید کے ناہموار راستوں پر چل رہے ہیں ۔

مسلمانو! بگوشِ ہوش سُن رکھو کہ بنی اسرائیل میں سے بھی جن لوگوں نے احکامِ خُدا کا عملاً انکار کیا تھا، غلوفی الدّین کرکے مذہب کی صورت مسخ کردی تھی اور اِسی وجہ سے کفر کی حد تک پہنچ چکے تھے؛ اُن پر اُن کے اپنے پیغمبروں یعنی داؤد اور عیسیٰ علیہ السلام کی دُرشت گوئیوں اور بددُعاؤں کی وجہ سے خدا کی پھٹکار پڑی تھی، خدا نے اِن کو بدحال کرکے ہلاک کر دیا تھا۔ اور یہ اس لئے کہ وہ لوگ احکامِ خدا کی صریح نافرمانی کیا کرتے تھے اور غلوفی الدّین کرکے حد سے بڑھے جاتے تھے۔ منع کی ہوئی باتوں کو ایک بار کرکے پھر اس سے باز نہ آتے تھے، اور جو کچھ کرتے تھے بُہت ہی بُرا کرتے تھے۔ مسلمانو! تم اِن افعالِ شنیعہ سے قطعاً احتراز کرتے رہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اپنے پیغمبرؐ ہی کی بددُعا سے تم بھی پھٹکارے جاؤ۔

اے پیغمبرؐ! آج تو اِن یہودیوں کو دیکھ رہا ہے اور انہی کو نہیں بلکہ عہدِ حاضر کے مسلمانوں کو بھی آج دیکھ لو کہ اپنی جماعت کو چھوڑ کر کفّار اور غیر جماعت کے لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں؛ اُن کے ساتھ محبّت اور موالات سے پیش آتے ہیں، حالانکہ اغیار سے موالات کرکے اپنی جماعت کو نقصان پہنچانا ایمان کے نقیض ہے۔ آہ! انہوں نے اپنے حق میں بہت ہی بُری تمہید اُٹھائی ہوئی ہے، اپنی ہلاکت کی راہ میں خوب کانٹے بوئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگیا ہے کہ خدا ان سے ناراض ہوگیا ہے اور یہ لوگ عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اگر یہ لوگ صحیح معنوں میں اللہ اور اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے اور اُس تورات پر عمل کرتے جو اُن پر اُتاری گئی تو کبھی اپنوں

کو چھوڑ کر غیروں کے دوست نہ بنتے لیکن ان میں اکثر فاسق ہیں اور ان کی اجتماعی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ +

صرف عمل انسان کو زندہ کر سکتا ہے کتابیں اور تفسیریں نہیں

پس اے رسولِ خدا کے نافرمان اُمتیو، اور اے نبیِّ پاک کی نعش کے پرستارو! آج تمہاری نابینیِ توحید اور نادانیِ قرآن کی بڑی وجہ یہی **فتنۂ کتابت** ہے۔ اِسی اندازِ تعلیم و تعلّم نے تمہارے تخیّل کو منقسم، تمہاری نیّات کو پراگندہ، طاقتِ عمل کو بے اثر اور حوصلوں کو کالعدم کر دیا ہے۔ تمہارے اسلاف کے پیشِ نظر جذبات کے کارکُن تلاطم اور عمل کے دریا تھے مگر تم نے اِن کی محرّک تصویر **کاغذ** کے بے اثر حروف میں کھینچنی چاہی، تمہارے اجداد کو توحید نے سب سے توڑ کر ربِّ لم یزل سے جوڑ دیا تھا مگر تم نے یہ ناممکن البیان کیف عاجز اور بے بس **قلم** کے سپرد کر دیا! تم کبھی خدا سُن کر کانپنے اور لرزنے والے تھے مگر تم نے یہ ملکوتی تڑپ ناتواں **لفظوں** اور بے حس **ورقوں** کے حوالے کر دی! تم ماسوا کو بے شک ہیچ سمجھنے والوں سے تھے، مگر تم نے وہ ربّانی غنا اور وہ قدوسی دِل پرُزہ **کاغذ** پر لکھ کر محو کر دیئے! تم گودڑیاں پہن کر، محمدؐ کا پروانہ لئے ہوئے قیصر و کسریٰ کے تخت پر بے دھڑک بیٹھ جاتے تھے مگر آہ! تم نے وہ لاہوتی جگر **کتابوں** پر رکھ کر مسخ کر دیئے! تمہارے سینے عصبیت کے سر بمُہر ہیجانوں کے امین، اور تمہارے دِل توحید کے سر بکف عندلیوں کے نشیمن تھے مگر آہ! تم اِن سینوں اور دِلوں کو کتابوں پر چیر کر کیا دکھا سکتے تھے تم وہ مضغہ ہائے دل، اور وہ پارہ ہائے جگر صفحۂ قرطاس پر کہاں چپکا سکتے تھے! تم شہدائے

خدا کی شہادت، اُن کی کیفیتِ قلب، اُن کی تڑپ اور ولولے، اُن کی وجدانیت اور حال و قال، بے چاری کلکِ تُک سے کیا لکھوا سکتے تھے۔ تم میں اولوالعزم انبیاء جیسا اسلوبِ عمل، اور رسولوں کا سا امتثالِ امر کہاں سے آگیا تھا جو اپنے زورِ قلم اور نفوذِ حکم سے ہی ایک عالم کے جذبات کو زندہ رکھ سکتے۔ تمہارے تخیّل کے بہترین محافظ خود النسان اور اُن کے عمل تھے! اُن کے گوشت اور خون سے بنے ہوئے دِل و جگر تھے! اُن کی خموش اور سوختہ زبانیں تھیں! اُن کے مرعوبِ خدا اور مستغنیٔ ماسوا قلب تھے! اُن کی راتوں کے وقت مصیبت کُشا چیخیں تھیں، اُن کے دلوں کو جہاد بالسّیف تھے! اُن کے سفروں میں رتجگے تھے، اُن کی میدانوں میں پنج وقتہ کراہیں تھیں! اُن کی چیتھڑوں کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں تھیں، اُن کے رسّیوں سے مرمّت کئے ہوئے نیزے تھے! اُن کے ایوان گارہ کسرےٰ میں صید بازیاں اور آتشکدوں کے مناروں پر اللہ اکبر تھے! اُن کے فراخ اور محبّت پذیر حوصلے تھے! اُن کا ہر النسان سے شیوۂ سلوک تھا! تم اس ناممکن الرّقم حال کو ضبطِ تحریر میں کیا لا سکتے! تم اُس ارتعاش و حرکت، اُس تلملاہٹ اور اٹھان، اُس جوش اور اُبال کا خاکہ تفسیر و تراجم میں کیا عیاں کر سکتے! قرآن کی تفسیر فی الحقیقت خدا کے بندے تھے۔ کتابِ خدا صرف تمہارے قلبی تصوّر کی ایزدی سند اور تمہارے اعمال کی الٰہی رہنما تھی، بجائے خود تخیّل نہ تھی۔ وہ یقینِ خدا جو تمہارے دلوں پر قرنوں تک جماد رہا درس و تدریسِ قرآن کا پیدا کیا ہوا بشیتر نہ تھا۔ وہ اُس رحمتہ للعٰلمین کی صحبت اور شہادت کا نقش تھا جو تم نے قبول کر لیا تھا، (یاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ہ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ہ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ

بِاَنَّ لَهُم مِنَ اللّٰهِ فَضلاً كَبِيراً (۳۳: ۵۴-۴۷) اِنَّا اَرسَلنَا عَلَيكُم رَسُولاً شَاهِداً عَلَيكُم كَمَا اَرسَلنَا اِلٰى فِرعَونَ رَسُولاً (۷۳: ۱۵) † وہ ان صالح العمل انسانوں کی صبر گسل محنتوں کا اثر تھا جو تمام عمر خدا کی گواہی دیتے چلے گئے (لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيداً عَلَيكُم وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ) ۔ (۲۲: ۷۸) وہ اِس مُحَلّلۂ اتحاد و عمل کی خوبی تھی جس کے حیطۂ اثر میں تم سب آ گئے تھے ۔ وہ اِس مُجرَّبِ احسان و اصلاح کی آبیاری تھی جس لہریں سب کو سعی و عمل میں تر بتر کر دیتی تھیں! یہی وہ سچی ہدایت اور بے مثال رہنمائی تھی جو عربیتِ قرآن، بلاغت و فصاحت اور تناسب الفاظ، سب سے قطع نظر کر کے، خدائے عظیم کا یہ کار کُن، اور اولوالعزم نبیؐ تم کو اپنی مُدّت العمر سعی و جدل کے بعد دے گیا تھا ۔ یہی وہ منبع الحصول ہدیٰ اور سریع الاثر قلب ماہیت تھی جس نے آسمان و زمین بدل دیئے تھے، جس نے ایک عالم کو خدائے واحد کی عبادت پر متفق العمل کر کے اس کے آگے ہمہ تن سر بسجود کر دیا تھا ۔ (يَومَ تُبَدَّلُ الاَرضُ غَيرَ الاَرضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوا لِلّٰهِ الوَاحِدِ القَهَّارِ ٥ وَتَرَى المُجرِمِينَ يَومَئِذٍ مُقَرَّنِينَ فِى الاَصفَادِ ٥ (۱۴: ۴۸-۴۹) جس نے ہر مجرم اور مفسد قوم کو لوائے محمدؐ کے نیچے پا بہ زنجیر کھڑا کر کے دین اسلام کا بول بالا کر دیا تھا! هُوَ الَّذِى اَرسَلَ رَسُولَهُ بِالهُدٰى وَدِينِ الحَقِّ لِيُظهِرَهُ عَلَى

---

* (ترجمہ) (۱) اے نبی! ہم نے فی الحقیقت تم کو اپنے وجود کا عملی گواہ بنا کر، قوموں کو اس دنیا میں عروج اور تمکن فی الارض کے دستور العمل پر چلانے کی خوشخبری دینے والا یا بصورتِ عصیاں قوموں کو ہلاکت کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔ بلکہ تم کو وہ روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے جو اقوامِ عالم کو خدا کے حکم سے قانونِ خدا کی تعمیل کی طرف کھینچ لاتا ہے ۔ پس اُن لوگوں کو جو تمہارے پیش کردہ دستور العمل پر عامل ہیں خوشخبری دے دو کہ خدا کے ہاں سے اُن کو ایک بڑا عروج نصیب ہونے والا ہے ۔

(۲) ہم نے فی الحقیقت تم عرب قوم پر ایک خدا کے وجود کی از روئے عمل گواہی دینے والے رسول کو اسی انداز سے بھیجا ہے جس انداز پر ہم نے ایک پیغامبر کو فرعون کے پاس بھیجا تھا ۔

† (ترجمہ) یہ اس لئے کہ رسولؐ تم پر خدا کے وجود کا گواہ ٹھیرے اور پھر تم خدا ہونے کی گواہی دُنیا جہان کے لوگوں کو اپنے عمل سے دو ۔

‡ (ترجمہ) اُس فیصلے کے دن یہ زمین و آسمان ہی کوئی اور زمین و آسمان ہو جائیں گے اور خلافِ معمول سب مخلوق خدائے جابر و قاہر کے آگے صف بصف کھڑی ہوگی ۔ اُس روز مجرم بیڑیوں میں جکڑے ہونگے ۔

الدِّینِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (۹:۶۱)† قرآن اب بھی تمہارے پاس بجنسہٖ اُسی طرح موجود ہے، اُس میں ایک حرف جتنا ردّوبدل نہیں ہوا، اُس کی ہدایت پکار پکار کر تمہیں بُلا رہی ہے مگر تم آج اُس طرح کیوں نہیں مانتے، آج وہ ہُدیٰ کدھر ہے، تم میں وہ تخیّل کیوں پیدا نہیں ہوتا؟ آہ! تخیّل کی کوئی زبان نہیں، اُس کا کچھ نوعِ بیان نہیں، اس کو پیدا کرنے، اور قائم رکھنے والے محرّر اور مقرّر اکثر نہیں ہوتے، وہ پڑھ کر یا لکھ کر کچھ دیا نہیں کرتے۔ اُن کا طلسمی عمل اُس **نموذجِ حیات** میں ہُوا کرتا ہے جن کو وہ لوگوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ پھر اُس کا متعدّی اثر وبا کی مانند بڑھتا، اور جراثیم کی طرح پھیلتا جاتا ہے، اُس کی حدّت تن بدن میں آگ لگا دیتی ہے، دِل کی مشعلیں جل اُٹھتی ہیں، جی جاگ جاتے ہیں! یہی وہ میراثِ عظیم تھی جو رسُولِ خدا نے تمہارے قبضے میں دے دی تھی، یہی وہ گرانقدر دولت تھی جس کو سینوں میں مقفّل رکھنے کی ہدایت کر گئے تھے، اسی برتے پر تم نے ایک عالم کو زیر کرنا تھا، اسی کے بل بوتے پر اقوامِ جہاں یک رائے و یک یقین ہو جاتی تھیں۔ آہ! اگر تم نے اس سب کیف وحال کو عرصۂ دِل سے نکال کر **تنگنائے قرطاس**، اور **نقش کدۂ کتاب** پر دھر دیا۔ حرُوف کی گولائیاں، الفاظ کی ندرتیں، بندش کی چُستیاں، مطالبہ کے نظارے، مفسّرین کی بلند بینیاں، تمہارے شغل و اشغال بن گئے۔ تم اُٹھنے اور کرنے کی بجائے دیکھنے اور واہ واہ کرنے کے عادی بن گئے۔ تم عمل کو چھوڑ کر نقل کے مسحور ہو گئے! خدا اور رسُول کے علم و یقین سے قطع نظر کر کے بندوں کی شرعتوں اور خیال آرائیوں، راؤں اور طریقوں کے

---

† (ترجمہ) وہی خدائے بزرگ و برتر ہے جس نے اپنے پیغامبر کو ہدایت اور صحیح طرزِ عمل کیساتھ اس غرض و غایت کے لئے بھیجا کہ اُس کو تمام دُنیا کے غلط دستور العملوں پر غالب کر دے خواہ یہ غلبہ منکرین قانونِ خدا کو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔

حامل بن گئے! تمہیں تیئیس برس کی جانکاہ مصائب کے بعد، **ایمان کی حقیقت بتائی گئی** تھی، تمہارا خدا خدا کر کے کفر توڑا گیا تھا، تمہارے ذہنوں اور دلوں کے اندر بصد مشکل **توحید** بھر دی گئی تھی، تمہیں ولایتِ خدا پر آمادۂ عمل کر کے، ایک عالم کو متحرک کر دیا تھا، کفر کی ہولناک سزائیں، شرک کی بے امان عقوبتیں، جہنم کے دہکتے ہوئے شعلے، عذاب کی ناگہاں بجلیاں تم پہ بالآخر ایسے آشکارا ہو گئی تھیں کہ تم اُن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، تم نے خُدا کی چاکری (غلامی)، اور ربّ العرش کی عبادت میں وُہ لُطف دیکھ لیا تھا کہ جہاں جاتے تھے سلطنتیں تم پُر نثار، اور حکومتیں قربان ہوتی تھی، تمہیں صلوٰۃ، زکوٰۃ، توبہ و استغفار کا وہ رنگ نظر آ گیا تھا کہ جدھر منہ اٹھاتے تھے قوت اور دولت کے مینہ لگاتار برستے، جنّات زمین اور دریا٭ تمہارے استقبال کو دوڑتے۔ مگر تم نے رفتہ رفتہ خدا کی اِس تمام ذہنی تصویر کو رد کر دیا۔ گھوڑوں کی پیٹھ، اور بچھڑوں کے مصلّے چھوڑ کر زنان خانوں میں آن گھُسے، مَردوں کے ڈھنگ اور شہداء کے اطوار کو خیرباد کہکر ربّاتِ حجال٭٭ بن گئے، عورتوں کی طرح **کتابوں کا نقاب** اوڑھ لیا، عقائد کی تدوین شروع کر دی! پھر تم نے تیئس برس کے درسِ ایمان کا حق کلمۂ شہادت کے دو جملوں میں ادا کر دیا، عبادتِ خدا نماز کی چند رکعتوں میں ختم کر دی، توحید خدا کو مُنہ سے ایک کہنے پر بس کر دی، کسی ننگِ وجود ننگ دھڑنگ کو چار پیسے دے کر جہاد بالمال کر لیا، جہاد بالسیف کو گراں سمجھ کر، جہاد بالقلم قائم کیا۔ فی سبیل اللہ کے جانفزا عَلَم کو گداگروں کے سپرد کر دیا، "ترتیل" و "حفظِ قرآن" رسمیں بن گئیں، اہل کتاب مشرک، اور کافر بنا کر اپنے آپ کو موحّد قرار دیا، دنیا طلبی کی بُرائیاں قرآن میں غلط دیکھ کر سلطنتوں اور حکومتوں پہ لات مار دی شروع

٭ انہار کا ترجمہ ہم نے دریا کیا ہے کیونکہ ملاؤں نے جنّٰت تجری من تحتھا الانھار کا ترجمہ چھوٹے چھوٹے باغ اور چھوٹی چھوٹی نہریں کر دیا ہے۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔

کی تسبیحوں، دیدہ زیب آفتابوں اور مصلاؤں کو مکیسر پکڑ لیا گویا اپنے زعم میں سب سے قطع تعلق کر کے خدا کے ساتھ رشتہ جوڑ لیا۔ تب اختلافِ اُمت اور اتحادِ عمل کی برکتیں تم میں مفقود ہونے لگیں، اطاعت کے کرشمے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ دنیا کی قوموں پر تمہارا ہول کم ہوتا گیا۔ تمہارے تنظیم و نسق کی ہوا اُکھڑنے لگی، تمہارے شیرازے کے دھاگے یک بیک ٹوٹنے لگے، پھر فرقہ بازیوں نے رفتہ رفتہ تمہاری وحدت اور عصبیت کی جڑ کھوکھلی کر دی، خلافت کو کئی مرکزوں میں تقسیم کیا، ملک ایک ایک کر کے چھنتے گئے، سلطنت کے ثغور و حدود تنگ ہو گئے ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ[1] (۳۴: ۱۷) اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ[2] (۳۸: ۱۴)۔ قسمت کے یہ رنگ اور زمانے کے یہ ناروا ڈھنگ دیکھ کر، پھر تمہیں اپنے خدا سے شرم آنے لگی، تم میں دین کی اشاعت کے حوصلے پست ہو گئے، تم میں خدا کا آوازہ بلند کرنے کی دلیریاں نہ رہیں، تم میں رُوٹھے ہوئے اللہ کو منانے کے جگر نہ رہے! پھر جب اس ناہنجار صلاح، اس قسیّ القلب عبادت، اور ناکار برآر تقویٰ نے خدا کی دنیا کی زمین تم پر تنگ کر دی، تم اس کے وارث نہ رہے اور زبور کے قدیم فیصلے کے رُو سے حلقۂ صلاح و عبودیّت سے رفتہ رفتہ خارج کر دیئے تو تم نے اپنا ڈیرہ جنّت کی موروثی زمینوں پر جما لیا۔ (اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ)‡ میں تم نے الارض کے معنی ارضِ جنت کر کے پشت در پشت مسلمانوں اور کروڑ در کروڑ بندگانِ خدا کے تخیّل کا خون اپنی گردنوں پر لیا، تم نے

ترجمہ (۱) یہ تھی وہ دردناک سزا جو ہم نے اُن کو قانونِ خدا پر عمل سے انکار کے بدلے میں دی اور کیا ہم منکرینِ قانون کے سوا بھی کسی کو سزا دیتے ہیں۔

(۲) یہ سب قومیں وہی ہیں جنہوں نے ہمارے پیغامبروں کے ذریعے بھیجے ہوئے احکام پر عمل نہ کیا۔ تو اُن پر سزا لازم ہو گئی۔

‡ ترجمہ: لامحالہ اس زمین کی وارث میری وہی حکم بردار قوم ہو گی جس میں صلاحیتِ عمل ہو گی۔

ان کی رہی سہی ہمتوں کو چور کر دیا، تم نے اُنکے کمزور حوصلوں کو اور بھی شکست دی، تم نے کلام الٰہی کے مطالب میں دُور از وہم و قیاس تحریف کر کے، جرأتوں کے شب خون کئے۔ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (۵: ۱۳)† تم نے مسلمانوں کی اقلیم قلب میں نامردیاں پھیلا دیں، تم نے اِن کی کشورِ عمل و ارادت میں خرابے بکھیر دیئے، تم نے صرف اِن دو آیتوں کے مطالب کی غلط تبلیغ و اشاعت سے کروڑہا خلق خدا کو اعتکاف خانوں میں بند کر دیا، اُن کے شریف، پاکیزہ اور احسن الخلق اعضاء کو بیکار کیا، اُن کو تسبیحوں کی اضطراری گردش میں محو کر کے، توحید کی عظمت کو دریا غرق کر دیا، اِن کے حیرت انگیز قوائے عاملہ، ان کے بے مثال انگیز و تحمّل، اُن کی طاقت شب زندہ داری اور جفابرداری کو غلط رستے پر چلا کر مسرف اور مفسد بنے، اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲: ۲۷)‡ فسادِ نقل، اور فتنۂ کتابت کی یہ وہ ادنیٰ شرارت تھی جس کی غلط فہمی پر تم نے اپنا خدا سے باندھا ہُوا عہد توڑا۔ اپنے ہاتھ پاؤں کا غلط استعمال اور فطرت کا گناہِ عظیم کر کے زمین میں فساد برپا کر دیا، آج کے بُرے روزِ حساب سے بےخوف ہو کر بے وقوف بنے، اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝

---

† ترجمہ، اور ہم نے اُس قوم کے دل پتھر کر دیئے، وہ کا مچوری کی وجہ سے خدا کے حکموں سے بچنے کیلحاظ اُس کے جُملوں کی اپنے سیاق و سباق سے ہٹا کر تاویلیں کرتے تھے اور جو سبق ان کو یاد دلایا تھا اُس کا بڑا حِصّہ بھول گئے۔

‡ یہ وہ لوگ ہیں جو مضبوط کرنے کے بعد اللہ سے باندھے ہوئے عہد و پیمان کو توڑ دیتے ہیں اور جس چیز کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُس کو توڑ دیتے ہیں اور زمین میں بدنظمی اور فساد مچاتے ہیں۔ تو یہی وہ قوم ہے جو بالآخر گھاٹے میں رہیگی۔

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ (۱۳ : ۱۹-۲۱) †
اپنے اعضاء کو بے کار و شل کر کے ذلت اور لعنت کا طوق گلوں میں ڈالا "وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ
اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ
وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (۱۳ : ۲۵) ‡ الغرض تم نے شارحین کی غلط راؤں اور مجمل فیصلوں پر اعتبار کر کے اپنے
آپ کو سپرد اجل کر دیا! جنّت کا وعدہ تم سے ایک ہی شرط پر کیا گیا تھا، اور وہ شرط غلبہ اسلام
تھی۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ
وَيُقْتَلُوْنَ (۹ : ۱۱۱) ‡ اگر تم نے چو نتروں پر بیٹھ کر رام رام جپنے میں دین کی فتح سمجھی، تم نے دانہ ہائے
تسبیح کے سوراخوں کے اندر جنّت کے سبز باغ دیکھے، تم نے مشجّر مصلاّؤں کے شاخ و گل قالین
میں بہشت کے میوے چُنے۔ نہیں تمہیں اسی رہبانیت کی نفس کشی اور گوشہ نشینی کے فقر و افلاس
میں جنّت کی تکمیل شرط نظر آئی، تم نے اسی روح شکن، اور مضعفِ ایمان و اعضا عبادت" کو
جہاد بالنفس سمجھا، تم نے تابعین کرام، صحابہ عظام، بلکہ خود سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اسوۂ

---

† صاحب عقل و دانش لوگ ہی عبرت پکڑتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو خدا سے باندھے ہوئے عہد و پیمان کو نباہتے ہیں اور اس کو نہیں توڑتے۔ اور وہ یہ لوگ ہیں جو اُس شے کو جس کا اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے جوڑ دیتے ہیں، خدا کے قانون سے خوف زدہ ہیں اور بُرے حساب سے ڈرتے رہتے ہیں۔

‡ اور یہ وہ لوگ ہیں جو مضبوط کرنے کے بعد اللہ سے باندھے ہوئے عہد و پیمان کو توڑ دیتے ہیں اور جس شے کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو توڑ دیتے ہیں اور زمین میں بدنظمی اور فساد پھیلاتے ہیں۔ تو یہ وہ قوم ہے جس پر لعنت ہے اور اُن کا ٹھکانا بُرا ہے۔

‡ اللہ نے ایمان والوں سے جنّت کے بدلے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں، تو اب اُن کا عمل یہ ہے کہ خدا کی راہ میں جہاد بالسیف کرتے ہیں، پھر قتل کرتے ہیں اور قتل ہوتے ہیں۔

قتال کو نظر انداز کر کے صلاح کا غلط تخیّل، مفسرین کی شخصی رائے پر دلوں میں قائم کیا۔ آہ! مگر بچارے شارحین قرآن بھی کیا قصور وار تھے اُن کے عاجز قلم تمہیں کیا کیا دکھا سکتے تھے، وہ دو لفظوں کے اندر صلاح کی کیا تشریحیں کر سکتے تھے، وہ قلم بر داشتہ عبادت، کا کیا رنگ کاغذ پر جما سکتے تھے؟ تم نے خود غلط دیکھا اور غلط سمجھا۔ فرمودہ خدا کی صحیح تصویر تمہارے ذہنوں میں تبھی قائم رہ سکتی تھی جب تمہارے اسلاف صالحین کی عملی روائیتیں بتواترِ عمل تم تک پہنچتیں! تمہارا سلسلہ خدا سے ٹوٹ گیا تھا، پھر سلف راشدین سے ٹوٹ گیا، قرآن کے سچے عاملین سے ٹوٹ گیا۔ اب اللہ کی رسی کو چھوڑ کر، رشتۂ تسبیح سے کیا جڑ سکیگا جب تم آپ منکوں کی طرح روئے زمین پر بکھر چکے ہو، آج تمہیں غمزدوں کی یہ تنقید بھی بُری لگتی ہے، اسے بے دھڑک تمسخر، جلی، کفرو زندقہ، اور نہ جانے کیا کیا کہہ دوگے۔ مگر آہ! تمہیں کیا خبر کہ تمہاری داستانِ پیشین میں ایک وُہ زمانہ تھا جب قرآن کی تفسیر لکھنا بھی اسلام کے نقطۂ نظر سے بدترین گناہ اور جرم تھا!

بارے گہری کشد این تار نازک است
کم گو سخن کہ خاطرِ دلدار نازک است

یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَاَنْتُمْ تَشْھَدُوْنَ ۝ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (۳: ۶۹-۷۰)

اے کتاب خدا کے وارثو! تم کیوں خدا کے دین اور ناقابل انکار احکام کے بارے میں انکار کا باطنی پہلو دلوں میں چھپائے بیٹھے ہو، کیوں ان کے مقاصد کو نظر انداز کرتے ہو، ان میں تاویل اور مکر پیدا کرتے ہو حالانکہ تم ان کی غرض وغایت کو صاف دیکھ رہے ہو (وَاَنْتُمْ تَشْھَدُوْنَ)، اے کتاب خدا کے حاملو! تم کیوں حق

بات اور صریح حکموں کو باطل کا لباس پہنا کر ان کی اصلیت کو مسخ کر دیتے ہو اور جان بوجھ کر حقیقت اور واقع الامر کو تاویل کے پردوں میں چھپا دیتے ہو تاکہ تمہارے ذاتی عیوب اور کامچوریاں چھپی رہیں۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ۝ قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (۳: ۹۷-۹۸)

اے پیغمبر! قانون خدا کے عاملوں سے کہو کہ اے کتاب خدا کے وارثو! تم کیوں احکامِ خدا کے بارے میں عملاً انکار کا پہلو قائم کر رہے ہو حالانکہ جو کچھ تم عمل کر رہے ہو خدا اس کو بغور دیکھ رہا ہے۔ اے اہل کتاب! تم کیوں خدا کے بنائے ہوئے رستے میں مکر کے پہلو نکال کر اور تاویل کے زاویے کاٹ کر اس کو کج بنانے کے درپے ہو اور ایمان والوں کو اس پر چلنے سے روک رہے ہو (کیوں جہاد فی سبیل اللہ کی مہتم بالشان حکمت کی نارواتشریحیں کر کے اپنی عیب پوشی کرتے ہو، کیوں زکوٰۃ کی صورت مسخ کر رہے ہو، توحید کو آسان بتاتے ہو، جنت کو سہل الحصول ظاہر کر رہے ہو، وغیرہ وغیرہ) حالانکہ تم جو کچھ کر رہے ہو۔ جان بوجھ کر کر رہے ہو (وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ) اور یاد رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اُس سے خدا ایک لحظہ غافل نہیں۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ (۲: ۲۱۴) مسلمانو! کیا تم نے اپنے زعم میں یہ سمجھ لیا ہے کہ خدا کو منہ سے خدا کہکر مزے سے جنت میں جا داخل ہونگے حالانکہ ابھی تک تمہاری وہ حالت نہیں ہوئی جو تم سے پہلے ایمان والوں کی تھی انہوں نے اعلائے دین اور حفاظت اسلام کی خاطر وہ وہ سختیاں، وہ وہ دردناک تکلیفیں اٹھائیں اور ان کے ضمن میں اُن کے ایمان شدتِ ایذا اور تسلسل تکلیف کی وجہ سے ڈگمگائے حتیٰ کہ خود پیغمبر اور اُن کے ایمان والے ساتھی بھی چلا اُٹھے کہ اے خدا تیری مدد کے آنے کا کوئی وقت بھی ہے۔ پھر ہم نے اُن کو تسلّی دی اور کہا

اے ایمان والو! سنبھلو سنبھلو خدا کی مدد کا وقت قریب آگیا ہے!

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۳ : ۱۴۲

مسلمانو! کیا تم اس گمان میں ہو کہ خدا کو منہ سے خدا کہہ کر جھٹ پٹ جنّت میں جا داخل ہوگے حالانکہ خدا نے ابھی تک تم میں سے ان لوگوں کو جانا پہچانا ہی نہیں جو اس کی راہ میں قتال بالسیف کرتے ہیں اور اعلائے کلمۃ الحق اور تقویتِ اسلام کے لئے مسلسل تکالیف برداشت کرتے ہیں۔

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالۂ افتتاحیہ

سرورِ مشکلات

مطبوعہ "الاصلاح"

۵ اپریل ۱۹۳۵ء مطابق ۳۰ ذی الحج ۱۳۵۳ھ

من بہرآں یکے تنِ دل و دیں دادہ ام بباد
علیم ممکن کہ حاصل ہر دو جہاں یکے ست

۲۹ مارچ کے "الاصلاح" میں محترم احمد سعید کا خط شائع ہوا تھا۔ میری تمام زندگی میں مجھے بہت ہی کم ایسے خطوط پہنچے ہیں جن میں کسی فردِ واحد نے کسی معاملہ کو پرکھنے اور اس کے متعلق مخالف یا موافق رائے قائم کرنے میں اوّل سے آخر تک بصیرت سے کام لیا ہو۔

مسلمان آج اپنے اور بالخصوص قومی معاملات کے متعلق ذہنی پریشانی میں مبتلا ہے۔ چھوٹے کاموں میں بسا اوقات اس کا علم اسقدر نارسا اور ناقص ہے کہ وہ اپنے یا کسی اور کے پیش کردہ معاملے کو اوّل سے آخر تک نہیں دیکھتا، اُس کے مالہٗ اور ماعلیہ کو پہلے دن سے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا، اُس کے انجام اور نتائج، اُس کے حاصل کرنے کے ذرائع اور وسائل، اُس کی صعوبتوں اور آسانیوں، اُس کے فائدے اور نقصان کو نہیں جانچتا، یا یہ کہ اُس عمدہ کام کے متعلق اپنا عزم اور اعتمادِ نفس کھو کر گھبرا جاتا ہے، جی چھوڑ بیٹھتا ہے، وہم و گمان میں مبتلا ہو جاتا ہے،

ذہنی ویرانی میں اپنا لائحہ عمل ہر دم بدلتا ہے، آسمان کی طرف تکتا ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھتا ہے اور بالآخر دشمن کی بجائے اپنے ناکارہ پن سے ہی شکست کھا کر دم بخود اور مایوس ہو جاتا ہے! یہ وجہ ہے کہ مسلمانوں میں آج رہنما اور اُن کے پیچھے چلنے والے دونوں پریشان اور دونوں ناکامیاب ہیں۔ کامیابی کی پہلی اور یقینی منزل یہ ہے کہ قوم میں کسی تجویز کے متعلق کامل اور مکمل اعتماد پیدا ہوتا جائے، دلوں کو اطمینان ہو، اس اطمینان میں صبر یعنی استقلال اور مستقل مزاجی کا رنگ ظاہر ہو، لوگ نتائج کو جلد مانگنے اور استعجالِ ثواب کی بجائے مطمئن ہو کر اُس کام کی طرف لگ جائیں۔ راہ کو صحیح سمجھیں، اُس راہ پر منزل کی کڑی کو محسوس کریں۔ "منزل گہِ مقصود" کی خبر نہ ہو کہ کب، کتنی مدّت اور کتنا سفر طے کرنے کے بعد آئے گی لیکن اِس قدر ضرور ہو کہ سفر شروع ہونے کے بعد "بانگِ جرس" کانوں میں آتی رہے، وہی بانگ جرس کشاں کشاں مسافروں کو چلاتی رہے، پیر تھکتے جائیں، ہونٹوں پر پیپڑیاں جمیں، چہروں پر سفر کا گرد و غبار ہو، دل اچھل اچھل کر حلق کو آئیں۔ "بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ" کا سماں بندھ جائے، "مَتٰی نَصْرُ اللّٰہِ" کی پکار پیدا ہو لیکن اطمینان ہو کہ منزل مقصود ادھر ہی ہے کسی اور طرف نہیں!

میری خوش قسمتی ہے کہ آج صرف چار ماہ کی تبلیغ کے بعد خاکسار تحریک کو اوّل سے آخر تک سمجھنے والے پیدا ہو چکے ہیں۔ محترم احمد سعید کا خط اِس امر کی دلیل ہے کہ مسلمانوں کا ایک ہوشمند طائفہ تحریک کو نہایت پیار اور گہری نظر سے دیکھ رہا ہے۔ میں اس خط کو پھر شائع کرتا ہوں اور اسکے جواب کے ضمن میں بتاؤنگا کہ میرے حوصلے کو توڑنے کے لئے اغیار بلکہ خود مسلمان میرے لئے کیا مشکلات ایجاد کر رہے ہیں۔ ؎

عنایت اللہ خان المشرقی

از کرنال　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　مورخہ ۱۸؍ مارچ ۱۹۳۵ء

اخی فی البّر۔ السّلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

پُوری بصیرت، علم اور تجربہ کے ماتحت یہ لکھ رہا ہوں کہ اگر دنیا کا بہترین دماغ ہو، اُس دماغ میں بہترین علم ہو، پھر اللہ تعالےٰ کی مکمل ہدایت شامل حال ہو جائے، پھر ایسا دماغ اِس بیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے مسلمانوں کی سربلندی اور صحیح و سالم منزلِ مقصود تک لے جانے کی کوئی تجویز تیار کرے، تو وہ بالکل وہ تجویز ہوگی جسے "تحریکِ خاکساران" کہا جاتا ہے۔ لہذا

سمعنا واطعنا

فی الحال جو کچھ کر سکتا ہُوں حسب ذیل ہے:۔

(۱)۔ الاصلاح کا مستقل خریدار بنوں گا۔

(۲) ہر سال ماہ رمضان میں تمام قابل زکوٰۃ سامان کی فہرست ارسال کرونگا اور جو رقم بطور زکوٰۃ آپ مقرر کر دیں گے بواپسی ڈاک ارسال کر دوں گا۔

(۳) ڈھائی روپیہ ماہوار کی قسط میں تیس روپے سال ارسال خدمت کرتا رہوگا۔

(۴)۔ میں اہلحدیث (وہابی، غیر مقلد) مسلک رکھتا ہوں لیکن آئندہ سے ہر ایک نسبت کو ترک کرکے اپنے آپ کو صرف مسلمان سمجھوں گا۔

(۵)۔ اللہ، رسولؐ، اجماعِ سلف، امامِ وقت کی اطاعت کروں گا۔

(۶) محکومیّت کو اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب سمجھتا ہوں، اسلام کی علامت حکومت،

فرمانروائی، خلافت، سلطانی، اور امیری سمجھتا ہوں اور سمجھونگا۔

(۷)۔ ورزش کے ذریعہ سے اپنے کمزور جسم کو قوت دوں گا تاکہ خدا کی راہ میں زیادہ کارآمد ہوسکے۔

(۸)۔ بجز مرزائیوں کے، جن کے کفر اور اسلام دشمنی پر اتفاقِ اُمت ہے، اُن تمام مسلمانوں کو جو شرک کرنے کے بعد تائب نہیں ہوتے مسلمان سمجھونگا اور اُن کی نجات کا اُمیدوار رہوں گا۔

(۹) نیکی کی تلقین کروں گا، بُرائی سے روکوں گا، نتائج سے بے پرواہو کر کبھی مباحثہ، جدل و خصم، مناظرہ نہ کرونگا۔

(۱۰) خاموشی اختیار کروں گا۔

(۱۱)۔ اپنے آپ کو قولاً و عملاً اُسوۂ رسول ؐ اور عمل صحابہ کے تابع بنانیکی سعی کرونگا۔

(۱۲)۔ خدمتِ خلق اللہ بے مُزد کروں گا۔

(۱۳)۔ پابندِ نماز ہوں، پابندیٔ جماعت کی کوشش کروں گا۔

(۱۴)۔ تحریک کی اشاعت کروں گا۔

(۱۵)۔ اپنا نصب العین یہ رکھوں گا کہ خدا کی راہ میں اِس ناپاک اور شرمندۂ گُناہ سر کو پیش کیا جائے۔ اس کے بعد چند مشورے ہیں۔ کسی لائق ہوں فبہا ورنہ ردّی میں ڈالیں۔

۱۔ صدر بیت المال ہندوستان میں نہ ہو بلکہ کسی آزاد اور مستحکم اسلامی سلطنت میں تاکہ اغیار چھاپہ نہ مارسکیں۔ ہندوستان میں حسبِ ضرورت سرمایہ رکھا جائے۔

۲۔ شہروں سے پہلے دیہات کو حلقہ بگوشِ اسلام بنایا جائے۔ اگر دیہات کے کسانوں، مزدوروں میں یہ تحریک جگہ پکڑ گئی تو شہری آبادی خود بخود قابو آجائے گی لہٰذا داعیانِ تحریک باقاعدہ دیہات میں جاکر تبلیغ کریں اور وہاں دفتر اور جماعتیں قائم کریں۔

۳۔ دیہاتی مسلمانوں کو کم از کم اُردو کی نوِشت و خواند کے قابل بنایا جائے۔

۴۔ ہر گاؤں میں ایک ایسا مجاہد پیدا کیا جائے جو ایک ہفتہ میں "الاصلاح" کا پرچہ تمام گاؤں والوں کو سُنا دیا کرے۔

۵۔ گاؤں کے ہر پڑھے لکھے کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وُہ اَن پڑھوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں۔

۶۔ دیہاتیوں اور معمولی استعداد والوں کے لئے آسان سلیس، کشادہ ٹائپ کا لٹریچر شائع کرایا جائے۔

۷۔ حسن نظامی۔ وغیرہ وغیرہ دیگر مدعیّان اصلاح کے ساتھ قطعاً اشتراک عمل نہ کیا جائے۔ اس سے تحریک کی جامعیّت فنا ہو جائے گی۔ اور مختلف طبائع کے اختلافات کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔ آپ نعرۂ حق لگائے جائیں، جسے آنا ہوگا خود آئے گا۔ ورنہ اپنے مقام پر کشادہ راہ اس کے لئے موجود ہے۔ منافقین اور بے عملوں کے لئے ہزار بہانے ہیں جو اب بھی کر رہے ہیں، اور بعد میں بھی کرینگے اور ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ نہ تمام دُنیا کسی کام پر متحد ہو سکتی ہے نہ اتحاد حاصل کرنے کے لئے کوئی مفید کام

چھوڑا جا سکتا ہے۔

۸- اگر دَورہ کی ضرورت محسوس کی جائے تو صرف اُن اکابرین کے ساتھ دَورہ کیا جائے جو کُلیتہً اِس تحریک کے ماننے والے ہوں اور عملاً خاکسار ہوں۔ جو شخص خود دِل سے خاکساری کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا اس کی ہمدردی اور اس کی اعانت فضول ہے۔

۹- اچھرہ تحریک خاکساری کی فضاء سے معمور ہونا چاہیئے جیساکہ **مدینہ** انوارِ نبوت سے پُرنور تھا۔ اچھرہ کی ہر ایک چیز از سرتاپا تحریک ہو۔ عمل وہاں ٹھاٹھیں مارتا ہو، خلوص اُس جگہ کارفرما ہو۔ اس کی ہوا سے ایثارِ قربانی، خدمتِ خلق، بے نفسی، اخلاص، محبّت، کرم، سخاوت کی خوشبوئیں آئیں۔ اُس کے ماحول سے شجاعت، دلیری غیرت، حمیّت، تہوّر، مردانگی، حوصلہ، قربانی، سرفروشی کے اثرات ظاہر ہوتے ہوں۔ اُسکے در و دیوار سے تحریک عیاں ہو۔ اُس کے بسنے والے انسان از سرتاپا تحریک ہوں۔

تاکہ

کھوٹے وہاں جاکر کُندن بنیں، بے عمل عمل سیکھیں، متشکّکین یقین و ایمان حاصل کریں، معترض سکونِ قلبی اے کر جائیں۔ سرد طبائع حرارتِ قومی اور غیرتِ ملّی کے نظارے دیکھیں اور گرم ہوں۔ آگ کی چنگاریاں شعلہ بن کر اُٹھیں۔ دشمن جائیں تو دوست بن کر آئیں، تیر لگانے جائیں مگر خود شکار ہو جائیں۔

یہ اس لئے ضروری ہے کہ جس طرح درخت کی شناخت اس کے ثمر سے، اور نبیؐ کی

شناخت اُس کی اُمّت سے ہوتی ہے اسی طرح مُعلّم کی شناخت اس کی جماعت اور اس کے اصحاب اور اس کے گرد رہنے والے حاضرین کے اعلیٰ صفات سے ہوتی ہے۔ اگر آپ نے تمام ہندوستان میں تحریک کو پھیلا دیا لیکن چراغ تلے اندھیرا رہا تو آپ کے بعد اس تحریک کا اللہ حافظ۔

لہٰذا ضرورت سب سے بڑی یہ ہے کہ اچھّرہ کی ہر ایک چیز آپ کے رنگ میں رنگی جائے۔ تاکہ تحریک کو آپ کے بعد چلانے والے اُسی طرح موجُود رہیں جطرح رسُول اکرم کے بعد صحابۂ کرامؓ۔

تحریک کا آغاز اس قدر خوش کُن نہیں جس قدر اُس کا زوال رُوح فرسا معلوم ہوتا ہے۔ اور زوال سے اُسی وقت اطمینان ہو سکتا ہے کہ آپ کی زندگی میں صدہا عنایت اللہ مشرقی پیدا ہو جائیں اور یہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ہر وقت آپ کے پاس موجود رہتے ہیں۔ آپ کا سٹاف، آپ کے ماتحت، آپ کے ہمسایہ۔

اگر یہ ہو جائے اور اچھّرہ کے تمام مکین اس بات کا تہیہ کرلیں کہ وہ اپنے گرد کی فضا کو تحریک کے نور سے چمکا دینگے تو پھر میں عرض کرونگا کہ یہ ماحول ایک بہترین تربیت گاہ کا کام دے گی اور بیرونجات کے ذمّہ دار افسروں کو حکم دیا جائے کہ وہ وقتاً فوقتاً اچھّرہ آئیں اور اس فضا میں رہ کر تربیت حاصل کریں۔ یہ ٹریننگ کورس لازمی ہونا چاہیئے بلکہ کسی کو ذمّہ داری کا عہدہ اُس وقت تک نہ ملے تاوقتیکہ وہ اچھّرہ میں آکر کچھ مدّت نہ رہے۔

اِس کام کی تکمیل کے لئے اچھّرہ میں تعمیری کام ہونا چاہیئے۔ قرن اوّل کی طرح سادہ

دفتر، مسجد، حجرے، قیام گاہ، لائبریری، ریڈنگ روم، طعام خانہ، پیریڈ گراؤنڈ، اسلحہ خانہ، بیلچہ گھر، ورزش گاہ، توشہ خانہ، مال خانہ، بیت المال، دستکاری وصنّاعی کا کارخانہ، وردی تیار کرنے کا درزی گھر، یتیم خانہ، نومسلموں کے لئے قیام گاہ، بیلچہ بنانے کا کارخانہ، تمغہ اور بلاک تیار کرنے کی فیکٹری، سپاہیوں کے لئے ٹریننگ کلاس، امامت سکھانیوالا مدرسہ، دار المشورہ، بارکیں، وغیرہ وغیرہ تعمیر ہونے چاہئیں۔ اس مقام پر سالانہ اجتماعات میں خدمات خلق کے طریقے ایجاد کئے جائیں، اسلامی سیاست کی گتھیاں سلجھائی جائیں۔ حفاظت خود اختیاری کے طریقے اور وسائل سوچے جائیں اور اس طریقہ سے اس ٹکسال سے مخلصین کی جماعت بن بن کر نکلتی اور دنیا پر چھاتی جائے۔

پھر اس نمونہ کی شاخیں ہوں، اور ہندوستان میں اس کا جال بچھ جائے۔

ابو مسلم خراسانی کی جماعت کی طرح خاک پوش اور بیلچہ بردار مجاہدین اللہ اکبر کہہ کر اس فضا سے نکلیں اور نقیب اور منادبن کر تحریک کی آواز کو ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچاتے پھریں۔ ایسے آدمیوں کا انتخاب آپ کر سکتے ہیں۔

غافل مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے ایک فرشتہ خصلت جماعت، جو منتخب افراد پر مشتمل ہو، جو اللہ کی راہ میں اپنے سروں کو فروخت کر دیں، باوردی اور بااسلحہ (بیلچہ) اچھرہ سے چلے اور شہر بہ شہر، قریہ بہ قریہ، مارچ کرتی راس کماری سے کشمیر تک اور پشاور سے کلکتہ تک پھرے تاکہ مسلمان اس متحرک پروپاگنڈے سے متاثر ہوں۔ خدا کی قسم مسلمان کا خون کسی چیز سے حرارت نہیں پکڑتا، لیکن جس وقت وہ ایک مسلمان کو نظام وتربیت کے ماتحت

وردی اور اوزار کے ساتھ سینہ تان کر چلتے ہوئے دیکھے گا اُس کا خون کھولنے لگے گا! اُس کے جسم میں بجلیاں دوڑیں گی! مسلمان فطرتاً سپاہی ہے۔ وہ سپاہی بن کر خوش ہوتا ہے لیکن اپنا سپاہی ہو۔

مزید تصنیف و تالیف میں ہرگز ہرگز وقت ضائع نہ کریں جو کچھ ہو چکا کافی سے زیادہ ہے، جو لوگ تصنیفات کا مطالبہ کر رہے ہیں در اصل عمل سے بھاگتے ہیں۔ خدارا ان کا کہنا نہ مانئے۔

ہمیں نہ کسی تفسیر کی ضرورت ہے۔ نہ کسی کتاب کی۔ قرآن کا صحیح ترجمہ اور رسول اللہ صلعم کا طریقہ اور صحابہ کرام کا دستور العمل ہمیں کافی سے زیادہ ہے۔ میں نے نہ تذکرہ دیکھا ہے نہ آپ کو۔ انشاء اللہ بشرطِ زیست شرفِ ملاقات حاصل ہوگا۔

احقر العباد احمد سعید کرنال این۔ ڈبلیو۔ آر۔ خریدار الاصلاح نمبر ۱۷۷۳

جوابِ خط

محترم احمد سعید صاحب۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے خط کو در اصل مسلمانوں کی ایک نہایت ممتاز، ہوشمند اور معاملہ فہم جماعت کے خیالات کا مرقّع یقین کر کے "الاصلاح" کے کالموں میں شائع کر رہا ہوں اور اسی نقطۂ نظر سے اس کا جواب بھی یہیں دیتا ہوں کیونکہ میرا یقین ہے کہ اب خاکسار تحریک ایک مُدّت کی جانکاہ مشکلات اور مسلسل سعی و عمل کے بعد اس منزل تک پہنچ چکی ہے کہ وہ ہر رنگ اور خیال کے

مسلمانوں کو اپنے زور سے اپنا ہمخیال بنالے اور پست ہمت، خود غرض، معاملہ نافہم مسلمانوں یا اُمّت کے اُن منافق اور نابکار لوگوں کو بزدر دم بخود کردے جو ذاتی حسد، شیطانی تکبّر، اسلام دشمنی، حکومتِ وقت کی کاسہ لیسی یا چندہ خوری کی اغراض کی وجہ سے اس تحریک کی راہ میں حائل ہورہے ہیں۔ قرونِ اولیٰ کے منافقوں کی طرح چھپ چھپ کر شہر بہ شہر منادی کررہے ہیں کہ اس تحریک سے عنایت اللہ کی غرض "نبی بننے کی ہے"، پنجاب اور ہندوستان میں ایک نیا مذہبی فرقہ بنانے کی ہے، یہ سب کچھ حکومت کے خفیہ ایما سے ہو رہا ہے، انگریزوں کی گہری حکمتِ عملی اور حکومت کے خزانے اس میں کام کررہے ہیں، ہاں تحریک کی اخلاقی طاقت اب اس قدر ضرور ہوچکی ہے کہ ان نابکار "مسلمانوں" کا منہ کالا کرکے اُن کی عزّت اور شان کو ہمیشہ کے لئے ملیا میٹ کردے۔

اولیاء الشّیاطین کی مخالفت

میں جانتا ہوں کہ اولیاء الشّیاطین کا یہ طائفہ اپنی پریشان نظمی، بے وقعتی اور بدحالی میں تحریک کے بڑھتے ہوئے وقار اور عام مسلمانوں پر اُس کے اثر کو دیکھ کر بعینہٖ اُسی طرح بدحال اور پریشان ہورہا ہے جس طرح کہ لٹیروں اور ڈاکوؤں کا متفرّق، اپنی اپنی لوٹ میں مست اور بے طاقت گروہ شہر میں کسی نئے طاقتور کوتوال کے آنے سے ہوتا ہے۔

یہ لوگ آج چوروں کی طرح آپس میں بیٹھ کر مجلسیں کررہے ہیں، جن کی آپس میں کبھی صاحب سلامت نہ رہی تھی، تحریک کی برکت سے پھر گلے مِل رہے ہیں۔ مسندوں پر بیٹھ بیٹھ کر

پلاؤ اور سیخ کباب کے دستر خوانوں پر کبابوں کے ساتھ ساتھ اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کہہ رہے ہیں کہ "یارو! اگر یہ کم بخت تحریک یونہی بڑھتی گئی اور عنایت اللہ مشرقی کی اس "لغو اور بے مقصد" حرکت کو فوراً رد کا نہ گیا تو ہماری لیڈری کا کیا ہوگا؟ یہ پلاؤ اور کباب کہاں سے آئیں گے؟ ہماری پھولوں کے ہاروں سے لدی ہوئی گردنوں کے پیچھے چلنے والے والنٹیر کہاں سے بھرتی ہونگے؟ چندہ جس کے بغیر (العیاذ باللہ) پیغمبر خدا کا کام بھی نہ چل سکا کون دے گا؟ قرآن میں خدا نے بھی تو مسلمانوں سے قرض ہی مانگا اور پھر قیامت کو دس گنا ادا کرنے کی کہی۔ یہ قرض چندہ نہ تھا تو اور کیا تھا؟"

"اس عنایت اللہ نے دین اسلام کے بنیادی اصولوں کو تباہ و برباد کرنے کی ٹھانی ہے۔ بھلا ولایت کے پڑھے ہوئے کافر اور دہریے کا کیا کام کہ خدا کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے والے مسلمانوں کی رہنمائی کا دم بھرے، یہ بیلچہ بردار گورکنوں کی وبا اسلام پر کہاں سے آئی! اس کو کندھوں پر اٹھانا کیا مسخرہ پن ہے، مسلمانوں کے ہاتھ میں تلوار دی ہوتی تو کچھ بات بھی تھی، یہ "خاکساری" کا لفظ دیکھو کس قدر پست کن اور حوصلہ شکن ہے، اگر خیر خواہ اسلام ہوتا تو ضرور علی دل یا شیران ہند نام رکھتا! عنایت اللہ اس میں شک نہیں رہا کہ انگریزوں کا خفیہ پٹھو ہے، بھلا دو ہزار روپیہ کی نوکری کو چھوڑ کر کون یوں رسوا ہو سکتا ہے!"

"الاصلاح" کی مخاطب پبلک

نابکار لوگوں کی یہ ملی بھگت ادہر سرگوشیوں میں لگی ہے اور ادہر قوم کا ایک نہایت

ممتاز ہوشمند اور کارکن طبقہ "الاصلاح" کا مخاطب بن رہا ہے۔ چار ماہ کے اندر اندر ایک
غیر دیدہ زیب اور عمل پر تکلیف دینے والے اخبار کی آواز پشاور سے راس کماری، برما،
چین، بلکہ لاہور سے چار ہزار میل دور تک پہنچ رہی ہے۔ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق
اس کا زور بڑھانے کی فکر میں ہے، اس کا ایک ایک حرف غور سے پڑھا جا رہا ہے،
لوگ اس کے فائل بنا بنا کر رکھ رہے ہیں، ایک پرچہ کئی کئی لوگ پڑھ رہے ہیں، کئی کئی
آدمیوں کو محلوں اور مسجدوں میں سنایا جا رہا ہے مسلمانوں کا وہ مخلص اور درد مند طبقہ
اس کی حمایت میں اٹھا ہے کہ بڑے بڑے رئیس اور دولت مند شخص بازاروں میں جا کر اور
رسوائی قبول کر کے اس کو بیچ رہے ہیں! جو اخبار کے نام سے نفرت کرتے تھے آج اخبار
فروش بنے ہیں، اس کا "ایجنٹ" ہونا قبول کیا ہے، لوگوں کے گھر جا جا کر خریداری کی
فرمائشیں لاتے ہیں، زور سے اخبار پڑھواتے ہیں، بہ جبر منی آرڈر کرا دیتے ہیں سب
میں وحدتِ فکر اور اتحادِ عمل حیرت انگیز طور پر پیدا ہو چکا ہے۔ کیا یہ سب کچھ یونہی اور بے
وجہ ہے؟ کیا یہ اس امر کی بیّن دلیل نہیں کہ قوم عمل پر آمادہ ہے، صحیح شناخت کر
سکتی ہے۔ یہ گوشوں میں چھپے ہوئے لوگ اب تک میدان میں اسلئے نکلتے نہ تھے کہ میدان
میں کچھ کام کرنے کا نہ تھا، غرضمند اور فریب کار لوگ پبلک پر مسلّط تھے، اس لئے مخلص
اور کارکن خاموش تھے، "عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ" پر عامل تھے، "قَالُوْا سَلَامًا" پر عمل کر رہے
تھے۔ میرا یقین ہے کہ اگر "الاصلاح" کا صرف ایک پرچہ ہندوستان کے ایک ایک
گاؤں، قصبے اور قریے میں پہنچ گیا اور پھر اس پرچے کو لوگوں کا حلقہ باندھ کر سنانے اور

خاکساری کی آواز کو عام مسلمانوں تک پہنچانے والا ایک شخص بھی ایک جگہ پیدا ہو گیا تو مسلمانوں کو فریب دینے والا ایک "رہنما" باقی نہ رہے گا، سب میدان صرف خاکساری کی تحریک کے لئے صاف ہوگا مسلمانوں کا کوئی معزز اخبار یا چیتھڑا، کوئی ہوشمند یا ابلہ فریب ایڈیٹر خاکساری کی تحریک کے سوا کوئی دوسری شے نہ کہہ سکے گا، یا میدان صحافت میں صرف "الاصلاح" ہوگا یا سب اخبار "الاصلاح" کے رنگ میں رنگے ہونگے اور مُسلّح منظّم، مطیع، قواعد دان، صحّت مند اور پا بہ رکاب مسلمانوں کا جمِّ غفیر تیرہ سو پچاس برس کے بعد ایک دفعہ پھر اپنے جاہ و جلال سے دُنیا کو حیران کر دے گا!

میرے اندازے میں "الاصلاح" کی یہی مخاطب پبلک جواب تک بن چکی ہے اس قدر کافی اور وافی نہیں، اس قدر وسیع اور حاوی ہے کہ اِس نظارے کو غیر معمولی تکلیف کے بغیر جلد پیدا کر سکتی ہے!

موجودہ مُسلمان کا فہم و اِدراک

آپ کے مُرسلہ خط میں خاص زور اس لئے ہے کہ آپ نے نہ "تذکرہ" دیکھا نہ مجھ سے ملاقات ہوئی۔ "تذکرہ" نہ دیکھ کر اور میرے متعدّی جنون سے متاثّر نہ ہو کر آپ کا اِس خط کو لکھنا اِس امر کی دلیل ہے کہ سچائی صرف عنایت اللہ یا کسی اور کی ذاتی ملکیت نہیں۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے والے ہر جگہ موجود ہیں۔ قرآن کی روح کو پورے طور پر اندازہ کرنے والے ہر جگہ موجود ہیں۔ تفسیروں اور کتابوں سے بیزار ہر جگہ موجود ہیں، حکومت

اور بادشاہت کو اسلام کا واحد منتہا سمجھنے والے ہر قریے اور قصبے میں ہیں، قرنِ اوّل کی مکّی اور مدنی فضا کا صحیح تخمینہ لگانے والے ہر علاقے میں ہیں، نہیں اس تنزّل اور زوال کی حالت میں کامیابی کی راہ کو صحیح طور پر جاننے والے، کامیابی کی راہ میں تکالیف کو سمجھنے والے، کامیابی کی منازل کا پروگرام بنانے والے، کامیابی کی مدت کا اندازہ کرنے والے، مسلمان کی نفسیات سے واقف، مسلمان کی سپاہیانہ فطرت سے آشنا لوگ ہر جگہ موجود ہیں۔ آپ کے خط نے ڈھارس باندھ دی ہے کہ "الاصلاح" کا مخاطب اب وہ طبقہ ہو رہا ہے جو بڑا دُور رس، بڑا سخن شناس اور بڑا معاملہ فہم ہے، جو سمجھ سکتا ہے کہ فتح و ظفر کی کٹھن منزل تک بالآخر کیونکر پہنچا ہو گا۔

فرقہ بندی سے عام بیزاری کی ہوا

آپ کے اعمال و عزائم کی فہرست کا محرّک تر حصّہ آپ کا فرقہ بندی کی نسبتوں اور بحث و جدال کی تباہ کاریوں سے آزاد ہونا ہے۔ "الاصلاح" کے کالموں میں یہ پہلا اعلان ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہوشمندی اور معاملہ فہمی بھی مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے میں فی الحال موجود ہے بہر نوع آپ کی اخلاقی جرأت نے فرقہ بندی کی عظیم الشان عمارت پر پہلی عظیم الشان ضرب لگائی ہے اور مسلمان کیلئے فیصلہ کی راہ کھول دی ہے کہ وہ اب کیا ہو کر پھر زندہ ہو سکتا ہے۔ مسلمان جب تک اختلافِ عقاید کو افتراقِ عمل کا آلہ کار بنا کر اپنی قوت کے ٹکڑے ٹکڑے کریگا کسی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

فرقہ بند مسلمان مشرک ہے

قرآن کریم نے مشرک کی تعریف صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں یہ کی ہے کہ مشرک وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین اسلام میں تفرقہ ڈالا اور الگ الگ فرقے بنا لئے۔ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (سورۂ روم) ۔ ایک مشہور آیت یہ بھی ہے کہ خدا تمام گناہوں کو بخش دے گا لیکن مشرک کو کبھی نہ بخشے گا! اگر مسلمان کا ان دونوں حقیقتوں پر ایمان ہے تو کوئی مسلمان کسی فرقے میں لازماً شامل نہیں ہو سکتا۔ اسلام کے نابکار معلموں اور جہنمی پیشواؤں نے اپنی ذاتی اغراض کے پیش نظر پچھلی کئی صدیوں سے ان پہلی آیتوں کو اس شد و مد سے چھپایا اور شرک کے معنے "پتھر کے بتوں کی پرستش" کر کے دوسری مشہور آیت کو یوں جا و بے جا واضح کرتے رہے اور ساتھ ہی اپنے آپ کو ہزار در ہزار فرقوں میں بے دھڑک تقسیم کر کے مومن بنے رہے کہ اب مسلمان کو کہنا کہ تو دنیا میں سب سے بڑا مشرک اور نالائق مغفرت ہے، کہنے والے کو شرمندہ کر دیتا ہے۔

آج گز بھر لمبی ڈاڑھی والا "عالم قرآن" بھی اسی فرقہ بندی میں مگن ہے۔ دیوبندی، بریلوی، تھانوی، علوی اور نہ جانے کیا کیا بنا بیٹھا ہے اور اگر اتفاق سے ان قرآنی آیتوں کو اُس نے دیکھ لیا ہے تو عقل کا اندھا اور بے حیا بن کر شرماتا ہرگز نہیں۔ کوئی "جاہل قرآن" ہوتا تو شرم سے پسینہ پسینہ ہو جاتا اور فرقہ بندی سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرتا!

اگر آپ نے اپنے خط کی دفعہ ۸ میں مشرک کو ان معنوں میں استعمال کیا ہے تو مجھے عذر

نہیں - میری دانست میں ہر مسلمان جو اپنے آپ کو مسلمان ہونے کے سوا کچھ اور کہتا ہے اور عام جماعت کے ساتھ ہر معاملے میں اتحادِ عمل نہیں کرتا مشرک ہے، وہ قوم جو فرقہ بندیوں اور اپنے آپ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں مصروف ہے، ایک جماعت ایک مرکز اور ایک نظام نہیں رکھتی، ایک حکم، ایک امیر، ایک لائحہ عمل اور ایک خدا کے ماتحت نہیں، وہ قوم پوری کی پوری مشرک ہے، اس کی بہتری کی آس اس کائناتِ سبب واثر میں لگانا اور بخشش کی امید اس کو ثواب وجزا میں رکھنا عبث ہے۔

اسلامی جلتیچھڑوں کے کارہائے نمایاں

آپ کی بلند خیالی کے شایانِ شان نہ تھا کہ اپنے خط میں "مرزائی" یا کسی فرقے کا بصراحت ذکر کرتے اور "اتفاقِ امت" کے الفاظ اس پر مستزاد کر کے اس نامعروف الاسم گروہ کی اہمیت کو اس قدر واضح کرتے ۔ مجھے امید نہیں کہ ساٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے چند ساٹھ ہزار بھی اس گروہ کے نام تک سے واقف ہیں، اس کے بانی کو دنیا کے کسی قابلِ ذکر افراد میں سے شمار کرتے ہیں یا اس کی دی ہوئی تعلیم کو قابلِ اعتنا سمجھتے ہیں۔ اگر لاہور کے چند معاملہ نافہم اسلامی اخباروں نے کچھ مدت سے اپنا اخبار بیچنے یا اور اغراض کی خاطر اس فرقے کے خلاف ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے یا بعض نابکار اور خود غرض "لیڈر" بدگمان قوم سے اور روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے مسلمانوں کے شیطانی جذبات کو بھڑکا رہے ہیں اور ابلہ فریب مخالفت کر کے اس فرقے کو پنجاب میں اور فروغ دے رہے ہیں تو

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے اچھے یا بُرے ہونے پر "اتفاقِ اُمت" ہے۔ ابھی ابھی لاہور کے ایک اسلامی چیتھڑے کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ خریدار نہ ملنے کے باعث دم توڑ رہا تھا اور اس فکر میں تھا کہ کوئی ایسا عظیم الشان اور سفید جھوٹ ایجاد کرے جو پنجاب کی کوتاہ بین اخباری پبلک میں سنسنی پیدا کر کے اس کی اشاعت کو ایک رات میں بڑھا دے۔ اس سُبک وقار اور ننگِ صحافت اخبار نے تمام دُور بینی اور حیا کو بالائے طاق رکھ کر بالآخر بڑے عنوانوں کے ساتھ اعلان کیا کہ فلاں تاریخ کو استنبول کی جامع مسجد میں ساٹھ ہزار ترک اس مطلب کے لئے جمع ہوئے کہ پنجاب کے ضلع گورداسپور کے ایک قصبہ قادیان میں ایک ہیچ میرز پیر کی تعلیم کے خلاف صدائے احتجاج اس لئے بلند کریں کہ اس تعلیم نے "دنیائے اسلام" میں فساد برپا کر دیا ہے۔ قسطنطنیہ کے بڑے بڑے عمامہ پوش مشائخ اور علماء اس احتجاج میں شریک تھے، فلاں فلاں حضرت اور فلاں عالم نے دھوآں دھار تقریریں کیں، ریزولیوشن پاس ہوئے، خود غازی مصطفےٰ کمال صدر جمہوریہ ترکیہ دو سو میل دور انقرہ میں بیٹھے اس کارروائی کو بہ غور بذریعہ ریڈیو سن رہے تھے۔ بالآخر بذریعہ لاسلکی ایک نہایت ہیجان خیز تقریر غازی موصوف نے کی، کہا کہ ترک قوم اس "فتنۂ دجال" کو ملیا میٹ کر دیگی، ترک انگریزی حکومت سے مواخذہ کر کے چھوڑیں گے۔ فاتح سمرنا کا چہرہ غصّے سے تمتما رہا تھا۔ بار بار اپنی تلوار پر ہاتھ رکھتا اور قصبۂ قادیاں کے ذکر پر لال پیلا ہوتا!

مجھے یاد ہے کہ لاہور کے ایک روزنامہ اسلامی اخبار کے "ایڈیٹر" نے جو بعد میں

ایک مشہور روزانہ اخبار کا مالک بھی رہا ایک ہمسایہ سلطنت کے ملازم سے جو لاہور میں رہتا ہے عیدی کے لئے تین صفحہ کا مدحیہ خط لکھا۔ ممدوح نے کئی دفعہ یاد دہانی کے بعد پانچ روپے باکراہ تمام قاصد کو دیئے۔ ایڈیٹر نے واپس کر دیئے کہ شاید اس طرح زیادہ مِل جائیں۔ ممدوح نے رکھ لئے اور خاموش ہو گیا۔ ایڈیٹر حیران تھا کہ کیا ہو گیا۔ اُدھر عید نزدیک آ رہی تھی کئی پیغاموں کے بعد لکھا کہ پانچ ہی بھیجدو۔ وہ اب پانچ پر راضی نہ تھا، عرفہ کی شام کو دو روپے پر فیصلہ ہوا! اسی قطع کے "دو روپے عیدی" کمانے والے بھک منگے آج ہمارے روزانہ اخباروں کے ایڈیٹر ہیں، ان کو ایڈیٹری کی میز پر اگر بڑی سُوجھتی ہے تو یہ کہ غازی مصطفیٰ کمال قصبۂ قادیان کے پیر سے جنگ کر رہا ہو گا اور ترک پنجابی مسلمان کے مذہبی فتنے کو مٹانے کے لئے تلواریں تیز کر رہے ہوں گے۔ ع

سگ را بگو کہ کارِ تو با ماہتاب چیست

مشوروں پر نظر

آپ نے اپنے خط کے اخیر میں جو مشورے دیئے ہیں وہ سب کے سب اس قابل ہیں کہ اِن پر غور کیا جائے اِسلئے اِن کو نمبروار لیتا ہوں۔

(۱) مرکزی بیت المال کا ذکر اگرچہ کئی دفعہ "الاصلاح" کے کالموں میں ہُوا ہے لیکن ابھی تک اِس کے قیام کے متعلق ادارۂ علیہ نے کوئی اعلان نہیں کیا۔ اِس ضروری شئے کے متعلق عام مسلمانوں میں رفتہ رفتہ ایک عمدہ فضا پیدا ہو رہی ہے حتیٰ کہ پچھلے مہینوں میں کئی

دردمند مسلمانوں نے بیت المال کے لئے رقمیں روانہ کیں بعض نے خاص رقم ماہوار مقرر کردی ہے اور باقاعدہ اس رقم کو بھیج رہے ہیں بعض نے قربانی کی کھالوں کا روپیہ میرے نام پر بھیجا ہے بعض نے "الاصلاح" کا کمیشن لینا پسند نہ کیا اور کہا کہ بیت المال میں داخل کردیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب عمدہ عنوان ہیں لیکن ابھی بیت المال کے مستقل اعلان میں مجھے توقف ہے جب تک کہ عام رغبت بلکہ عام اصرار پیدا نہ ہوجائے۔ صوبہ سرحد کے مقامی بیت المال میں اس وقت بارہ ہزار روپیہ سے زیادہ میرے پاس جمع ہے لیکن یہ اس قدر حقیر رقم ہے کہ اس سے مسلمانوں کی کوئی گتھی نہیں سلجھ سکتی۔ مرکزی بیت المال کا قیام نہایت وسیع پیمانے پر ہوگا اور اسی وسیع پیمانے پر اس کی حفاظت کی جائے گی، آپ خاطر جمع رکھیں۔

(۲) دیہات میں تحریک کا سلسلہ اول اول میں نے زور شور سے اسی خیال سے شروع کیا تھا جس خیال کو آپ دہرا رہے ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ پنجاب کے دیہات کی آبادی حکومت کے مسلسل ظالمانہ عمل سے انتہائی طور پر عاجز ہو چکی ہے۔ بے بسی اور بیچارگی کی یہ حالت ہے کہ نائب تحصیلدار کا دس روپیہ کا چپڑاسی تمام گاؤں کے اوسان خطا کرنے کے لئے کافی ہے۔ ادنے سے ادنے نمبردار یا سفید پوش کے قبضے میں تمام گاؤں والوں کی جان ہے۔ اس لئے جب تک گاؤں میں ایک باحوصلہ سالار پیدا نہ ہوجائے گاؤں والوں کو بیلچے دیکر سپاہیانہ قواعد کرانا نہیں ہوسکتا۔ اب آہستہ آہستہ ہم اپنے شہر کے سالار دیہات میں بھیج رہے ہیں کہ وہاں جماعتیں قائم کریں۔ نتائج عمدہ پیدا ہو رہے ہیں۔

پنجاب سے باہر حالت عمدہ ہے اور وہاں کا زمیندار اسقدر عاجز اور بے بس نہیں۔

(۳ و ۴) دیہاتیوں کو اردو نوشت و خواند کے قابل بنانا انگریز خود کر رہے ہیں تحریک کے پیش نظر یہ ہے کہ مسلمان کو اسلامی تاریخ اور اسلام کے گزشتہ کارناموں سے واقف کر کے اُن میں مجاہدانہ سپرٹ پیدا کیا جائے۔ یہ فرض سالارِ دہ ادا کر رہا ہے۔ "الاصلاح" کے پرچار کرنے والے اور گاؤں والوں کو پڑھ کر سنانے والے اب کئی لوگ ہیں اور روز بروز اطراف سے اس امر کے متعلق اطلاعیں پہنچ رہی ہیں۔

(۵) آپ نے "مدعیانِ اصلاح" کے متعلق قدرے ناملائم الفاظ استعمال کئے ہیں۔ میں آپ سے متفق ہوں کہ بہت سے مدعیوں کا مل جانا ممکن ہے اختلاف پیدا کر دے لیکن خاکسار تحریک میں جو آتا ہے بطور خاکسار آتا ہے اسکو دعویٰ کسی شئے کا نہیں۔ یہاں سب بشمولیت میرے سپاہی ہیں، آپس میں اتحادِ عمل چاہتے ہیں، بیلچہ سر بازار اٹھاتے ہیں تاکہ مدعی ہونے کا کبر ٹوٹ جائے۔ سب کے متعلق یقین کر لیا ہے کہ اندھے ہیں اور جس طرح اندھے فقیروں کی ایک قطار بازار میں بھیک مانگتی آپ نے دیکھی ہوگی، جس طرح ان کو بازار میں ایک دوسرے کے کندھے پر ہاتھ رکھکر بخیطر چلتے دیکھا ہوگا اسیطرح ہم بھی وہ بے خطر قطار پیدا کر رہے ہیں تاکہ خدا کی درگاہ سے کچھ مل جائے۔ یہاں جو آئے گا اس کے لئے انتہائی تکلیف ہے، بیلچہ کو پکڑ کر رسوا ہونا ہے، لوگوں کی چہ میگوئیاں ہیں، نفس کے ساتھ شدید جنگ ہے، بدن کے اعضاء کو سخت تکلیف ہے، بڑے سے بڑے حکم کی بے چون و چرا اطاعت ہے، جو اطاعت نہیں کرتا قطار سے باہر فوراً نکال دیا

جاتا ہے، یہاں مدعی سے کیونکر نبھے ابھی چند روز کا واقعہ ہے کہ میں اخبار میں سخت مصروف تھا، ایک لمحہ کی فرصت نہ تھی حتی کہ اپنی حجامت بنوانے کے لئے وقت نکالنا چاہتا تھا لیکن نہ نکل سکا۔ دفعتہً گوجرانوالہ کے ایک سالار نے دستور العمل کے قواعد کے خلاف میرے نام ایک حکمنامہ بھیجدیا اور لکھا کہ عنایت اللہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ فلاں تاریخ کو گوجرانوالہ حاضر ہو جائے۔ میرا منہ اس حکم نامے کو دیکھ کر فق ہو گیا کہ یہ کیونکر ہو سکیگا۔ سالار اکبر لاہور پاس بیٹھے اس کو پڑھ کر چیں بہ جبیں ہو رہے تھے۔ بالآخر کہنے لگے۔ کہ دستور العمل کے خلاف ہے اس لئے جواب دے دو۔ میں نے کہا حکم غلط ہو یا صحیح بہر نوع اُس شخص کا حکم ہے جس کو ادارہ علیہ نے قوم کا سردار مقرر کیا ہے اور دنیا کے تمام کام بگڑ جائیں سردار کے حکم کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ گیا۔ ایسی حالت میں کسی شخص کی مجال نہیں کہ اس قطار میں آکر کوئی اختلاف پیدا کر سکے۔ جو داخل ہو گا اپنی کبریائی اور ادعا کے سب بُت توڑ کر داخل ہو گا۔

(۶) دورے کی ضرورت اِس قدر لاحق ہے کہ اس کے بغیر تحریک کا عالمگیر ہونا مشکل ہے جب سے "الاصلاح" نکلا ہے میں بالکل مقید ہو گیا ہوں اور حیران ہوں کہ یہ کیونکر نبھے گا اور یہ بیل کیونکر منڈھے چڑھے گی۔ اس وقت عملاً جو نتائج "الاصلاح" کے جاری کرنے سے ہوئے ہیں وہ حقیقتہً اس قدر دل خوش کُن نہیں جسقدر کہ بظاہر ہیں۔ "الاصلاح" کے خریداروں اور واہ واہ کرنے والوں کی ایک نہایت حوصلہ افزا تعداد پیدا ہو چکی ہے اور روز بروز اس کی تعداد بڑھ رہی ہے، میری تعریف کرنے والے، مجھے دعائیں دینے

والے، اب مجھے پیر مرشد، مہدی، مسیح کہنے والے بہت سے ظاہر ہو چکے ہیں، قلم کے ذریعے
سر دینے والے منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہو رہے ہیں، ہر شخص "الاصلاح" کو چٹخارے لے لے کر
پڑھ رہا ہے، ایک دن اخبار دیر سے پہنچتا ہے تو مضطرب ہو جاتا ہے۔ گویا دوسرے
لفظوں میں غالباً ہم وہی دماغی عیاشی پیدا کر رہے ہیں جس میں قوم پہلے ہی شرابور تھی،
اور اب بھی مجھے معلوم ہو رہا ہے کہ قوم کو اس طرح کا لقمہ دیتے رہنا مسلمان کو آدرست
کر دے گا اور ہماری قوتِ عمل بھی بالکل شل ہو جائے گی۔ اس میں شک نہیں کہ "الاصلاح"
کے اجرا کے بعد حرکت بھی مختلف مقامات پر پھیل رہی ہے، خدا کے سچے اور مخلص بندے
عملاً نکل رہے ہیں، اپنے اپنے شہروں میں جماعتیں بنا رہے ہیں، لوگوں میں حسّ عام ہو
رہا ہے، دشمنوں کو معلوم ہو رہا ہے کہ دشمنی سے یہ حرکت نہ مٹ سکے گی، ہماری طاقت کو
دیکھ کر سب مرعوب ہو رہے ہیں، ہم مخالف کو اپنی "بڑی طاقت" دکھلا کر دم بخود کر
رہے ہیں، جاہل ملّاؤں کے اثر کو کم کر رہے ہیں، ناکارا ایڈیٹروں اور قوم کے مکّار لیڈروں
کے قوم پر تار وا اثر کو ملیا میٹ کر رہے ہیں، یہ سب کچھ عمدہ طور پر ہو رہا ہے لیکن اگر میرے
پیشِ نظر ایک اخبار کو چلانا یا رقیبوں کو پچھاڑنا ہوتا تو میں مطمئن ہو جاتا بلکہ اپنی پیٹھ ٹھونکتا۔
میرے سامنے تحریک اور صرف تحریک ہے۔ تحریک بغیر اس کے عام نہیں ہو سکتی کہ
ہم ہندوستان کے ہر مسلمان کے پاس پہنچیں، اُس کے پاؤں پڑیں، اس کی منّتیں
کریں، اس کے سامنے رسوا اور ذلیل ہوں، اس کو اپنا زخمی سینہ دکھائیں، اپنا درد
دکھا کر اس کو درد مند کریں، ہونٹوں پہ پپڑیاں اور سر پر خاک دکھلائیں، وہ ہم سے اثر

ہیں، ہم ان سے متاثر ہوں، برابر کی جھجکیں ہوں، کچھ رواداری سے، کچھ لحاظ سے، کچھ محبت کے طلسمی اثر سے، کچھ ہماری بے حجابی سے ان کا عمل سے حجاب اور کام کرنے کی شرم دُور ہو، وہ میدان میں نکلیں اور لوگوں کو میدان میں لاتے جائیں۔

"الاصلاح" اور دردناک ذاتی مشکلات

ادارہ علیہ کچھ دنوں سے اس امر پر غور کر رہا ہے کہ کس طرح تحریک اور اخبار دونو کو برقرار رکھا جائے یا اگر اخبار کی وجہ سے تحریک کو نقصان پہنچتا ہے تو اخبار کے خریداروں کو بقیہ رقمیں واپس کر کے اخبار بند کر دیا جائے۔ اُدھر میں نے اعلان کر دیا ہے کہ اگر ایک بڑی سے بڑی قابلیت اور زور والا ابو الکلام اس اخبار کو چلانے کے لئے نہ ملا تو میری صحت مجھے عنقریب جواب دے دیگی اور میں کسی قابل نہ رہوں گا۔ میں کلرک نہیں ہوں اسلئے مجھے رخصت دی جائے۔ اس مسئلہ پر غور کیا جا رہا ہے اور اس غور میں سب کے پیش نظر یہ بات ہے کہ اگر اخبار عاملین کی ایک جماعت پیدا کر رہا ہے تو اس کو جاری رکھا جائے۔ پچھلے چار ماہ کے اندر مراسلات کے ضمن میں کم وبیش ایک سو چودہ احباب کے خطوط نمبروار شائع ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ کم از کم یہ ایک سو چودہ "الاصلاح" اور "الاصلاح" کی پیدا کی ہوئی تحریک کے موید ہیں۔ میں نے ۱۸ر جنوری کے مقالہ افتتاحیہ میں جس کا عنوان "قانونی معاہدہ" تھا یہ امر عیاں کر دیا گیا تھا کہ جو شخص عملاً اس تحریک میں شامل نہیں ہونا چاہتا وہ مجھے اپنی تحریر دے کر اپنے

آپ کو رسوا نہ کرے کیونکہ تحریک اِن سے کام لینا چاہتی ہے، ان کی نرم نرم باتوں کو سننا نہیں چاہتی، لیکن اِس تمام سختی کے باوجود خطوط آتے رہے پہلے سے مفصل تر اور واضح تر آتے رہے، لوگ زیادہ سرگرمی سے لکھتے رہے، اپنے سر پیش کرتے رہے اور اب تک کر رہے ہیں! اب اِس تمام مظاہرے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ بدر کے تین سو تیرہ کے مقابلے میں چودہویں صدی کے یہ ایک سو تیرہ اشخاص اسلام کے واسطے کیا کریں گے۔ میں کسی قریبی اشاعت میں ان تمام کے نام پھر میدان میں لاؤں گا، ادارہ علیہ سے کہوں گا کہ ان سب کو وقتاً فوقتاً کام سپرد کر دیا جائے، احکام دیئے جائیں تاکہ ان سرفروشانِ اسلام کے امتحان کے ساتھ ساتھ قوم میں حرکت پیدا ہوتی جائے۔ اِس طرح اگر حرکت کافی طور پر پیدا ہوتی گئی تو پھر بڑے بڑے دوروں کی ضرورت باقی نہ رہے گی، "الاصلاح" اسی طرح جاری رہ کر قوم کے سوکھے ہوئے درخت کی آبیاری کرتا رہیگا ورنہ ہم سب کارکن اشخاص خریداروں کی رقمیں واپس کر دیں گے اور اپنے کام میں لگ جائیں گے۔

(۷) اچھرہ کے متعلق آپ نے کہا ہے کہ تحریکِ خاکساری کی فضا سے معمور ہونا چاہیئے۔ یہ وہ شے ہے جو دنیا کے ہر عالم کے پیشِ نظر بصد شوق و آرزو ہمیشہ سے رہی ہے اور یہی خدا کو اکثر منظور نہیں ہوتی۔ اپنے متعلق یہ کہوں گا کہ خدا کو کم از کم ابھی منظور نہیں۔ اچھرہ اگر مکّہ اور طائف سے بڑھ کر نہیں تو ان سے کسی حیثیت میں کمتر بھی نہیں۔ یہاں خوفناک ریش بردار، سیاہ کار، اور سیاہ دِل، مسخ صورت ملّاؤں کی ایک بڑی جماعت رہتی ہے جو سب کے سب حاجی اور مولوی اور ملّا ہیں، جن کی روزانہ بدافعالیاں دیکھ کر زمین و آسمان لرزتے ہونگے لیکن نظر نہیں آتے۔ اس جماعت

کا ایک ادنےٰ کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک مسجد پر جو لاہور کے مشہور مولوی احمد علی نے خود سر پر ٹوکریاں اٹھا اٹھا کر بنائی تھی کفر کا فتویٰ لگایا جس کی جرأت آج تک کسی مسلمان سے نہ ہوئی تھی اب اس مسجد کی یہ شان ہے کہ دس برس سے ویران ہے، اس میں اذان اور جماعت صحیح معنوں میں کبھی نہیں ہوئی، اور کسی کی مجال نہیں کہ اس میں نماز پڑھے ورنہ "وہابی" کی آڑ میں یہ بدکار حاجی اسکو مارتے ہیں: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا۔ اُن کے ایک معلّم الملکوت حاجی نے مسجد کے اندر ایک بھلے مانس کو دردناک طور پر اس لئے پٹوایا کہ اُس نے خلاف مرضی مسئلہ پوچھا تھا۔ غریبوں کی زمین ضبط کرلینا، یتیموں کے گھروں پر ڈاکہ مارنا، رات کو کسی کے ہاں نقب لگا دینا، لوگوں کی عورتوں پر ہاتھ صاف کرنا، نامحرم لڑکیوں کو گھروں میں داخل کرلینا، غرض زنا، چوری، قتل، ڈاکہ زنی سب ان حاجیوں اور ملّانوں کے بائیں ہاتھوں کے کرتب ہیں لیکن سب کے سب مونچھوں کے درمیان بڑا پھاٹک چھوڑتے ہیں، ڈاڑھیاں گز گز بھر لمبی رکھتے ہیں۔ رسولِ خدا سے اِن پلید آدمیوں کی محبّت اس قدر ہے کہ خطبہ جمعہ کے وقت از روئے حدیث ثابت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلعم کا پاخانہ صحابۂ کرام (معاذ اللہ) تناول کیا کرتے تھے جب ان میں سے اسّی برس کا کوئی بزرگ بارہ برس کی لڑکی سے بیاہ کرلیتا ہے تو ڈاڑھی ایسی سیاہ رنگتا ہے کہ اس کا اعمال نامہ بھی روزِ قیامت کو اس سے سیاہ تر نہ ہوگا۔ وہ اِس خضاب کو اسوۂ رسول سمجھتا ہے، اور اپنی سب بداعمالی کو ڈاڑھی، خضاب، ڈھیلے، استنجا، مونچھوں کے پھاٹک اور بے حیائی سے آزار میں ہاتھ ڈال کر کھڑے رہنے پر قربان کر دیتا ہے۔ تمام اچھرہ کے لوگ اِن کی برکت سے قریب قریب اِسی قماش کے ہوگئے ہیں۔ یہ حاجی اور باقی ریشائیل بدمعاش سب کے سب حکومت کے

ادنیٰ درجے کے کانسٹیبل ہیں، کئی "ذیلدار" بنے ہیں، کوئی نمبردار، کوئی ان کا "رشتہ دار" کوئی ان کا حضرت آدم کی طرف سے بھائی۔ ڈپٹی کمشنر تک ان میں سے کسی کی پہنچ نہیں لیکن اس کے چپڑاسیوں اور ادنیٰ کلرکوں کے سلام کے لئے ان کو روزانہ کچہری میں طواف کرتا دیکھئے۔ الغرض ان "خدا کے مقرب" بندوں نے میرے اچھرہ پہنچتے ہی مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا، میں جب اُن کی مسجد میں نمازِ جمعہ کے لئے گیا اور "مناقبِ رسول" کے عنوان کے ماتحت اوپر کی پاخانہ والی حکایت ان کے امام سے سُن رہا تھا، اِن کے بڑے مُلّا نے عین خطبہ میں مجھے دجّال اور کافر کہا۔ دُنیا کے تمام بُرے القاب دے کر چاہا کہ مسجد میں لڑائی ہو جائے اور ڈپٹی کمشنر خوش ہو لیکن میری خاموشی نے ان کا سب کام بگاڑ دیا۔ اس وقت سے آج تک یہ لوگ دشمن کے ساتھ مل کر وہ دردناک ایذائیں پہنچا رہے ہیں کہ ان کی داستان سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں میرے دُور کے رشتہ دار بھی جمع ہو ہو کر ان حاجیوں کی تصویر ہیں اور سب افعال میں ان کے مشابہ بلکہ ان کے استاد ثابت ہوئے ہیں کسی نامعلوم طاقت کی ایما سے ان کے ساتھ مل گئے ہیں۔ ان **مشکلات کا سُرور** ہی مجھے زندہ رکھ رہا، اور ان سے کامیاب مقابلے کی طاقت پیدا کر رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں انشاءاللہ العزیز ان تمام مشکلات پر غالب آکر اچھرہ کی سرزمین تو کیا سب ناپاک زمین کو پاک کر دوں گا اور سب طرف صرف اسلام کا بول بالا ہو گا۔

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

صدائے عام

مطبوعہ "الاصلاح"

۱۲ اپریل ۱۹۳۵ء مطابق ۷ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ

سودائیان عالم پندار را بگو
سرمایہ کم کنید کہ سود و زیان یکے ست

"سرور مشکلات" کے عنوان سے پچھلے مقالہ افتتاحیہ میں میں نے اُن دردناک تکلیفوں کی طرف اشارہ کیا تھا جو بے رحم اور بے حس مسلمان نما دشمن پچھلے تین برس سے وقتاً فوقتاً اور مسلسل، خاکسار تحریک، میری عزت اور شہرت، میرے سکون اور اطمینان، میرے حوصلے اور عزم، میری ذات اور صحت کو نقصان پہنچانے اور مجھ سے ہر ممکن سامان راحت کو علیحدہ کرنے کے لئے دے رہے ہیں۔ مجھے مشکلات سے عشق ہے۔ میری تمام زندگی بچپن سے تنگی، تکلیف اور عسر میں کٹی ہے، میں نہایت آسودہ حال گھر میں پیدا ہو کر بھی تکلیف اور رنج، محنت اور کلفت کا سودائی رہا ہوں، دُنیا کا کوئی آرام نہیں جو خدائے عزوجل نے مجھے میسر نہ کیا ہو، لیکن اِس آرام کو پیہم اور ضد سے چھوڑتا رہا، کوئی عیش نہیں جس پر

میری دسترس نہ ہو سکتی تھی لیکن اُس عیش سے یکسر رُوگرداں رہا۔ کوئی مرتبہ اور دنیادی جاہ نہیں جو مجھے چشم زدن میں نہ مل سکتا تھا، لیکن اِس کو جان بُوجھ کر پاؤں سے ٹھکراتا رہا۔ مجھے رنج اور تکلیف میں خدا سے قرب کا یقین رہا ہے اور اب دُکھ اٹھا اٹھا کر اُس سے نزدیک تر ہونا چاہتا ہوں۔ ایسی حالت میں کہ مجھے تکلیف سے والہانہ عشق ہے مشکلات کے استقبال کے لئے دوڑتا ہوں اور درد کو آغوش میں لیا ہے کوئی طائفہ مجھے تکلیف دے کر کیا کریگا، کسی بدبین میں کیا طاقت ہے کہ میرے عزم کو توڑ سکے، میرے ایمان کو متزلزل کر سکے۔ عزم کو توڑنے اور ایمان کو خراب کرنے والی بہت سی دلکش چیزیں تھیں جو گزر چکیں، جن سے میں گزر چکا، جن کو چھوڑ کر خوش بخوش رہا۔ اب کونسا بُت ہوگا جسکو نہ چھوڑ سکوں گا؟ میرے "محسن" میرے "رفیق" اور "عزیز"، میرے "ناصح مشفق"، میرے "عقلمند دوست"، میرے "مصلح" اور "معلم"، میرے علم اور ثروت اور رسوخ کے حاسد، میری مفروضہ دولت کے حریص، میری حقیقی غنا کے دشمن، میری آئندہ کامیابی کے بدسگال، میری "ہٹلریت" کے بدخواہ، میرے نمکخوار متعلّقین، میرے عمر بھر کے غرضمند رفیق اور مطلبی دوست مجھے کیا رنج پہنچا سکیں گے؟ میری شکست کی اُمید میں فتح کے شادیانے کیا بجا سکیں گے؟ مجھے ہرا دینے کی آس میں دشمن کے دربار سے کیا جیت سکینگے؟ اُن کو کہہ دو کہ میں ہر مشکل کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ جو پیچیدگی سامنے آئیگی اُس کا میاب مقابلہ کرونگا، جو رکاوٹ ہوگی اس کو انشاء اللہ العزیز پاش پاش کر دونگا۔ تم اور تمہارے سب ساتھی، تم اور تمہارے سب شہدار، تم علی بابا اور تمہارے چالیس چور سب کے سب مل کر مقابلہ کرو اور دیکھ لو کہ فتح کس کی ہے!

میں اگر آج سب کچھ چھوڑ کر بے یار وشریک رہ گیا ہوں اور سب سے درگذر کر چکا ہوں تو اس لئے کہ وحدہٗ لاشریک کو اپنا بنا سکوں، اِس لئے کہ اسلام کو پھر اونچا کر سکوں۔ یہ سب اشیا، میرے رستے میں رنج دہ، غم انگیز اور خلافِ اُمید روکاوٹیں تھیں، میری تجویز کو شکست دینے پر تُلی تھیں، میری اُمنگوں کی تصدیق شدہ دُشمن تھیں مطلب پرست اور غرضمند دوست تھیں، مارِ آستین تھیں، میری آغوش میں پلکر میری جان کے درپئے تھیں میری عزت اور آبرو کے درپے تھیں، آسائش میں میری اور تکلیف میں میری نہ تھیں۔ مجھ سے سچّی دوستی یہ تھی کہ میری حالت کا ساتھ دیتے۔ میں اگر خدا کے رستے میں ادنیٰ سی رکاوٹ باقی رکھتا تو بُت پرست ٹھہرتا، مشرک بنتا، درخورِ جہنم ہوتا۔ میں مسلمان کو پھر خدا پرستی کی راہ کی طرف لیجا رہا ہوں، سب سے سب کچھ، سب اشیا، سب دولت، سب جاہ ومال، سب اولادوزن، سب ارضی خدا، سب زمینی حاکم سب بُت پھر چھڑانا چاہتا ہوں، میں اگر خود بُت پرست رہتا تو خدا کیوں کر پیش کر سکتا!

تم اگر آج اِس حالت میں مجھ میں کچھ قابلِ حسد شے نہ دیکھتے تو حسد کیوں کرتے، میرے درپئے آزار کیوں ہوتے؟ دشمن کے کہے پر یا ذاتی اغراض سے میرے خونِ جگر سے سینچے ہوئے پودے کو اُکھاڑنے کی شرمناک اور ناکامیاب کوشش کیوں کرتے؟ حکومت سے سرگوشیاں کیوں کرتے؟ اخباری چیتھڑوں میں میرے خلاف کیوں لکھتے؟ غیرت اور وجدان کیوں بالائے طاق رکھتے؟ شرافت اور حیا کو کیوں خیرباد کہتے؟ میں قابلِ رشک اِس لئے ہوں کہ ایک دنیا میری تکلیف دیکھ کر خدا کی طرف پھر لگ رہی ہے اور اس زندگی میں تمھاری اغراض کی موت ہے!

آج میری مشکلات کی طرف ادنیٰ اشارے کا یہ نتیجہ ہے کہ بہ یک جنبش قلم سرحد کے خطرناک ملک سے اکیس ۲۱ خطرناک جانباز جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر اور سب کچھ قربان کرنے کے لئے نکلے ہیں! کیا میرے سب کچھ چھوڑنے اور میری دردانگیز مشکلات کا یہ بلاواسطہ اثر نہیں؟ کیا میرے سب کچھ قربان کرنے سے ہزارہا قربانی کرنے والے اور پیدا ہونگے؟ کیا دشمن کے لیے یہ اشارہ کافی نہیں کہ مجھے تکلیف سے عشق ہے، اور جب تک مجھے دردناک تکلیفیں نہ پہنچیں گی مسلمان اس زمین، آسمان، اس حالت، اس قسمت کو بدل نہ سکینگے۔ جب تک میں پروانہ وار جلنے کے لئے تیار نہ ہونگا۔ اسلام کی شمع کیوں کر جلے گی!

عنایت اللہ خان المشرقی

اکیس جانبازوں کا مکتوب حسب ذیل ہے:-

اکیس ۲۱ جان باز

سرحد کا مکتوب

علامہ مشرقی کے نام

اے اسلام کی تباہی اور نزاکت کو وقت پر محسوس کرنے والے! اے تجویز کو ایثار و عمل سے مزین کرنے والے! اے راہ خدا میں سچے، مخلص، اور جانباز مجاہد تم پر سلام ہو!

تیرے "نعرۂ حق" کی حقیقت اور تیرے "عمل صالح" کے راز کو پا لینے کی اگر کسی کو توفیق بینائی

میسّر نہیں اور اسے تیرا عمل چبھتا یا بُرا لگتا ہے تو اُس کمبخت کا اپنا قصور ہے اور اُس کے اندر خود نقص موجود ہے۔ اُس کا اپنا سینہ خرابیوں کا نشیمن بن چکا ہے، اُس کا دل اور جگر سیاہ ہو چکا ہے، اُس کا ذہن اور دماغ بگڑ چکا ہے، اور وہ اس حالت میں کچھ ایسا مگن ہے کہ حقائق و معارف، بصائر و حِکَم کو سمجھنے کی تمام خوبیاں کھو چکا ہے۔

اے برگزیدہ ہستی تیرے ایثار و عمل کو کوئی کہاں تک بیان کرے۔ اسلام کی راہ میں اُس عزت پر جو کسی کے آبا و اجداد کو بھی نصیب نہیں ہوئی، اُس منصب پر کہ جس کے حصول کے لئے ہزاروں لوگ غیروں کے پاؤں چومتے پھرتے ہیں، اور اس دو ہزار ماہواری مشاہرہ پر کہ جس کے ایک قلیل اشارہ پر ایمان سپاری اور ضمیر فروشی اس انداز سے ہوئی ہے کہ اپنے بھائیوں کا گلا کاٹنے اور خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا، تو نے لات مار دی یہی نہیں بلکہ احکامِ خداوندی کے ماتحت گھر بار، بیوی بچوں کی محبّت سے بھی بے نیاز ہو کر محض خلق اللہ کی خدمت کا عزم بالجزم کرتے ہوتے صبر و استقلال کا وہ منظر پیش کیا کہ اُس کا ایک ادنیٰ کیف کسی درد بھرے دل کو تڑپا دینے، کسی بصیرت بھری آنکھ کو رُلا دینے، اور کسی زخمی جگر کو چونکا دینے کے لئے اپنے اندر کافی سامان لئے ہوئے ہے۔

تیرے اخلاص کا یہ عالم ہے کہ آج تو خود اچھرہ میں مکیں ہے لیکن تیری آواز سرحد پنجاب، دکن، سندھ، بلوچستان بلکہ تمام ہندوستان میں خود بخود کچھ اس شان کے ساتھ اُٹھ رہی ہے کہ خود غرضوں اور نفس پرستوں کی آنکھیں دیکھ دیکھ کر خیرہ ہو رہی ہیں۔

ہم بخوبی سمجھتے ہیں کہ ہماری تحریک میں انتقامی جذبات یا کسی کی مخالفت سے کام

لینا اصولاً ممنوع ہے۔ ہم صرف تشریح کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نہیں دیکھ سکتے کہ کوئی مصلحت نااندیش کوئی انسانیت ناشناس، اپنی اخلاق سوز بدتہذیبی کی وجہ سے ہمارے اِس اخلاق سے غیر اسلامی فائدہ اُٹھانے کی شرمناک اور آزاردہ کوششیں کرے اور ہم خاموش رہیں ہم ایسے بدکرداروں کو متنبہ کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے عزیز قائدِ اعظم کے حق میں کسی قسم کا غیر اسلامی رویہ ہرگز ہرگز نہیں دیکھ سکتے ہمیں بدبین لوگ خواہ مخواہ کسی اُلجھن میں نہ ڈالیں اور ایک ایک خاکسار کی آہوں کا نشانہ اپنے آپ کو نہ بنائیں۔ ہم اِس دورِ جدید میں باقرارِ صالح حضرت علامہ مدظلہ العالی کو یقین دلاتے کہ ہم میں سے ہر ایک خاکسار اور سالار ان کے ایک ادنےٰ اشارہ پر سب کچھ قربان کر دینے کے لئے ہر وقت تیار ہے فقط ۵ راپریل ۱۹۳۵ء

۱۔ سید حاجی حسین شاہ . بھانہ ماڑی پشاور
۲۔ شیخ میاں محمد ثانی۔ محلہ کریم خان پشاور شہر
۳۔ محسن علی سوداگر۔ محلہ ناظر طاہر وردی پشاور
۴۔ ماسٹر فقیر حسین۔ فتو منڈی پشاور
۵۔ خان آدم خان۔ بھانہ ماڑی پشاور
۶۔ شیخ فتح محمد۔ محلہ چوکی خان
۷۔ صاحبزادہ میاں محمد۔ کوچہ تنور سازان پشاور
۸۔ غلام حسن۔ محلہ خداداد پشاور شہر
۹۔ ملک گل محمد۔ محلہ شاہ ولی قتال پشاور شہر
۱۰۔ شیخ محمد عاشق۔ محلہ سرائے کالا خان پشاور شہر
۱۱۔ فتح محمد جنرل مرچنٹ۔ بازار ڈبگری پشاور
۱۲۔ دانشمند خان۔ محلہ بجوڑی کلاں
۱۳۔ سردار عبدالرشید خان عطری محلہ بھوانیداس پشاور
۱۴۔ مستری عبدالعزیز۔ بازار جہانگیر پورہ پشاور
۱۵۔ مستری محمد حسین۔ بازار گنج پشاور
۱۶۔ سید بزرگ شاہ سوداگر۔ محلہ باقر شاہ پشاور
۱۷۔ کریم بخش۔ بازار کریم پورہ پشاور
۱۸۔ غلام سرور خان "خاکسار" محلہ بھوانیداس پشاور

۱۹۔ عبداللہ خان اختر سرحدی جنرل مرچنٹ۔ محلہ غوری خان پشاور
۲۰۔ ڈاکٹر سعید بادشاہ کاظمی۔ محلہ آسیا پشاور ۲۱۔ شیخ وزیر محمد۔ محلہ بھوانیداس پشاور

علامہ مشرقی کا جواب

از اچھرہ لاہور ۹ راپریل ۱۹۳۵ء

مکرم و محترم صاحب نشان میاں محمد۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

سرحد کے اِن اکیس بہادروں کو جنہوں نے میری تکالیف کا سُنکر اپنا سب کچھ قربان کرنے کی تیاری کی ہے میرا مخلصانہ سلام پہنچا دیں۔ مجھ سے زیادہ اِس وقت اسلام تکلیف میں ہے۔ اِس لئے انہیں اِطلاع دے دیجئے کہ جانیں اور مال و اولادیں اسلام کے لئے چاہتا ہوں تیار رہیں۔

مخلص عنایت اللہ

مقالہ افتتاحیہ

پہلی شکست فاش

مطبوعہ "الاصلاح"

۲۶ راپریل ۱۹۳۵ء مطابق ۲۱ محرم الحرام ۱۳۵۳ھ

گرچہ آشفتگی کارِ من از زلف تو بود
حلِّ ایں عقدہ ہم از روئے نگار آخر شد

اچھرہ، اعزّا و اقربا، "احرار" وایڈیٹر، اگرچہ میری اور خاکسار تحریک کی مخالفت میں "رلی بھگت" اور وحدت کے ایک ہی الف سے شروع ہوئے ہیں، سب کے نفس کو اپنی اپنی غرض کا ہولناک بت اور خوفناک ابوالہول اکسا رہا ہے، سب باہم آوازیں دے رہے ہیں کہ آؤ باہم مل جاؤ، وحدت پیدا کرو، الف کی طرح سروقد کھڑے ہو جاؤ، پچھلی لوٹ سے جو عداوت اور بغض پیدا ہوئی تھی بھول جاؤ، "شکر رنجیاں" چھوڑ دو، حضرت شیطان نے پھر بلایا ہے، "معلم الملکوت" علیہ ما علیہ کا بلاوا ہے! ہاں اگرچہ ان تینوں گروہوں کی ابتدا آج وحدت کے الف سے ہے لیکن دیکھ لینا اور دیکھ لو ان کا انجام آخری حروف ہ ار ہار اور شکست ہے!

اس ہار اور شکست کا فیصلہ ابھی پہلی مٹھ بھیڑ نے کر دیا ہے۔ اچھرہ کے "بزرگوں" نے پہلے اچھرہ

کی مظلوم آبادی سے میرے ۵ر اپریل کے مقالہ افتتاحیہ "سرورِ مشکلات" کو چھپانے کی سرتوڑ کوشش
کی لیکن جب نہ چھپ سکا اور گاؤں کے ہر جوان، بچے اور بوڑھے کی زبان پر پچھلے تیس برس کا ظلم
کی تلوار سے چھپایا ہوا راز فاش ہو گیا تو اِن "بزرگوں" نے "قاضی الحاجات" کا واسطہ دے کر
پچھلے جمعے مسلمانوں کی ایک انجمن کے ایک مشہور وعظ گو کو اچھرہ کی اپنی مسجد میں بلایا کہ ہماری
"اولیائی" کا سکہ پھر جم جائے، تمام لاہور میں ڈھنڈورے پٹوائے کہ اِس خوش الحان واعظ کو سننے
کے لیے سارا لاہور اُلٹ آئے اور اچھرہ والے رعب کھا جائیں کہ اِن بزرگوں کے "ساتھ" ہزاروں
بزرگ ہیں اور ہمارے ظلم کا راج پھر قائم ہو، مگر تمام کوشش کے باوجود اس مسجد میں گاؤں والوں
کو ملا کر چھ سو آدمی نہ تھے۔ اُدھر میں اکیلا پہنچ گیا، تمام کیمپ میں کھلبلی مچ گئی، واعظ غریب اِدھر اُدھر
دیکھتا تھا، وہ اپنا مضمون اور خوش الحانی سب بھول گیا۔ دورانِ وعظ میں یہ اولیا اور ان کا
قبیلہ منٹ منٹ پر پرچیاں لکھ کر اس کو اکسا رہے تھے کہ "قاضی الحاجات" کا واسطہ ہے کچھ کہو، جس
مطلب کے لئے بلائے گئے ہو ادا کرو۔ اِس فریب خوردہ مگر باحیا انسان نے بالآخر غصہ سے ان کی
ایک پرچی پھاڑ کر کچھ کہا تو یہ کہا کہ "علامہ صاحب! یہ ریشائیل بزرگ بدکردار سہی، نابکار، سیاہ دل
اور سیاہ کار سہی، لیکن آخر نام کے **مسلمان** تو ہیں۔ محمدؐ کے نام لیوا تو ہیں! آپ جیسے بڑے
علامے کے شایانِ شان نہ تھا کہ اِن کو دنیا میں یوں نشر در سوا کرتے"! اُدھر میری تجویز کے بغیر
خاکسار سپاہیوں کا ایک چاق و چوبند دستہ مسجد میں پہنچ گیا۔ اِس دستے نے باضابطہ فوجی
سلامی محترم واعظ کو دی اور شکست کی تکمیل ہوئی!

اچھرہ، اعزا و اقربا، "احرار" وایڈیٹران تینوں کی ہار اسی مسجد میں تھی۔ یہ سب وہاں حاضر

تھے اور مل کر میدان لڑ رہے تھے، لیکن پردۂ غیب سے ابھی بہت کچھ اور منظور ہے۔ آج اِسی دشمن کی صف سے ایک مجاہد جو امرتسر کا ایک بڑا رئیس، غالباً بڑی دولت کا مالک، اور یقیناً بڑا طالب علم اور صاحب علم ہے مردِ میدان بن کر نکلا ہے اور اچھپڑہ، اعزّا و اقربا، ایڈیٹر او غیرہم سب کو بہ یک جنبشِ قلم شکستِ فاش دے کر کہہ رہا ہے کہ "فِیْهِ رِجَالٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ" کا نقشہ اگر کہیں ہے تو سامنے کی صف میں ہے۔ اِدھر نہیں۔ اُن کا خط اُن کی اجازت بلکہ خواہش سے شائع کرتا ہوں، کئی ہوشمند ایڈیٹروں میں سے ایک بڑے پائے کے ایڈیٹر کا خط اگر ضروری سمجھا کسی آئندہ اشاعت میں درج کروں گا۔

عنایت اللہ خان المشرقی کان اللہ لہ

امرتسر۔ ۱۹ اپریل ۱۹۳۵ء۔ مخدومی جناب علامہ عنایت اللہ خان صاحب المشرقی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ایک مدت سے آپ کی خاکسار تحریک کا مطالعہ کر رہا ہوں کیونکہ مجلس احرارِ اسلام ہند کا ایک شعبہ میرے سپرد ہے جسکے پیشِ نظر مسلمانوں کی اصلاح و تنظیم کا کام ہے اور مقاصد کے لحاظ سے اس شعبہ کا نام بھی شعبۂ اصلاح و تنظیم مجلس مرکزی احرار اسلام ہند رکھا گیا ہے۔ شعبہ مذکور کے ذریعہ سے مسلمانوں کی اصلاح کے لئے میرے فرائض میں ایک فرض یہ بھی ہے کہ دنیا کی مختلف اصلاحی تحریکات کا مطالعہ کر کے فی الواقع مسلمانوں کو ان سے باخبر کروں اور اُن اصلاحی معلومات کو مسلمانوں کے لئے مفید بنانے کی کوشش کروں۔ میں نے اس وقت تک جو کچھ اندازہ کیا ہے اس کی بنا پر "خاکسار تحریک" کو شعبۂ اصلاح و تنظیم کے تحریک سے ملتی جلتی تحریک خیال کر رہا ہوں لیکن فرق یہ ہے کہ "خاکسار تحریک" کے چلانے والا شخص علوم عالم کا ایک سمندر ہے اور میں اس کے مقابلہ میں ایک مبتدی ہوں۔ گو "جماعتِ احرار" کے رہنماؤں میں بھی چوہدری افضل حق اور خواجہ عبد الرحمن غازی بہت بڑے پائے کے مفکر اور ایثار پیشہ رہنما ہیں لیکن آپکا علم و فکر اپنی قسم کا نادر علم و

فکر ہے۔ میں ایک سال سے زیادہ مدت تحریکاتِ عالم کے مطالعہ میں صرف کر رہا ہوں اور اِس سلسلہ میں کافی لٹریچر دیکھ چکا ہوں۔ میں اپنی معلومات کی بنا پر سر دست اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بنی نوع انسان کی اجتماعی مصیبتوں اور مشکلات کو ختم کرنے اور اسی دنیا میں بہشت کا نمونہ قائم کرنے کے لئے اسلام بڑی حد تک کافی ہے اور اسلام کے ایک متوازی نظریہ یعنی اشتراکیت کی ضروریات اسلام میں غالباً پوری ہو سکتی ہیں لیکن میں ابھی تک کلیتہً مطمئن نہیں ہوا تھا کہ آپ کی کتاب "اشارات" و "تذکرہ" منگا کر اُن پر سرسری نگاہ دوڑائی۔ پھر کیا تھا، مجھ ایسے محتاط پڑھنے والے کا خون کھولنے لگا۔ اور مجھے معلوم ہُوا کہ کس طرح اسلام کی صحیح متابعت کر کے محمد صلعم اور حضور کے دین کے نام لیوا دُنیا کے اہم ترین حصّوں پہ قابض ہو گئے تھے اور آج مسلمان صرف غلطی علم و فکر کی وجہ سے ہی وراثتِ ارضی کا عمل ترک کر چکے ہیں۔ آج مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دنیا کا بین الاقوامی وحدت والا خواب اسلام کے صحیح استعمال سے بآسانی تھوڑی سی ہی مدت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ میں چونکہ ایک آگے بڑھی ہوئی جماعت احرار سے منسلک ہوں اِس لئے ابھی مجھے اور سوچنا ہے کہ مجھے ابھی کس صورت میں آپ سے تعلق رکھنا ہے۔ لیکن انشاء اللہ آج کل ہی میں مجلس مرکزیہ کے اجلاس میں شمولیت کی غرض سے لاہور حاضر ہوا تو اچھرہ میں حاضر ہو کر بالمشافہ گفتگو کروں گا۔ اچھرہ میں آپ سے اختلاف رکھنے والے بعض بااثر بزرگوں سے بھی مجھے نیاز حاصل ہے لیکن میں خدا کے فضل سے مختلف الخیال لوگوں سے بیک وقت تعلقات قائم رکھنے کی وجہ سے غلط اور صحیح اندازہ لگانے میں پس و پیش کرنے کا عادی نہیں ہوں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ غلط فہمیوں کو روکنے کی کوشش کرنا اور دشمنی کو دوستی میں تبدیل کرنا اچھے اعمال میں سے ایک ہے آپ کے خلاف جو آج کل پروپاگنڈا جاری ہے کہ آپ کا سلوک اہل و عیال سے امیرانہ اور ہمدردانہ نہیں ہیں اس کو ابھی چنداں اہمیت نہیں دیتا کیونکہ بہت بڑے کاموں کے لئے مصیبتیں اُٹھانے والے پروگرام کا عملی ارادہ کر لینے سے اکثر بیویاں اور اقارب ناخوش ہی رہتے ہیں۔ مصوّر اخبار ٹائمز آف انڈیا کی اشاعت ۱۳ر جنوری ۱۹۳۵ء

میں ایک شخص واٹسن ویلیس نے ہٹلر مسولینی اور لینن کی تصویریں چھاپ کر مذکورہ موضوع پر ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جس میں مذکورہ اعتراض کی تردید کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ دنیا کے بڑے لوگوں میں ایک چیز مشترک ہے وہ یہ کہ موجودہ دنیا کے لئے بڑے لوگوں میں اپنی بیویوں کی مداخلت کا کوئی اثر نہیں ہے اور وہ اپنے سیاسی اور بیرونی معاملات میں بیویوں کی مداخلت قطعاً برداشت نہیں کرتے بلکہ ان کی بیویاں پُرلطف گھروں کی بجائے خشک اور رنگینی سے محروم گھروں کی مالکہ ہوتی ہیں۔ اِس مضمون میں غازی مصطفےٰ کمال، مسولینی، ہٹلر، لینن، احمد زاغو شاہ البانیہ اور مہاتما گاندھی وغیرہ کا ذکر سختہ دلائل سے کیا گیا ہے۔ اِنشاء اللہ بوقت ملاقات آپ کے بارے میں شاید صحیح اندازہ ہو سکے۔

آپ کا مخلص

میاں محمد عمر سوداگر چرم ہائیڈ مارکیٹ امرتسر

مقالۂ تاریخ و عبر

ہٹلر کی مشہور سوانحعمری

"مائی سٹرگل"

یعنی "میری کشمکش" کا اُردو میں ترجمہ اور خلاصہ

مطبوعہ "الاصلاح"

۱۱؍مئی ۱۹۳۵ء مطابق ۷؍صفر ۱۳۵۴ھ

ہٹلر اور نازی تحریک

۱۹۱۴ء کے جنگِ عظیم کے بعد جرمنی کو شکست ہوئی۔ قیصر ولیم کی ہولناک عسکریت جو پچھلے پچیس سال کی مادی کوششوں کا عظیم الشان نتیجہ تھی صرف چار سال کی جنگ کے یکسر فنا ہوگئی۔ قوم کے افراد میں کسی عنوان سے اُس کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ ۱۹۱۸ء کے ماہ نومبر میں جرمن قوم نے قیصر کو تخت سے اُترنے پر مجبور کیا۔ ہوہن زولرن کا مغرور خاندان جس سے تمام یورپ لرزہ براندام تھا چشم زدن میں تہ خاک تھا۔ وہ قوم جسنے چار سال پہلے تمام دنیا کو دعوتِ جنگ دی تھی، جس کا ادعا یہ تھا کہ سب سلطنتیں آئیں اور مل کر اس کی بے پناہ عسکریت سے مقابلہ کر دیکھیں، آناً فاناً نہ صرف اِس عسکریت کے بانی سے بگڑ بیٹھی بلکہ عسکریت ملوکیت اور شہنشاہی کے تمام نظام سے بگڑ گئی! ۱۹۲۶ء میں یعنی لڑائی کے ختم ہونے کے آٹھ سال بعد میں جرمنی میں تھا میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ برلن، ایرسلا، منچن، لائپزگ، اور تمام بڑے

بڑے شہروں میں ایک ایک گھر قیصر، قیصریت اور شخصی حکومت کے خلاف ہے، عسکریت اور حبّ دریت کی بجائے ہر جگہ امن اور صلح، ذلیل اور شکست خوردہ ہوکر رہنے کا جرچا ہے جرمن لوگ اس قدر بے حمیّت اور بے غیرت ہو گئے تھے کہ اپنی شکست کا ذکر فخر و ادّعا سے کرتے، قیصر کے وجود کو دنیا کی بڑی لعنت شمار کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۱۱ء میں جب کہ میں انگلستان میں تھا ہمارے دارالاقامت میں ایک نوجوان جرمن لیڈی انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مقیم ہوئی۔ ہم جب کھانے پر اکٹھے ہوتے اُس سے قیصر کے متعلق پوچھتے اور اکثر قیصر کو بُرا کہہ کر اُس کو تنگ کرتے ایک دن میرے ایک ہم جماعت کے زبان سے قیصر کے متعلق کچھ ناز یبا فقرے تمسخر میں نکل گئے۔ وہ جرمن لیڈی جس کے چہرے پر ہماری باتوں کو سُنکر ایک رنگ آتا اور دوسرا جاتا تھا اس دفعہ زار قطار رونے لگیں، ہم ہنستے ہنستے دم بخود ہو گئے۔ وہ بیگم اتنی دیر تک روئیں کہ بالآخر ہمیں اپنی غلطی کا شرمندہ کن احساس ہُوا اور ہم نے توبہ کی کہ آگے کو انہیں قیصر کے متعلق کچھ نہ کہیں گے۔ ۱۹۱۲ء میں جرمن قوم کی یہ حالت تھی۔ لیکن ۱۹۲۶ء میں تمام کائنات بدل گئی۔ مجھے ایک نہایت مقتدر لیڈی نے جو جرمنی میں میرے استقبال کے لئے مقرر تھیں وہاں پہنچتے ہی کہا کہ "تذکرہ" میں قوموں کی زندگی کا قانون "جہاد بالسیف" لکھا ہے اور تم ایسے ملک میں آئے ہو جہاں جہاد کو دنیا کی سب سے بڑی لعنت سمجھتے ہیں، اس لئے میں مناسب سمجھتی ہوں کہ تمہاری ملاقات سب سے پہلے اُن مشہور پروفیسروں سے کراؤں جنہوں نے پچھلے کئی سالوں سے "صلح و امن" کا راگ الاپ کر جرمنی کو ذلت اور شکست کا جہنّم بنا دیا ہے، بڑا مزہ یہ تھا کہ جرمنی کا صدر اُس وقت دنیا کا سب سے بڑا سپاہی ہنڈن برگ

تھا اور یہ لیڈی صاحبہ اس کی قریبی عزیز بلکہ تمام جرمنی میں صاحب رسوخ تھیں۔ میں نے اس کے قول کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اگر جرمنی اس ذلت میں گرفتار ہے تو جرمنی کا سردار کیوں سپاہی ہے! اس اعتراض کا خاطر خواہ جواب مجھے نہ ملا مگر چند روز کے اندر یہ ثابت ہو گیا کہ لیڈی صاحبہ کا قول درست ہے! میں چاہتا تھا کہ "تذکرہ" کی تعلیم کو جرمن قوم کے سامنے پیش کروں اور جرمنی کے بڑے بڑے پروفیسر مجھے خوف دلاتے تھے کہ یہ ماحول درست نہیں، تمہاری آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوگی اور کیا عجب کہ جرمن قوم تمہیں تقریر کی سٹیج پر "ہوٹ" کریں اور رسوا کر کے اُتار دیں!

مشہور پروفیسر آئن سٹائن سے اُس کے گھر میں میری ملاقات کامل ڈیڑھ گھنٹہ تک خلافِ اُمید رہی۔ وہ مجھ سے "تذکرہ" کے مضمون کو نہایت غور سے سنتا رہا۔ اپنی بیوی کو بھی بُلا لیا کہ ہماری بحث میں شریک ہو۔ حتیٰ کہ میں چونک پڑا جب اس بیدار مغز اور دُنیا کے سب سے بڑے ماہر فلکیات نے مجھے اپنا بیان شروع کرنے سے پہلے اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی کے چند لفظوں میں تلا دیا کہ "مذہب کیا ہے"، اس کے آنے کا منشا روئے زمین پر کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (کیونکہ پروفیسر آئن سٹائن یہودی تھا) دنیا کو کیا مذہب دیا تھا؟ اور اگر تذکرہ میں امر کی تشریح ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کا کیا قانون ہے اور قرآن نے دُنیا کو کیا تعلیم دی تو تذکرہ میں یہ لکھا ہوگا! میں حیران رہ گیا کہ یہ شخص دنیا کا سب سے بڑا سائنٹسٹ ہے جو آج تک پیدا ہوا۔ اس کو مذہب سے کوئی سروکار تمام عمر نہیں رہا۔ لیکن مذہب کے متعلق وہ شئے بیان کرتا ہے جس کو میں نے اپنے تمام عمر کے قرآن کے مطالعے کے بعد اخذ کیا! خیر اگرچہ ہم

"مذہب" کے بارے میں متفق ہو گئے اور حضرت موسیٰ کی "آتیش شریعت" کے پیرو نے بھی رسولِ خدا کا فاران کی چوٹیوں سے چالیس ہزار سپاہیوں کی معیت میں نکلنا سمجھ لیا تھا اور جہاد بالسیف کی اہمیت اعتقاداً ابھی اس کے ذہن میں تھی لیکن ڈیڑھ گھنٹہ کی بحث کے باوجود وہ پیس پیس PEACE، PEACE یعنی امن امن کا حامی رہا۔ اس کی بیوی بھی میری حجت اور دلیل سنکر میری حمایت میں ہو گئی، وہ بار بار اپنے خاوند کو کہتی رہی کہ عنایت اللہ خان کی دلیل قابلِ لحاظ ہے اتم اس پر غور کرو، اس استدلال کے بعد میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں گی! وغیرہ وغیرہ، مگر اس عظیم الشان شخصیت پر میری تقریر کا اثر صرف اس قدر ہوا کہ دوست بن گیا مگر اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہٹا!

میں نے جرمنی میں کئی موقعوں پر تقریریں کیں، لوگ اس کو دم بخود سنتے لیکن مجھے رسوا نہ کرتے۔ اخبارات میں ایک آدھ دفعہ تمسخراً لکھا دیکھا کہ "غلام قوم کا ایک پروفیسر جرمنی کو بادشاہت کی تعلیم دینے کے لئے آیا ہے"۔ اس کے علاوہ جو کچھ اخبارات لکھتے رہے عمدہ تھا۔

انہی ایام میں مشہور پروفیسر وائل سے ملاقات کے سلسلے میں ہر ہٹلر سے بھی چند لمحوں کے لئے ملاقات ہوئی۔ مجھے اگر معلوم ہوتا کہ یہ وہی شخص ہے جو آگے چل کر جرمنی کا نجات دہندہ ہوگا تو میں ہٹلر کے گلے لپٹ جاتا! مگر جن معمولی الفاظ میں موصوف نے اس کا تعارف کرایا اس سے جرمنی کی اُس وقت کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ پروفیسر نے کہا کہ "یہ بھی بڑے حضرت ہیں، جرمنی کی مزدور جماعت کے ایک بڑے کارکن ہیں"۔ میں نے مصافحہ کیا اور ہٹلر نے کہا کہ میں نے تمہاری یہ کتاب "تذکرہ" (جو اس وقت میز پر رکھی تھی) مطالعہ کی ہے۔ اُس وقت میں کیا سمجھتا کہ ان الفاظ سے مجھے کیا سمجھنا چاہیئے۔

بہرنوع ۱۹۲۶ء کے بعد میں یورپ نہیں گیا لیکن ۱۹۳۳ء میں ہٹلر کا یکایک میدانِ شہود میں فاتحانہ حیثیت سے خوفناک طور پر جلوہ گر ہونا میرے لئے کچھ کم باعثِ تعجب نہ تھا۔ میرے دماغ میں نہ آسکتا تھا کہ وہ قوم جو ۱۹۲۶ء میں اس قدر ذلیل ہوگئی تھی کہ جنگِ عظیم، جرمن قیصر، قیصر کی عسکریت، قیصر کی عظمت، اور جرمن قوم کے عالمگیر جلال سے صرف اسلئے متنفر ہوئی کہ ایک جرمن خانہ دار لیڈی کے قول کے مطابق "دورانِ جنگ میں ہمیں چائے کے لئے ہفتہ بھر میں صرف ایک ڈلی مصری کی ملا کرتی تھی، گوشت صرف ایک چھٹانک سات دن میں ملتا، جنگ مُردہ باد!" ہاں وہ ذلیل قوم کس طرح اس قدر جلد جی اٹھی، کس طرح اس کے دن ایک رات میں پھر گئے؟ میرے لئے ہٹلر کی پوری کتاب "مائی سٹرگل" کا مطالعہ بھی اس پیچیدار معمّے کو حل نہ کر سکا۔ میں پریشان ہوں اور رحمتِ ایزدی کی تصویر اب میرے دماغ میں کچھ اور ہی ہے۔ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ خدا بے شک رؤف اور رحیم ہے، اس کی رحمت کے بادل جب کسی قوم کے سر پر منڈلاتے ہیں تو وہ قوم چشم زدن میں، اور دیکھتے دیکھتے نہال ہو جاتی ہے! میں خدا کا ان معنوں میں ہرگز قائل نہ تھا جن میں کہ اب ہوں۔ میں سمجھتا تھا کہ خدا ایک خوفناک شیر ببر کی طرح سب سے بے نیاز اور سب سے الگ ہو کر بیٹھا ہے۔ خطرناک اور جلاد فرشتے جو اس کی طرف سے مقرر ہیں، اُس کی بارگاہ اجلال سے کوسوں دور سہمے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں کہ کب حکم ملے اور کب گھنٹی بجے! گھنٹی بجتی ہے تو دور سے خوفناک آواز ٹیلیفون میں پہنچتی ہوگی کہ "فلاں قوم کو فنا کر دو، بدکار ہے!" "فُلاں کو تباہ کر دو، امیر کا حکم نہیں مانتی!" "اس کو گرا دو، سست اور غافل ہے!" "اِسکو تحت الثّرے کر دو، مکار ہے اور ہمارے قانون کو صرف چومتی رہتی ہے" "فلاں کا ستیاناس

کردو یہ فرقہ بند ہے"! "اس کا گلا گھونٹ دو یہ صرف باتیں کرتی ہے!" قانون اس کا وہاں بھی ویسا ہی اٹل ہو گا جیسا کہ اس زمین پر ہے! خدا گھور گھور کر گرد اگرد دیکھتا ہو گا اور کسی کو مجال نہ ہو گی کہ سفارش کر سکے! دو کروڑ انسان جنگ عظیم میں مروا دیئے اور ٹس سے مس نہ ہوا! محمدؐ کی اُمّت کو ہلاک کر مارا اور آواز نہ آئی! بیت المقدّس کو "پلید" آدمیوں کے ہاتھ دے دیا اور پروا نہ کی! مکّہ کو غیروں کے ہاتھ دے رہا ہے اور اُف نہیں کرتا! وغیرہ وغیرہ۔ "فَانظُر اِلیٰ آثَارِ رَحمَتِہٖ"† کی طرف میری نظر نہ تھی! ہٹلر کے کارنامے کے بعد پہلی دفعہ **خدا کی رحمت** پر پڑی اور اب اس کا تصوّر بھی مجھے نہال کر دیتا ہے۔ میں کوہ ہمالیہ کی چوٹی سے اُس کی رحمت دیکھ رہا ہوں! سرحد کے درّۂ خیبر سے کسی شے کا منتظر ہوں! سندھ کے بیابانوں کی ٹھنڈی ریت میں رات کے وقت رحمت کا جلوہ دیکھ رہا ہوں! پنجاب کے دریاؤں، دکّن کی وادیوں، بنگلور اور میسور کی چٹانوں، رنگون کے خطرناک ٹیلوں میں، الغرض سب طرف رحمت کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ کیا عجب کہ یہ رحمت نازل ہو جائے اور کسی کا گھر روشن ہو!

ہٹلر کی کتاب "مائی سٹرگل" (میری مشکلات) دراصل مشکلات کی تاریخ نہیں، اس میں اوّل سے آخر تک اُس کی کسی بڑی مشکل کا بیان نہیں، ہاں اس میں اس امر کی تشریح ضرور ہے کہ ایک شکست خوردہ قوم کو بلند کرنے کے لئے کس ساز و سامان کی ضرورت ہے۔ ہٹلر کی کتاب اکتوبر ۱۹۳۳ء میں پہلی دفعہ طبع ہوئی اور اس سے ٹھیک تین سال پہلے میں خاکسار تحریک کے لئے اپنا ساز و سامان درست کر چکا تھا۔ میں اگرچہ کسی شئے کا ذمّہ نہیں لیتا یا کسی

---

† یعنی دیکھ اس کی رحمت کی نشانیاں! (قرآن عظیم)

معاملے کو نہیں چھیڑتا جب تک کہ اُس شے اور معاملہ کی تکمیل اور اُس پر مکمّل فتح کے متعلق مجھے یقین نہ ہوا اور اسی لحاظ سے خاکسار تحریک کو شروع کرنے سے پہلے ۱۹۳۱ء کے وسط میں "اشارات" لکھ کر واضح کر دیا تھا کہ کیا کرنا چاہتا ہوں اور کیا کر دوں گا لیکن ہٹلر کی اِس جلیل القدر کتاب کا "تذکرہ" اور "اشارات" کی تعلیم سے حیرت انگیز تطابق (بلکہ ایک معنی میں توارد) میرے لئے حوصلہ افزا اس لئے ہے کہ "مائی سٹرگل" کا مصنّف آج پندرہ برس کے "سٹرگل" کے بعد قوم کو کامیابی کی منزل تک پہنچا چکا ہے، قوم کو منزلِ مقصود تک پہنچانے کے **بعد** اُس نے دنیا پر اپنی تحریک کے لازمات کا راز افشا کیا ہے، کامیابی کی منزل تک پہنچنے کے وسائل پندرہ برس بعد واضح کئے ہیں۔ ممکن ہے اِن وسائل کی دریافت میں اُس کو امتحاناً کئی اور وسائل کی طرف رُخ کرنا پڑا ہو، کئی ایک کو ناقابلِ عمل سمجھ کر متروک کر دیا ہو لیکن **قرآن حکیم کی روشنی کو رہنما بنانے والا مشرقی** نازی تحریک کی کامیابی سے پورے نو برس پہلے "تذکرہ" میں اور تین برس پہلے "اشارات" میں وُہی لازمات اور وسائل بے خوف وخطر ظاہر کر چکا ہے!

اس صحبت میں کتاب "مائی سٹرگل" کے مضامین کو کھول کر رکھ دینا اس لئے بھی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی آیندہ کامیابی کی راہ میں مشکلات کا صحیح اندازہ کر لیں۔ ہندی مسلمانوں میں بدقسمتی سے آج اکثر وہ لوگ قوم کے "رہنما" بنے بیٹھے ہیں جن کو کسی قطار میں چل کر اپنی انفرادی اور ذاتی رہنمائی کی راہ بھی دو قدم نہ ملی، لیکن میری نگاہ میں ہوشمند اور معاملہ شناس مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جو رہنمائی کے لائق ہے اِس سکھا شاہی کو دیکھ کر گوشوں میں چھپی بیٹھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہٹلر کی کتاب اِن گوشہ نشین اور برقعہ پوش مردانِ خدا پر خاکسار تحریک کی اہمیّت اور

واضح کردے۔ وہ اندھیرے میں یکا یک برقی مشعل دیکھ کر آنکھیں ملتے ہوئے باہر نکل آئیں اور اپنے ذاتی نور سے سب طرف اجالا کر دیں۔ موجودہ رہنما اپنے کرتوت اکثر دکھلا چکے ہیں! کسی نے ادنے آواز بھی نہ سُنی اور ان کا بارُود جل چکا ہے اِن سے اب صحیح رہنمائی کی توقع عبث ہے!

ہٹلر کی کتاب کا خلاصہ چند لفظوں میں یہ ہے:۔ قوم کو اگر غالب اور فتح مند کرنا چاہتے ہو۔ تو **وحدتِ خیال، بے چون وچرا اطاعتِ امیر، کامل خاموشی، جسمانی ورزش، سپاہیانہ قواعد، عزم، استقلال، ذمہ داری کا احساس، سردار بننے کی قابلیت، فتحمند ہونے کے یقین، غیر قوموں سے تجرد (علیحدگی)** اور **اعتماد نفس** (اپنے آپ پر بھروسہ) کا آسمانی اخلاق پیدا کرو!

کتاب "مائی سٹرگل" کا ملخص

"میں جرمنی اور آسٹریا کے ایک سرحدی شہر "راناؤ" پر جو دریائے "اِن" پر واقع ہے پیدا ہوا تھا اور یہی وجہ غالباً ہو کہ میں شروع سے اِن دو جرمن ریاستوں کے اتحاد کا حامی تھا۔ اول اول نیشلسٹ اور پھر رفتہ رفتہ متعصب جرمن نیشلسٹ ہوا۔ اتحاد کا حامی ہو کر بالآخر اس خیال کا ہو گیا کہ آسٹریا کی ملوکیت کی بربادی میں جرمنی کی حفاظت کا راز ہے!

مجھے اپنی والدہ ماجدہ کی طویل بیماری نے غریب کر دیا تھا۔ چنانچہ آسٹریا کے پایۂ تخت ویانا میں تلاشِ معاش کے لئے گیا۔ وہاں کے فقر و افلاس کے ساتھ دولت کی کثرت اور عوام الناس کی کمزور روحانی تربیت نے مجھ پر گہرا اثر کیا۔ ۱۹۰۹ء میں میری حالت اتنی درست ہو گئی کہ میں نے

نقشہ کشی اور مصوری کے کام میں اپنا ذریعہ معاش سمجھا اور اس پر قائم ہوگیا۔ اس تمام اثنا میں آسٹریا کا افلاس رفتہ رفتہ تمام مزدوروں کو سوشل ڈیماکریسی (اجتماعی جمہوریت) کی صف میں جمع کر رہا تھا۔ میں اس تغیر کا غور سے مطالعہ کر رہا تھا۔ بیس برس کی عمر تک مجھے کم از کم یہ معلوم ہوگیا کہ ٹریڈ یونین (یعنی ہیئت عمال جو مزدوروں کے مفاد کی حفاظت اور ان کی معاشرت کے وسائل کو بہتر کرنے کے لئے قائم ہیں) کے معاشرتی کام اور اندرون ملک کی فرقہ وار کشمکش میں ان کے سیاسی عمل میں کیا فرق ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ میری ابتدائی عمر کے کونسے حصے میں "یہودی" کے لفظ نے مجھ پر خاص اثر کیا۔ میں نے اپنے والد بزرگوار کی عین حیات میں اس لفظ کو نہ سنا تھا لیکن چودہ پندرہ برس کی عمر تک میں اس لفظ سے آشنا ہوچکا تھا۔ اس کے بعد پایۂ تخت وی آنا میں آیا اور یہودیوں کے خلاف اخبارات کو پڑھتا رہا۔ میں نے اس قوم کے خلاف اخبارات کی آواز کو چنداں پسند نہ کیا لیکن یہ بھی دیکھتا تھا کہ بڑے بڑے اخبارات مثلاً "فری پریس" اور "وی آنا تغی بلت" حکومت وقت کے بیحد خوشامدی ہیں۔ قیصر ولیم ثانی کے خلاف نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان اخبارات میں یہود کی ستائش اور فرانس کی خوشامد ہوا کرتی تھی۔ صرف ایک اخبار "ڈیوش وولکس بلاٹ" اس پالیسی کا حامل نہ تھا لیکن وہ یہودیوں کے سخت خلاف تھے۔

میں نے بالآخر یہود کے مسئلہ کا مطالعہ شروع کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ لوگ دراصل جرمن نہیں جن کا کوئی دوسرا مذہب ہے بلکہ جرمن قوم سے علیحدہ ہیں اور ان کا نصب العین الگ ہے۔ میں نے جوں جوں ان کو غور سے دیکھا ان کو علیحدہ پایا۔ میں دیکھتا تھا کہ سوشل پریس یعنی

اخبارات کے ایک بڑے حصّے کا میلان اِن کی طرف ہے۔ ان میں جرمنوں کو عام طور پر بُرا کہا جاتا ہے، قیصر ولیم ثانی کے خلاف معنی خیز باتیں شائع کی جاتی ہیں، فرانس کی حمایت درپردہ ہوتی ہے مجھے بالآخر معلوم ہوا کہ سوشل ڈیماکریسی (اجتماعی جمہوریت) کے اصل رہنما یہودی ہیں، پریس زیادہ تر اِن کے ہاتھ میں ہے، تمام لٹریچر جس کو جرمنی شائع کر رہا ہے یہودیت سے لبریز ہے، سیاسی رہ نما تمام تر یہودی ہیں۔ تمام مبلّغ یہودی نسل کے ہیں۔ الغرض مجھے یقین ہوگیا کہ جرمنی کی اس عظیم الشّان جماعت کی باگ ڈور خالصتہً یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اِس انکشاف کے بعد یہودیوں سے میری نفرت مستحکم ہوگئی!

"سوشل ڈیماکریسی" کے مطالعے کے بعد میں نے "مارکسی اِزم" اصول کا مطالعہ شروع کیا۔ اِس ہیئت اجتماعی میں بھی یہودیوں کی بے پناہ مکّاریوں کا مطالعہ کرکے اِن سے اَور متنفّر ہوگیا۔ اِس سلسلے کا اصول یہ تھا کہ جماعت میں شخص کی کوئی قیمت نہیں، قومیت اور نسل کی کوئی اہمیت نہیں، گویا کسی قوم کا تمدّن اور اس کی تہذیب ہی قابلِ توجہ شئے نہیں! میرا اب یقین ہے کہ اگر دنیا میں یہودی حکمران ہوجائیں تو اِس کو ایسا ہی پھر ویران کردیں جیسا کہ وہ کئی لاکھ سال پہلے تھی۔ اِس تمام غور وخوض کے بعد میں نے سمجھ لیا کہ خدا کا بہترین کام روئے زمین پر میرے لئے یہ ہے کہ یہودیوں کی بیخ وبنیاد روئے زمین پر سے اُکھیڑ دی جائے!

قوموں کے باہمی اختلافات نے آسٹریا کو کمزور کردیا تھا لیکن عام طور پر اعلیٰ افسر جرمن تھے۔ آسٹریا کی پارلیمنٹ نے جو انگلستان کے نقشِ قدم پر مبنی تھی ثابت کردیا تھا کہ آسٹرین حکومت کو صحیح معنوں میں استحکام نہیں۔ انگلستان کی پارلیمنٹ جہاں دنیا میں اپنی

ملوکیت کے فاتحانہ تقدّم کے بُت اپنے ایوان میں نصب کرتی تھی وہاں آسٹریا کی پارلیمنٹ میں قوم کی بےغیرتی کے باعث یونانی اور رومی بُت نصب تھے یہاں مجھے معلوم ہوا کہ پارلیمنٹری حکومت دراصل ایک نہایت غیر ذمہ دارانہ شے ہے۔ اس طرزِ حکومت سے قوم کے اندر صحیح معنوں میں کوئی اصلاح پیدا نہیں ہو سکتی۔ کیا یہ بات قابلِ یقین ہے کہ دنیا میں ترقی لوگوں کی کثرتِ رائے کے فیصلے سے ہو سکتی ہے۔ صحیح ترقی کی تجاویز صرف ایک دماغ کر سکتا ہے اکثریت ایک انسانی دماغ کا بدل نہیں ہو سکتی! سو بیوقوف مل کر ایک عقلمند آدمی کہاں بن سکتے ہیں؟

مہذّب اور ارتقا یافتہ ملکوں میں پریس یعنی اخبارات بڑی طاقت ہیں۔ اخبارات کے ذریعہ اشاعت ایک بڑی شے ہے لیکن ملک کے مفاد کے لئے اخبارات کو پورے طور پر قابو میں رکھنا ایک بڑا کام ہے۔ پریس دھوکا دے کر عوام النّاس کی رائے بدل سکتا ہے اور اس لحاظ سے پریس کو چلانے والے نہایت ہوشمند اور معاملہ فہم اشخاص ہونے چاہئیں۔

اسی اثنا میں مجھے ملک کی دو تحریکوں کے مطالعے کا موقع ملا جو شونرر اور لیوگر کی قیادت میں چل رہی تھیں شونرر جرمنی کے کامل اور مکمّل اقتدار کا حامی تھا لیکن مردم شناس نہ تھا اور کاروباری آدمی کی طاقتِ عمل کا صحیح اندازہ نہ لگا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عامّۃ النّاس سے اُس کو حرکت میں مدد نہ مل سکی۔ لیوگر عیسائی سوشلسٹ تھا اور مردم شناس تھا۔ وہ ملکی انجمنوں کو اپنی تحریک میں ملا کر کام نکالنا چاہتا تھا لیکن اس میں غلطی پر تھا۔ لیوگر بالآخر آسٹریا کو کچھ نجات نہ دلا سکا اور شونرر جرمن قوم کی کچھ مدد نہ کر سکا!

مجھے رفتہ رفتہ محسوس ہوا کہ عالمگیر تحریک کو کامیاب طور پر چلانے کیلئے اُن بہادروں کی ضرورت ہے جو ملک کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیں۔ اگر یہ نہ ہو تو تھوڑی مدت کے بعد ہی قربانی کے لئے کوئی آدمی نہ مل سکیگا۔ جو شخص صرف اپنی ذات کے لئے ہے وہ قوم کیلئے کیا کر سکے گا!

آسٹریا میں قیام کے دوران میں مجھے خیال تھا کہ میں ایک بڑا معمار بن جاؤنگا لیکن میں دِل ہی دِل میں یہ چاہتا تھا کہ جرمنی چلا جاؤں تاکہ خدمتِ قوم کر سکوں۔ "وی آنا" کے پایۂ تخت میں میرا قیام میرے آیئندہ پروگرام کے لئے عمدہ تربیت دے گیا اور ۱۹۱۲ء کے موسمِ بہار میں میں جرمنی کے مشہور شہر میونچ (مُنیچن) میں آ گیا۔

جرمنی میں آ کر میں نے دیکھا کہ جرمنی اپنی توسیع حدود کی فکر میں ہے۔ نو آبادیات کے حاصل کرنے کے سوا یہ کام نہ ہو سکتا تھا۔ سرزمین یورپ میں توسیع اسی طرح ہو سکتی تھی کہ جرمنی انگلستان سے مِل کر روس کے خلاف آمادۂ پیکار ہو اور نو آبادیات پر تصرف صرف اسی طرح ممکن تھا کہ روس کے ساتھ مِل کر انگلستان کی مخالفت کی جائے۔ جرمنی نے اِن دونوں مسئلوں کو چھوڑ کر "مصالحانہ اقتصادی مداخلت" کی حکمتِ عملی کو اختیار کیا۔ یہ فاش غلطی تھی کیونکہ انگلستان کو جرمنی کا اقتصادی مصالحانہ دخل کب گوارا ہو سکتا تھا؟ وہ اس کے لئے بھی انتہائی جنگ کے لئے تیار تھا۔ انگلستان کے متعلق جرمنی میں یہ غلط خیال تھا کہ انگلستان والے بزدل ہیں، اُن کے پاس اپنی فوج نہیں، اُن کے سپاہی کرائے کے ہیں، ان میں یہ عزم کب آ سکتا ہے کہ "اقتصادی مصالحانہ دخل" کے خلاف اپنی فوجیں تیار کرتے پھریں۔

جرمنی، اٹلی اور آسٹریا کا اتحاد دراصل اِس لئے کمزور اتحاد تھا کہ اِن کے پیشِ نظر صرف اپنے ملکوں کی حفاظت تھی، انگلستان، فرانس اور روس کا اتحاد اس اصول پر مبنی تھا کہ ان کا نصب العین **دنیا کی نوآبادیات پر قبضہ** کرنا تھا! چونکہ قومیں اور لوگ زیادہ تر کسی بڑے نصب العین کو پیشِ نظر رکھ کر عمل کرتی ہیں اور اپنے اقتصادی نصب العین اُن کو چنداں گرم نہیں کرتے اسی لئے جرمنی کا اتحاد گرما دینے والا اتحاد نہ تھا۔ جرمنی کے سامنے **روٹی** کا سوال تھا اور انگلستان کے سامنے **وراثت زمین** کا نصب العین!

۴ راگست ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم کی ابتدا ہوئی یہاں بھی جرمنی کو کسر لگی۔ جرمنی میں پروپاگنڈا کا نام ونشان نہ تھا اور جو کچھ تھا غلط راہ پر لگا تھا۔ انگلستان نے دنیا میں اعلان کر دیا کہ وہ **کمزور قوموں کی حفاظت** کے لئے میدان میں آیا ہے۔ جرمنی صرف **اپنی حفاظت** کا راگ الاپتا رہا۔ یہ تخیل نہایت پست کن تھا۔ ۳ راگست کو میں نے شہنشاہ لڈوگ کی خدمت میں براہ راست درخواست بھیجدی کہ مجھے بویریا کی رجمنٹ میں بطور سپاہی کے بھرتی کیا جائے! یہ درخواست فوراً منظور ہوگئی۔

۱۹۱۵ء کی گرمیوں میں انگریزوں نے ہوائی جہازوں سے اشتہارات پھینکنے شروع کئے اور اپنے نصب العین کی خوب اشاعت کی۔ اِن اشتہارات سے جرمن فوج کے **عزم میں خلل** واقع ہو جتی اکہ ۱۹۱۶ء میں خود جرمن عورتوں نے میدان جنگ کے سپاہیوں کو بددلی کے خط لکھ کر وہ کام کیا جو انگریز کرتے رہے تھے!

اکتوبر ۱۹۱۶ء میں میں زخمی ہوا اور برلن کے نزدیک ایک ہسپتال میں صلیب احمر کی گاڑیوں

میں بھیج دیا گیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ تمام جرمنی بدلا ہوا ہے۔ اس میں میدانِ جنگ کے عسکری جوش کا نام و نشان تک نہیں پہلی دفعہ مجھے معلوم ہوا کہ یہاں لوگ اپنی نامردی اور بزدلی کا ذکر فخر سے کرتے ہیں۔ برلن میں ہر طرف مفلسی تھی، تمام ماحول قحط زدہ تھا، اِدھر واپس شدہ سپاہی گھروں میں بے اطمینانی کی ہوا پھیلا رہے تھے۔ میونخ (منچن) میں حالت نسبتاً نہایت ہی اشدّ خراب تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غصّہ اضطراب اور بانیانِ جنگ پر لعنتوں کی آوازیں ہر مُنہ سے نکل رہی ہیں۔ جو شخص اپنے فرض کو فرض سمجھ کر بجا لا رہا تھا لوگ اس کو کمزور اور تنگدل سمجھتے جو فرض سے غافل اور جنگ کے مخالف تھے باہم مِل کر بیٹھتے۔ تمام دفاتر یہودیوں سے لبالب بھرے تھے۔ ۱۹۱۷ء کے اخیر میں اسلحہ اور بارود کے کارخانوں نے ہڑتال کر دی اس سے ملک کی اخلاقی جرأت پر انتہائی ناگوار اثر پڑا۔ لوگ سمجھنے لگے کہ تمام رعیّت اور فوج دونوں میں بغاوت کے آثار ہیں، دراصل حالت اگست اور ستمبر سے ہی خراب تھی اور اس کا ناگوار اثر ۱۹۱۸ء کی عسکری فتوحات سے زائل نہ ہوا۔ ۱۹۱۸ء کے خزاں میں حالت یہاں تک گر گئی کہ ہمارے سپاہی سیاسی بحثوں میں عام طور پر شامل ہونے لگے۔ اِدھر گھروں سے نامناسب خطوط کا بُرا اثر سپاہیوں کے حوصلوں کو کم کر رہا تھا۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو میدانِ جنگ کی گیس سے میری آنکھوں کو نقصان پہنچا اور نیپرداک کے ہسپتال میں جو پومیرانیا میں تھا بھیج دیا گیا۔ میں جب زخمی ہو کر واپس گھر آ رہا تھا بحری فوج کی طرف سے انتہائی طور پر بُری افواہیں پہنچ رہی تھیں۔

نومبر کے اوائل میں حالت نازک ترین ہو گئی۔ تمام قوم نے قیصر اور ہوہن زولرن خاندان کو تخت سے اتار کر انقلاب کا علم بلند کر دیا۔ اتحادیوں سے شرمناک صلح اس انقلاب کا مقصد

تھا۔ ۱۱ر نومبر کو تمام کام ختم ہوگیا، جرمنی کو ذلّت آمیز شکست ہوئی! قیصر نے اپنا تمام معاملہ "مارکس ازم" کے سپرد کر دیا۔ اس کے کرتے دھرتے یہودی تھے!

اس حادثہ عظمیٰ کے بعد میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں سیاسی کارکن بنونگا اور اپنے ملک کو بچاؤں گا!!

اخیر نومبر ۱۹۱۸ئہ کو میں منیخن واپس آکر اپنی رجمنٹ کی ملازمت میں پھر شامل ہوگیا لیکن چاہتا تھا کہ اس سے جلد خلاصی پاؤں۔ مارچ ۱۹۱۹ئہ میں ہم سب واپس منیخن میں مستقل طور پر آگئے۔ میں بدستور اپنے فرائض میں منہمک تھا کہ سکینڈ انفنٹری رجمنٹ میں بغاوت کے اسباب کی تفتیش کے لئے مجھے مدعو کیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے کسی سیاسی کام میں دخل دیا تھا!

اِن ایام میں "مارکس ازم" کے عمل کو صحیح معنوں میں دیکھنے کا موقعہ مجھے ملتا رہا مجھے معلوم ہوا کہ یہود بین الاقوامی روپیہ کو قوم کی منڈیوں میں حکمران کرنا چاہتے ہیں اور جرمنی کو صحیح معنوں میں اقتصادی غلام بنانا اِن کے پیشِ نظر ہے۔ یہود کا دستور تھا کہ عوام النّاس کو صورتِ حالات کے متعلق مطمئن کرنا چاہتے تھے اور اس کی نشر و اشاعت میں نہایت خوبی سے حصّہ لیتے۔ ایک موقع پر میں نے دیکھا کہ ایک یہودی اس قطع کا وعظ کر رہا ہے مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے اس کے خلاف مجمع عام میں تقریر کی میری تقریر کا گہرا اثر ہوا اور مجمع میں سے بہت سے لوگ میری حمایت میں ہوگئے! غالباً اسی حُبّ وطن کے صلے میں مجھے ایک رجمنٹ میں جو منیخن میں تھی معلّم مقرر کر دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس رجمنٹ کے لوگ صرف **آپس میں سمجھوتے سے اطاعت کر رہے ہیں**، اطاعت کا جذبہ نہایت کمزور پڑ چکا ہے اور سکھا شاہی کا عالم ہے۔ میں نے اس رجمنٹ کو باقاعدہ

اطاعتِ امیر سکھلائی اور اسی سلسلے میں بعض ایسے آدمیوں سے واقفیت ہوئی جو بعد میں میری تحریک کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئے۔

ایک روز مجھے اپنے مرکز سے حکم ملا کہ میں "جرمن ورکرز پارٹی" (جرمن حزب العمّال) کی ماہیت کے متعلق رپورٹ پیش کروں۔ ان دنوں انقلاب نے جرمنی میں ایسی افراتفری مچادی تھی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ سپاہی بھی سب کے سب سیاسیات کی بحث میں حصہ لیتے تھے، ہر ایک سپاہی سیاست کا تیس مار خان بنا تھا۔ میں جب حزب العمّال کے ایک جلسے میں پہنچا تو صدر کی تقریر کے بعد جب کہ تقریریں کرنے کی عام دعوت دی گئی، ایک پروفیسر نے کچھ بکواس کرنی شروع کی۔ اُس نے کہا کہ اس جماعت کو بویریا کی ریاست پرشیا سے علیحدہ کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیئے۔ میں اس تجویز کو سُنکر تمتما اُٹھا اور اس کے خلاف ایسی دھواں دھار تقریر کی کہ بالآخر صدر کو مع اپنے عملے کے جلسے سے بھاگنا پڑا۔

اس تقریر کے ایک ہفتہ کے اندر مجھے جرمن ورکرز پارٹی کے ممبر بننے کی دعوت موصول ہوئی۔ میں اس دعوت کو دیکھ کر حیران تھا لیکن وہاں گیا! جب اس جماعت کا اندرونی جائزہ لینے لگا تو معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ کوئی قابلِ ذکر ممبر نہیں، ان کا کوئی نظام نہیں، کوئی سامان، کوئی جلسہ گاہ، کوئی لٹریچر، کوئی پروگرام حتیٰ کہ ان کے پاس اپنی جماعت کے نام کی ربڑ کی مہر بھی نہیں۔ ہاں البتہ چند ممبروں میں جو اس کام میں لگے تھے بہت سا ایمان اور نیک ارادے موجود ہیں۔ اُدھر مستحکم بنیادوں پر ایک پارٹی بنانے کا خیال میرے دماغ میں جاگزیں ہو چکا تھا۔ کچھ دیر سوچ بچار کے بعد میں نے اسی جماعت میں شامل ہو کر اس کو درست کرنے کا ارادہ اپنے دل میں کر لیا۔ میرا

خیال تھا کہ ایک چھوٹی سی انجمن ہے، اس میں کوئی پختگی ابھی تک پیدا نہیں ہوئی، جس طرح چاہوں گا اس کو اپنی وضع پر ڈھال لوں گا، مقصود کام کرنے سے ہے چنانچہ دو دن کے بعد پختہ طور پر اسی جماعت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا!

میرا یہ نظریہ میری نگاہوں میں پایۂ یقین تک پہنچ چکا ہے کہ کسی قوم کا بلند اخلاق اور اس کی نسل کا علو مرتبت سب سے پہلے اپنا کام کرتے ہیں، اقتصادی حالات یا قوم کے مالی اور رسمی وسائل کا مقام کہیں دوسرے یا تیسرے درجے پر ہے۔ اکثر لوگ جن کو جرمنی کی اندرونی حالت سے کامل واقفیت نہیں جرمنی کی شکست کو اہنی اقتصادی اسباب پر محمول کرتے رہے بلکہ قوم کا ذہین طبقہ اگر اس زوال کا فوری علاج نہ کر سکا تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ اس کو ہمہ تن اقتصادی شکست سمجھتے رہے اور یہ خیال کرتے رہے کہ اگر اب حالت بہتر ہوگی تو صرف جرمنی کی مالی حالت کے بہتر ہونے سے ہوگی۔ اُدھر مکار یہودیوں نے اپنے بے پناہ پروپاغنڈے سے جو قوم کی رگ رگ میں اثر کر چکا تھا یہ اعلان کر دیا تھا کہ جرمنی میں انقلاب حکومت فوجی شکست کی وجہ سے ہوا۔ یہ وہ شیطنت اور مکاری تھی جس کا جرمن مفکروں کے پاس علاج نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر جرمن فوج کو ہی زوال ہوا تھا تو لامحالہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ تمام جرمن قوم اس زوال کے ماتم میں سوگوار ہوتی، ہر جگہ اس سانحۂ عظمیٰ پر افسوس اور رنج کا اظہار ہو، لیکن "فوجی شکست" پر جرمن قوم کی بے اندازہ خوشیاں، ناچ رنگ اور بزدلی کے افسوسناک مظاہرے جو ہر جگہ ہوئے اس امر کی دلیل تھے کہ انقلاب کی وجہ **قومی اخلاق کا زوال** تھا! فوج نے اپنی انتہائی بہادری ظاہر کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ کرنل رینگٹن نے اس

حقیقت کو ان مختصر الفاظ میں کہ "ہر تیسرا جرمن غدار ہے" بیان کر کے واضح کر دیا تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ یہی وہ اخلاقی زہر تھا جو بالآخر فوجی شکست کا باعث ہوا۔

جنگ سے پہلے جرمن اخلاق میں بعض خطرناک نقص تھے۔ اوسط جرمن کا ہر کام کو بد دلی اور نیم دلی سے کرنا ہمارے قومی اخلاق پر ایک بد نما دھبہ تھا۔ یہ کیرکٹر در اصل اُس ناقص نصابِ تعلیم کا نتیجہ تھا جو ہم میں اب تک رائج رہی۔ یہ تعلیم ہمیں صرف علم کا ایک ذخیرہ بنا دیتی تھی، عملی لیاقت اور صحیح کیرکٹر اس سے پیدا نہیں ہوتے تھے۔ ذمہ داری کا سُرور جو ہر متعلّم میں تعلیم کے بعد پیدا ہو جانا چاہیئے مفقود تھا۔ اس تعلیم کا منتہا قوتِ ارادی کو مضبوط کرنا اور قوتِ فیصلہ کو مستحکم کرنا نہ تھا۔ اس سے در اصل مضبوط ارادے والا آدمی پیدا نہ ہو سکتا تھا بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک علم سے لدا ہوا نیم ارادے والا شخص جس میں اپنے ارادوں کو چلانے کے لئے طاقت اور زور نہ ہو سکتا تھا۔ اوسط جرمن کے لئے اپنی قومیت اور اپنا وطن صحیح معنوں میں محرّک نہ تھے۔ وہ جب چاہتا اُن کو خیرباد کہہ کر اپنا کام نکال سکتا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ "ہر شخص اپنی ٹوپی (عزت) ہاتھ میں لے کر دُنیا کے ہر گوشے میں جا سکتا ہے اور سلام سلام کر کے دنیا کے سب کام نکل سکتے ہیں"۔ بس یہ مثل جرمن اخلاق کی ہو بہو تصویر تھی۔

جرمنوں نے ملکی پریس یعنی اخبارات پر کوئی قابو نہ رکھا تھا۔ یہ پریس اکثر یہودیوں کے ہاتھ میں تھا جو کسی معنوں میں جرمن نہ تھے۔ حکومت کا فرض تھا کہ پریس کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کرتی اور پوری قوتِ ارادی سے اُس پر قابو رکھتی۔ لبرل پریس (آزاد اخبارات) نے در اصل جرمنوں کی قومیت کی قبر کھود دی اور یہی یہودیوں کی ملکیت بیشتر تھا۔

اسکولی تعلیم کیا ہونی چاہیئے

میرے نزدیک تمام تعلیم کی تجویز اس طرح پر ہونی چاہیئے کہ مدرسہ کا ہر لڑکا اپنا خالی وقت تمام تر اپنی جسمانی صحت کو بہتر کرنے میں خرچ کرے۔ اُس کو اپنا وقت سُستی سے گذارنا نہیں چاہیئے نہ اس بات میں کہ بازاروں میں آوارہ پھرے یا شور کرے یا بیہودہ مشغلے اختیار کرے۔ اُسے چاہیئے کہ اپنے جسم کو سخت کرتا رہے تاکہ جب کشمکش حیات کا سامنا ہو تو وہ کمزور ثابت نہ ہو اور اس کے لئے پورے طور پر تیار ہو۔ مدرسے کے لڑکے میں صرف علم کو ہمپ سے بھر دینا مُضر ہے۔ قوم کی جسمانی صحت کو برقرار رکھنا صرف فرداً فرداً ہر شخص کا فرض نہیں بلکہ تمام قوم کا فرض ہے۔ جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ روح کو زہر سے بچانے اور اس زہر کے خلاف لڑائی کرنے کا سامان بھی ہونا چاہیئے۔ آج ہماری تمام پبلک زندگی میں شہوانی جذبات بڑی حد تک شامل ہیں۔ مدرسے کا لٹریچر ان سے لبالب بھرا ہے۔ سینما تھیئٹر ناچ گھر وغیرہ وغیرہ کا یہ اس قدر خوفناک ہے کہ نوجوان کے لئے ایسی روحانی خوراک زہر کے مترادف ہے۔ یہ مشاغل اخلاق اور رُوح کے لئے سخت نقصان دِہ ہیں۔ لوگوں کو چاہیئے کہ جلد سے جلد اس شہوتی زندگی سے آزاد ہو کر جیئں۔ "شخصی آزادی" کا حق "قومی حفاظت" کے فرض کے کئی درجے بعد آتا ہے۔ پہلی بات قوم کی زندگی اور قوم کی جنگی قوتوں کی حفاظت ہے۔

ہمارے فنونِ لطیفہ اور ہمارے آثار تمدّن (کلچر) کی حالت بھی بعینہٖ یہ تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ یہ شئے ہمارے اندرونی زوال کی ناخوشگوار علامت تھی کہ ہمارے فنونِ لطیفہ کے عجائب خانوں میں بالعموم ایسی شرمناک تصاویر آویزاں تھیں کہ ان کو دیکھنے کے لئے صرف ہمارے عمر رسیدہ

آدمی داخل ہو سکتے تھے بچّوں کے لئے اِن تصاویر کا دیکھنا ممنوع تھا۔

جنگ سے پہلے ہم جرمنوں کی مذہبی حالت بھی نہایت ہی خراب تھی۔ پبلک کے ایک بہت بڑے حصے میں کوئی ٹھوس یقین وایمان کسی عمدہ اور نیکی کی بات پر نہ رہا تھا جرمن پبلک نے کئی مشنوں اور تبلیغی جماعتوں کو ایشیا اور افریقہ میں عیسائی بنانے کے لئے بھیج رکھا تھا۔ وہ اِن کا خرچ ادا کرتی تھی لیکن خود یورپ میں کئی اصلی عیسائی اپنا مذہب چھوڑ رہے تھے اور اِدھر یہ مشن اسلام کے بالمقابل کوئی نمایاں ترقی نہ دکھلا سکتے تھے۔

عقیدہ کی اہمیّت

یاد رکھو کہ عوام النّاس کے لئے عقیدہ کا ہونا بڑی شے ہے بشرطیکہ عقیدہ٭ بذاتِ خود کسی سچائی پر مبنی ہو۔ دُنیا میں نیکی کا زندہ رہنا بُہت کچھ "عقیدہ" کی طفیل ہے۔ تمام لوگ فلسفہ داں نہیں کہ مذہب کی ہر شئے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھیں اور بعد میں یقین کریں۔ عقیدہ کا نعم البدل آجتک نہیں مل سکا۔ پبلک لائف (حیاتِ عامہ) کو برقرار رکھنے کے لئے اگر رواج کام کر رہا ہے تو حکومت کے لئے وہی شئے قانون ہے اور مذہب کے لئے عقیدہ! اس لئے کسی قوم کے مفید عقیدوں پر حملہ کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ کسی ریاست کے قانونی اصول پر۔ دونوں کا نتیجہ طوائف الملوکی اور بربادی ہے!

سیاسی رہنما کے لئے ضروری ہے کہ جب تک "عقیدے" کا نعم البدل نہ ملے "عقیدے" کی اہمیّت کو ہر وقت سامنے رکھے۔

جرمنی میں جنگ عظیم سے پہلے بہت سے لوگ لامذہب ہو گئے تھے۔ "کرسچن پارٹی"

٭ ہٹلر کے نزدیک "عقیدہ" کے معنی "پختگی یقین یعنی" ایمان "کے ہیں۔ نہ وُہ معنی جن میں آج "عقیدہ" کا لفظ مسلمانوں میں بولا جاتا ہے۔

نے مسیحیت کا غلط استعمال کرکے مذہب کو سیاست سے رلا ملا دیا تھا۔ بعینہٖ یہی بات آج کل کے "لیڈر پیشیہ علما" مسلمانوں میں کر رہے ہیں اور یہی سیاسی اغراض کو مذہبی رنگ میں رنگ کر عوام الناس کو بیوقوف بنا رہے ہیں (المشرقی) یہ وجہ تھی کہ لوگ بالآخر مذہب سے متنفر ہو گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قوم کو اس فعل کے برے نتائج دیکھنے پڑے۔ تمام مذہبی زندگی سست ہو گئی اور مذہب کا اگلا عروج پر ور زور نہ رہا!

جرمن سیاست کے نقائص اور محاسن

سیاست کے میدان میں بھی دُور بین نگاہیں جرمنی کے اندر وہ عیب دیکھ سکتی تھیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اگر ان میں تبدیلی اور ترمیم نہ کی گئی تو سلطنت کے داخلی اور خارجی استحکام کا زوال اٹل ہے۔ اوّلاً تمام سلطنت کی حکمت عملی کسی مستقل تجویز و تدبیر کے ماتحت نہ تھی اِدھر پارلیمنٹری حکومت جرمنی کے زوال کا ایک بڑا باعث تھی جو کچھ دستوری حکومت نے اب تک کیا تھا نیم دلی سے تھا۔ سلطنت کی معاہدات کی پالیسی بھی نہایت کمزور تھی۔ حکومت کا منشا ان معاہدوں سے اگرچہ صلح و امن تھا لیکن نامحسوس طور پر وہ جنگ کی طرف ہی جا رہی تھی۔ حکومت کی پولینڈ کے متعلق حکمتِ عملی نارسا اور ناقص تھی۔ اس کا مقصد پولینڈ کے باشندوں کو صرف برافروختہ کرنا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ جرمن کو فتح ہوئی! نہ پولینڈ والے راضی ہوئے بلکہ اُلٹا روس دشمن بن گیا۔ الساس لورین کی حکمتِ عملی ناقص تھی نہ الساس والوں کو برابر کے حقوق دیئے گئے نہ وہ جرمنی کے دوست بنے۔ اِدھر یہودی قوم جہاں مارکسی

ان اور جمہوری اخبارات کے ذریعے سے جو اُن کے قبضے میں تھے جرمن عسکریت کے متعلق اندھا دھند خطرناک خبریں چار دانگ عالم میں بھیج رہی تھی وہاں پارلیمنٹ کی مارکسی ان اور جمہوری پارٹیاں جرمن قوم کی عسکری تیاری کی راہ میں حائل تھیں۔ الغرض جرمنی کی شکست کا سچا باعث امن کے ایام میں ہر شے کو نصف ارادہ اور نیم دلی سے کرنا تھا۔ فوج میں ایثار ضرور تھا لیکن قوم کے باقی حصّوں پر حرص اور مادیّت نے قبضہ کیا ہوا تھا یہی وہ درسگاہ تھی جہاں حقیقی معنوں میں **وحدتِ اُمّت** کی صحیح تعلیم اور **فرقہ بندی** کے خلاف عمل ہوتا تھا۔ وہ فوج ہی تھی جس نے "جمہوریّت" کے تخیّل کے خلاف (جس کو سلطنت کے یہودیوں نے اس شدومد سے عوام میں پھیلا کر اکثریّت کی پرستش کرنا عوام کا مذہبِ عمل بنا دیا تھا) شخصی حکم کو برقرار رکھا تھا۔ ساڑھے تین لاکھ نوجوان ہر سال نسوانیت اور نرمی کے ماحول سے نکل کر اسی فوج میں اپنے جسموں کو فولاد سے زیادہ مضبوط بناتے اور یہی دو سال کی **فوجی تربیت** اور **اطاعت امیر** ان کو سالار اور سردار ہونے کے اہل بناتی۔

فوج کے ساتھ ساتھ دفتری کارندے بھی تھے جو انتظامی قابلیت میں صحیح معنوں میں بے مثال تھے۔ انہی کی برکت سے جرمنی دنیا کی بہترین منظم حکومتوں میں شمار کیا جاتا تھا۔

دوسری قوموں سے علیحدگی کی ضرورت

ایک قوم کے خون کی دوسری قوم کے خون سے آمیزش ہی نسلی انحطاط کا بڑا باعث ہے دنیا کی بڑی بڑی پرانی تہذیبیں اسی آمیزش کے باعث خاک میں مل گئی ہیں اور یہ فی الحقیقت قوموں کا تجنّب اور تجزّی ہے جو ان کی صحیح معنوں میں حفاظت کرتا رہا ہے۔ یہود وہ قوم ہے جس

نے اپنی نسل کی سب سے زیادہ حفاظت کی اور اسی لئے بچا رہا۔ یہودیت بذاتِ خود ایک ریاست ہے اگرچہ اس کا پھیلاؤ تمام دُنیا پر ہے۔ یہودی اپنی قومیت کی حفاظت میں سرشار ہے، لیکن اس کی کلچر (تہذیب) اپنی نہیں وہ جہاں رہتا ہے اُس قوم کی تہذیب کو قبول کر لیتا ہے۔

رہنما کس طرح پیدا ہوتا ہے اور قومی تحریک کے لازمات

قوم کے اندر رہنما پیدا کرنے کا صحیح باعث قوم کا ماحول ہے۔ یہ ماحول جس وقت تیار ہو جاتا ہے تو قوم میں سے صرف **ایک آدمی اُٹھتا ہے** جو اپنی قابلیت اور زور اثر سے تمام قوم کا واحد ترجمان بنجاتا ہے۔ وہ اضطراب جو لاکھوں کے دلوں میں موجزن ہوتا ہے اِس امر کا ثبوت ہے کہ قوم میں انقلاب آنے والا ہے۔

دنیا میں کسی قوم کی طاقت کا اندازہ اس کے **اعلیٰ کیرکٹر کے نفوس کے شمار سے** ہے، اُس کے ہتھیاروں کی **کثرت** سے ہرگز نہیں۔ ایک تحریک کے لئے جس کا مقصد ریاست اور حکومت قائم کرنا ہو ضروری ہے کہ عوام الناس اِس تحریک کی مکمل اور کامل تائید میں ہونے جائیں۔ جرمنی کی آزادی کو پھر واپس لانے کے لئے لابدی ہے کہ جرمن لوگوں کے دلوں میں اُس **عزم اور ارادے** کو پھر واپس لایا جائے جو آزادی کے حصول کے لئے ضروری ہے۔

۱۹۱۹ء میں شکست کے عین بعد ہی ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ تحریک مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ عوام الناس میں قومیّت کا احساس پھر پیدا کیا جائے اور عوام النّاس کو قومی تحریک کی طرف لانے کے لئے کسی کو بڑی سے بڑی معاشرتی قربانی کرنے میں بھی مضائقہ نہ ہو۔ قومیّت کا احساس ہی قومی زندگی کا دوسرا نام ہے۔

کامیاب قومی تحریک کے لازمات

عوام الناس کو قومیت کا احساس دینا نرم نرم طریقوں سے نہیں ہوسکتا یا صرف اِس طرح کہ نرم نرم اور شیر گرم الفاظ میں مُدعا کو ظاہر کیا جائے۔ اِس مطلب کے حصول کے لئے بڑی سے بڑی ذاتی قربانی بھی تھوڑی ہے اِس کے لئے بے مثال عزم اور متعصبانہ طور پر اپنے مدعا کو واضح کرنا ضروری ہے۔ عام لوگ بہت پڑھے ہوئے پروفیسر یا فلسفہ دان یا حکمتِ عملی والے آدمی نہیں ہوتے۔ جو شخص عوام النّاس کے دلوں پر قابو پانا چاہتا ہے اس کے ہاتھ میں ولولہ، تعصّب، صداقت اور بے خوفی کی وُہ کنجی ہونی چاہیئے جو عوام النّاس کے مُقفّل دلوں کو کھول دے۔ یہ صرف **عزم اور زور** سے ہو سکتا ہے نرمی سے نہیں ہوتا۔

عوام النّاس کے دلوں پر قبضہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم اپنی سیاسی قوت حاصل کرنے کی سعی وجدل کے ساتھ ساتھ مخالفین کو ملیا میٹ کرتے جائیں ,اس کے تمام وسائل طاقت کو بالآخر ٹکڑے ٹکڑے کردیں۔ عوام النّاس صرف سچے اور زور آور فریق کی طاقت اور جھوٹی اور کمزور جماعت کی بربادی کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ وہ دو مخالف فریقوں کی باہمی صلح اور ان کے مصافحے دیکھ کر خوش نہیں ہوتے۔ وہ صرف زور آور کے لئے فتح اور کمزور کے لئے شکست دیکھنا چاہتے ہیں۔ جھوٹ کے چونکہ پیر نہیں ہوتے اس لئے سچے آدمیوں کا زور آور عمل ہی مجسم فتح ہے۔

قوم کو مضبوط کرنا صرف اِس طرح سے نہیں ہو سکتا کہ ہم اُونچے طبقے کے آدمیوں کو نچلی سطح پر لاکر رکھ دیں بلکہ ادنیٰ طبقے کے آدمیوں کو بھی اونچا کردیں۔ یہ تب ہو سکتا ہے کہ ادنے

اور اعلیٰ دونوں طبقوں میں مساوات کا حس پیدا کر دیں ہر تحریک کو جو عالمگیر ہونے کا ارادہ رکھتی ہے چاہیئے کہ اپنے متعلقین صرف ان لوگوں سے لے جو عامل ہوں، کام نہ کرنے والے اور صرف باتیں بنانے والے لوگ قوم کو کسی منزل تک نہیں پہنچا سکتے۔

کامیاب تحریک کی ظاہری خصوصیات

پروپاگنڈا (یعنی نشر و اشاعت) ایسا ہونا چاہیئے جو عوام الناس تک پہنچ سکے۔ جتنا پروپاگنڈا عملاً عوام تک پہنچیگا اتنی ہی کامیابی یقینی ہے۔ ایک بڑے جلسے میں بہتر مقرر وہ نہیں جو حاضرین میں سب سے زیادہ فلسفہ دان ہو بلکہ وہ شخص جو عوام کے دلوں کو موہ سکتا ہے۔

کسی اصلاحی سیاسی تحریک کا مدعا اس طرح حاصل نہیں ہوتا کہ اس کے اغراض و مقاصد نہایت محنت اور تشریح سے بیان کئے جائیں یا حکومت وقت پر دباؤ ڈالا جائے بلکہ صرف اس طرح کہ سیاسی قوت پر قبضہ کر لیا جائے۔

ہر کامیاب تحریک کو اپنی اصلیت اور نظام میں پارلیمنٹری طریق نظم و نسق کے خلاف ہونا چاہیئے یعنی یہ کہ وہ بالالتزام اپنی تمام ترکیب اور نظام میں اکثریت (مجارٹی) کے ذریعہ حکومت کرنے کے اصول کو (جس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ تحریک کا رہنما صرف بہتوں کی رائے کے مطابق چلتا ہے) رد کر دے۔ رہنما کو چاہیئے کہ وہ ڈکیٹیٹر یعنی مختار ناطق ہو اور جو مناسب سمجھے کر دے۔ تحریک کو چاہیئے کہ غیر مشکوک طور پر اپنے رہنما کے حکم کو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا بلا چون و چرا پوری ذمہ داری سے تسلیم کرے۔ تحریک کو چاہیئے کہ ڈکیٹیٹر شپ (اختیار ناطق) کے اس اصول کو نہ صرف اپنے سپاہیوں کے اندر کے نظام کے لئے فیصلہ

کُن سمجھے بلکہ تمام ملک کے ہر شعبے میں اس کا عام رواج دے۔ ہر نظام کا اوّلین مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ ایک مخصوص تخیّل (جو ہمیشہ ایک ہی آدمی کے دماغ میں ہوتا ہے) عوام النّاس کو دے اور پھر تخیّل کو نظر (تصوری) کے میدان سے عمل کے میدان میں لائے۔

تحریک کا اندرونی نظام یہ ہونا چاہیئے کہ اس کا سب سے پہلے ایک مرکز ہو۔ اس مرکز میں بڑے سے بڑا عمل جمع ہو (مثلاً میونخ میں)۔ پھر قابل اعتبار اور مخلص آدمیوں کو ٹریننگ (تعلیم) دی جائے کہ وہ اُس تخیّل کی اشاعت کریں۔ جب ایک جگہ پر تحریک کامیابی سے چل جائے اور جگہ طاقت حاصل کرنی چاہیے۔ دوسرے علاقوں میں مقامی مرکز نہ بنائے جائیں جب تک کہ مرکز کا اختیار ہر جگہ تسلیم شدہ نہ ہو۔

کامیاب رہنمائی کے لئے نہ صرف یہ کہ اولوالعزمی اور انتہا درجہ کی قوتِ ارادی درکار ہے بلکہ وہ بے پناہ قابلیّت جس کی وجہ سے ہر عامل کے عمل کو کمال تقویت حاصل ہوتی ہے۔ بڑا ذہین اور فطین رہنما اس بے پناہ عمل کو اس قدر پیدا نہیں کرسکتا لیکن اگر تینوں باتیں رہنما میں موجود ہوں تو بہتر ہے۔

تحریک کی کامیابی کے راز

ہر تحریک کے مستقبل کا حصر اُس تعصّب، ہٹ دھرمی اور ضد پر ہے جس سے اُس کے پھیلانے والے اس کو پھیلاتے ہیں اور اپنے بالمقابل تمام دوسری مخالف تحریکوں میں سے جو اسی طرح کی ہوں اپنی تحریک کو کامیاب نکال کرلے جاتے ہیں۔

یہ انتہائی غلطی ہے کہ کامیاب تحریک کسی دوسری تحریک کیساتھ اپنے آپکو مدغم کرے۔

بظاہر یہ درست ہے کہ اتحاد سے عاملوں کی کثرت ہوجائے گی لیکن دوسرے قماش کے آدمیوں کو
اپنے رنگ میں شامل کرنا تحریک کی کمزوری کا اظہار کرنا ہے۔ جو جماعت مدغم ہونا چاہتی ہے
وہ اپنے جماعتی رنگ کو چھوڑ کر تحریک میں شامل ہو کسی زور آور اور زندہ تحریک کی عظمت اس
میں ہے کہ وہ "مذہبی تعصب" اور کامل نابُردباری سے تمام دوسری تحریکوں پر حملے کرے اور
یقین کرے کہ صرف وہی درست ہے، باقی تمام غلط ہیں۔ اگر کوئی تخیّل بذاتِ خود اور فی الحقیقت
درست ہو کر باقی تمام جھوٹے اور فریب دہ تخیّلات سے جنگ کر رہا ہے تو وہ قطعاً ناقابلِ شکست
ہے اور دنیا کی مخالفت صرف اُس کی اندرونی طاقت کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔ عیسائیت کا فروغ
اِسی نہج پر ہوا۔ اس نے نہایت بے دردی اور کامل تعصّب سے اپنے اصولوں کی حفاظت قدیم
فلسفیانہ اصولوں کے خلاف کی اور ان کو تسلیم کرنا یا ان کے ساتھ مصالحت کرنا گوارا نہ کیا۔

کامیاب تحریک کے ممبروں کو قوم کے کسی دشمن کی نفرت سے خائف نہ ہونا چاہیئے، نہ اُس
دشمن کے اُن نظریوں سے جو اُس نے حکمرانی کے متعلق قائم کئے ہیں یا اس کے تراشیدہ الفاظ
سے تحریک کو جھوٹ، افترا، مکر و فریب سب سے بے نیاز ہو کر چلنا چاہیئے۔

میری رائے میں یہودی پریس میں جس شخص کو بُرا نہیں کہا جاتا وہ صحیح معنوں میں جرمن
ہی نہیں جس تندی اور بے دردی سے دشمن قوم اخبارات میں کسی سچّے اور مخلص آدمی کو
کوسا جاتا ہے اِسی معیار سے اُس شخص کے جذبات، اُس کا ایمان اور قوتِ ارادی اصلی ہیں
اور اُسی قدر وہ آدمی سچّا ہے۔

ہر تحریک کا فرض ہے کہ وہ ہر ممکن طریقے سے اپنے آدمیوں میں شخصی تنظیم رگ و ریشہ

تک بھر دے۔ تحریک کے ہر عضو پر واضح ہونا چاہیئے کہ تمام انسانی قدر و قیمت شخصیت میں ہے۔ ہر کامیابی جو دنیا میں کبھی ظاہر ہوئی ہے **صرف ایک فرد کی قابلیت اور ایک شخص کی تخلیقی قوت کا نتیجہ ہوا کرتی ہے**۔ بڑے شخص کی عظمت کو سراہنا صرف اس کی شکر گزاری ہی نہیں بلکہ وہ تالیفی طاقت اور جوڑ دینے والی قوت ہے جو سب شکر گزاروں کو آپس میں متحد کر دیتی ہے۔ آج تک شخصیت کا بدل دنیا میں پیدا نہیں ہؤا۔

نازی تحریک کی مشکلات

تحریک کے شروع میں ہماری مشکل یہ تھی کہ ہمیں کوئی جانتا نہ تھا۔ ہمارے نام مشہور نہ تھے۔ اس گمنامی نے ہماری کامیابی کو مشکل بنا دیا۔ عوام النّاس ہمارے متعلق نہ جانتے تھے کہ ہم کون ہیں میونچ میں کسی شخص نے ہماری تحریک کا نام نہ سُنا تھا۔ اِس بنا پر پہلا ارادہ جو ہم نے کیا یہ تھا کہ جسطرح بھی ہو سکے تحریک کا نام لوگوں تک پہنچایا جائے۔ اوّل اوّل ہم نے ہر مہینے اور بعد ازاں ہر پندرہ روز کے بعد جلسے کرنے شروع کئے۔ ہم اپنے ہاتھوں سے دعوتی رقعے ٹائپ کرتے یا لکھتے۔ ایک دفعہ میں نے اسّی رقعے خود لکھ کر لوگوں کے گھر پہنچائے اور شام کو انتظار کرتے رہے کہ اب لوگ ہمارے جلسے میں آئیں گے۔ ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد وہی سات آدمی جلسے میں رہے جن سے اجلاس شروع ہوا تھا۔ اس ناکامیابی کے بعد ہم نے آپس میں چندہ کر کے اشتہار دیا۔ اس دفعہ ایک سو گیارہ آدمی حاضر ہوئے۔ میں نے وہاں آدھ گھنٹہ تک تقریر کی اور سب کو محو کر دیا۔ ہمارا صدر کچھ عمدہ تقریر کرنے والا نہ تھا۔ اس میں وہ طاقت نہ تھی جو لوگوں کو عمل پر اُکسا سکتی ہے، وہ پھُسپھُسی سی تقریر کرتا اور اپنے اندر کوئی عزم نہ رکھتا تھا۔

وہ سپاہی نہ تھا، میونچ کا صدر بھی علیٰ ہذا القیاس اِس قطع کا نہ تھا۔ البتہ میں ایک سپاہی تھا۔

یہودی ہمارے مخالف تھے کیونکہ ہم عوام النّاس پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ ۲۰-۱۹۱۹ء میں ہماری سعی تمام تر اسباب پر مرکوز رہی کہ ہم اپنی تحریک کو تعصّب اور ضد کا رنگ دیدیں۔

ہمارے ایک جلسہ میں دوسو کے قریب حاضرین موجود تھے اور لوگوں نے ہماری خوب مالی مدد کی۔ ایک مہینہ بعد چار سو آدمی آئے۔ پہلے پہل ہمارا کوئی مستقل پروگرام نہ تھا اور یہ کچھ بے وجہ نہ تھا۔ ہم بغیر کسی خاص مقصد ظاہر کرنیکے جلسے کرتے، جلسے صرف اسلئے کرتے کہ لوگ آئیں اور تحریک کا نام روشن ہو لیکن ہمیں خیال تھا کہ خاص مقصد ظاہر کرنے کے بغیر ہم میں وہ یگانگت اور اتحاد قائم نہ رہ سکیگا۔

ہماری تحریک میں بعض ایسے آدمی بھی تھے جو اپنے آپ کو "خاموش کام کرنے والے" کہا کرتے تھے۔ ان لوگوں سے خبردار رہنا چاہیئے۔ یہ نہ صرف بزدل ہیں بلکہ نالائق حرام خور جن کا پیشہ کام چوری ہے۔ میرے نزدیک جس شخص کو کسی معاملے کے متعلق معلوم ہوگیا ہے کہ درست ہے، اور وہ اس کام کے کرنے میں کوئی ذاتی خطرہ محسوس کرتا ہے لیکن ساتھ ہی اپنی آنکھوں کے سامنے اُس کا علاج دیکھتا ہے اُس کو چاہیئے کہ خاموشی سے کام نہ کرے بلکہ مجبور ہوکر مردِ میدان بنے اور عمل کرے۔ "یہ خاموش کام کرنے والے" نہ معلوم کیا لوگ ہیں اور خدا جانے ان کے دل میں کیا ہوتا ہے۔ یہ اشد نالائق لوگ ہوتے ہیں لیکن تمام دنیا کو اپنے "بڑے خیالات" کا عذر دے کر دھوکا دیتے ہیں یہ دراصل نکمے ہوتے ہیں۔ لیکن لوگوں کو اس خیال میں رکھنا چاہتے ہیں کہ "خاموش کام" میں بڑے مشغول ہیں۔ القصّہ یہ لوگ مکّار اور دھوکہ باز ہیں، دیانت دارانہ کام کو پسند نہیں کرتے۔ ایک سیدھا سادا کام کرنے والا شخص جو جہاں موقع لگے کام کرنے کے لئے جھٹ پٹ کھڑا ہوجائے

اور اپنے مخالفین کو پچھاڑ دے ایک ہزار "خاموش کام کرنے والوں" سے بدرجہا بہتر ہے!

۱۹۲۰ء میں میں نے پہلے پہل زور دیا کہ ایک بڑا جلسہ منعقد کیا جائے۔ ہر ہیرر جو ہمارا صدر تھا، اس اجلاس سے متفق نہ ہوا اور صدارت سے مستعفی ہو گیا۔ ہر ڈرکسلر اس کا جانشین ہوا۔ میں نے خود جلسے کی نشر و تبلیغ کا ذمہ لیا۔ ۲۴ فروری ۱۹۲۰ء تاریخ مقرر تھی میں نے خود انتظامات کئے۔

ہم نے تحریک کا نشان سُرخ تجویز کیا کیونکہ اس رنگ میں لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کا مصالحہ موجود تھا اور یہ رنگ ہمارے دشمنوں کو بھڑکاتا اور دُکھ دیتا تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ ہم دشمنوں پر اپنی ہستی کا نقش کر دیں اور انہیں ہم کو دیکھ کر خار لگے۔ تمام ہال ۷ بجے شام تک دو ہزار آدمیوں سے بھر گیا۔ پہلے مقرر کے بعد میری باری تھی۔ چند لمحوں میں مختلف اطراف سے لوگ مجھ پر اعتراض کرنے لگے اور ایک کہرام مچ گیا۔ میرے چند ساتھیوں نے عوام کو روکنے کی سعی کی اور میں بولنے لگا۔ آدھ گھنٹے کے بعد اعتراض کم ہو گئے بلکہ ہر طرف واہ واہ ہونے لگی! آخر کار جب میں نے اپنے پچیس نکات بیان کئے تو تمام ہال ایک نئے یقین، نئے ایمان اور نئے ارادہ سے بھر اٹھا۔ میری تقریر نے در اصل اس مجمع میں ایک آگ لگا دی تھی جس کی چمک میں سے بالآخر تلوار کا ظہور ہونا تھا اور اسی تلوار نے جرمنی کو آزادی اور زندگی عطا کرنی تھی!

عالمگیر تحریک کا بلند مقصد

ہمیں یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ اگر ہم نے اپنی تحریک سے عوام النّاس کے دلوں میں یہ خیال پیدا کر دیا کہ ہم "کسی الیکشن کے واسطے پروپاگنڈا کر رہے ہیں" اور شروع سے ہی دنیا کے سامنے اپنی تحریک

کا ایک نیا اور بلند منظر اُصولاً پیش نہ کیا اور یہ پست خیال لوگوں کے دلوں میں گر گیا، تو ہم اپنی تحریک کا وہ وقار، وہ طاقت اور وہ رعب ہرگز قائم نہ کر سکیں گے جس کے ہم روزِ اوّل سے خواہش مند تھے۔ الیکشنوں اور پارٹیوں کی لڑائیوں میں جو ذلیل مقاصد چھپے ہوتے ہیں ہر شخص پر ظاہر ہیں۔ لوگ انہی ذلیل مقاصد کو چمک دے کر اور نئے رنگ میں رنگ کر عوام الناس کے سامنے پیش کر دیتے ہیں لیکن جس وقت الیکشن ختم ہو جاتی ہے اور ممبر پانچ پانچ سال کے لئے منتخب ہو جاتا ہے تو سب اہلِ غرض پبلک سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔ ممبر اپنی تنخواہ اور ناجائز فائدوں کے مزے اڑاتا اور عوام سے بے نیاز ہو جاتا ہے! اس طرح کی زمین جو غرضمند اور بدمعاش رہنما کسی آئندہ الیکشن کی جنگ کے لئے تیار کرتے ہیں ہرگز ہرگز کسی بڑے مقصد کے لئے طاقت تیار نہیں کر سکتی اور نہ ایسی پست اغراض کو پیشِ نظر رکھ کر ہم جرمن میں یہودیت کے غلبے کا مقابلہ کر سکتے تھے؟

"الیکشن زدہ رہنماؤں" کا ذلیل کام

الیکشن کے موقع پر کوئی دین، کوئی ایمان، کوئی اصول قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک شخص کو ممبر بنانے کے لئے اِن باتوں کو حسب ضرورت یک طرف پھینک دیا جاتا ہے۔ اِن لوگوں کے پروگرام بھی ضرورت وقت کے مطابق ہوتے ہیں۔ ان میں وہ مقناطیسی کشش اور جاذبیت نہیں ہوتی جو عوام میں بڑے اور بلند مقاصد کا زیرِ اثر خود بخود پیدا کر دیتا ہے اور جو بالآخر بے گمان یقین کے ساتھ ساتھ جنگ وجدل کی ایک بے پناہ متعصب طاقت قائم کرنے میں مدد دیتا ہے!

ہر کامیاب تحریک کا فوجی شکل اختیار کرنا لازمی ہے

محض خواہشات یا عوام الناس کی متقیانہ دعائیں کسی قوم کو نصب العین اور مراد کی منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے اتنی ہی بے سود اور ناکارہ ہیں جتنا کہ عوام الناس کا آزادی کے لئے محض ارمان قوم کو آزاد کرا سکتا ہے۔ نہیں، جب تک وہ نصب العین جو آزادی کی طرف لے جا رہا ہو بذاتِ خود ایک ایسی لڑنے والی جماعت نہ بنا دے جو **فوجی طاقت** کی شکل میں ہو، قوم کی خواہشات کو پورا کرنا ایک خیالِ خام ہے!

کوئی عالمگیر تخیل خواہ وہ کتنا ہی درست اور مفید ہو قوم کو زندہ کرنے میں بیکار ہوگا جب تک کہ اس کے اصول پر ایک ایسی **جنگی تحریک** کی بنیاد کھڑی نہ کی جائے جو بطور جماعت اپنا مستقل وجود اس وقت تک قائم رکھ سکے جب تک کہ فتح و ظفر اس کے قدم چوم لے اور اس جماعت کے عقیدے اور اصول تمام ملک کے سیاسی قانون بن جائیں!

الغرض ان امور کو مدِّ نظر رکھ کر میں اس امر پر تیار ہو گیا کہ اپنی جماعت یعنی نیشنل سوشلسٹ جرمن ورکرز پارٹی (جرمن حزب العمال) کے اصول ان تمام ملاحظات کو پیشِ نظر رکھ کر وضع کروں۔

۱۹۲۰-۲۱ء میں ہی اعلیٰ طبقے کے لوگوں نے ہم پر الزام لگایا کہ ہم دراصل **قائم شدہ حکومت** کے منکر ہیں۔ اس بنا پر الیکشن زدہ سیاست دان ہماری بیخ و بنیاد اکھاڑنے پر تُل گئے۔ ہم "حکومت" کے متعلق بالکل الگ خیالات رکھتے تھے۔ ہم ہر اُس شخص کو جس نے جرمن زبان سیکھ لی ہو اور غیر قوم کا ہو دراصل جرمن نہ سمجھتے تھے، ہمارا "جرمن رنگ میں رنگ دینے" کا تخیل ہی کچھ اور تھا۔ ہم کہتے تھے کہ "جرمن دراصل وہ ہے جو خون سے جرمن ہے۔ زبان، تہذیب یا تمدن

کو اختیار کر لینا کسی شخص کو جرمن نہیں بنا سکتا۔ اجنبی خون نے جرمنی کے قومی کیرکٹر کو تباہ کر دیا تھا اسلئے کوئی حکومت بہتر قوم پیدا نہیں کر سکتی وہی نسل بہتر قوم پیدا کرتی ہے جس میں بہتر قوم بننے کی خاصیتیں اور کیرکٹر پیدا ہو جائے۔"

حکومت کے فرائض

جرمنی کے باشندوں میں وہ عصبیت اور اتحاد موجود نہ تھا جو لامحالہ اُس وقت ہوتا ہے جب سب کی سب قوم ایک خون سے ہو اور خطرہ کے وقت سب یک دل ہو جائیں۔ اس عدم اتحاد نے جرمنوں کو بے حد نقصان پہنچایا۔ جرمن حکومت کا فرض ہے کہ وہ سب جرمنوں کو اپنی طرف کھینچے اور ان کو غلبے کے مقام پر پہنچانے کی سعی کرے۔ جب چند آدمی کسی نئے خیال کو لے کر اُٹھیں گے اور قوم میں ایک تخیل پر متحد ہونے کی اہلیت ہوگی تو وہ سب پر غالب آجائینگے!

پہلا فرض حکومت کا ہمارے نزدیک یہ ہے کہ مرد و عورت کے تعلقات یعنی رسم ازدواج کو ایک اعلیٰ اور مقدس مقام تک پہنچائے، بدکاری اور زناکاری کو روکے، صحیح الجسم تندرست اور حلال اولاد پیدا کرنے کا انتظام کرے۔ اُن بدمعاشیوں کو روکے جن سے عمدہ، صالح، باقاعدہ اور جائز اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ قوم کے بچّوں کو قوم کی بہترین جائداد قرار دے۔ صرف تندرست آدمی تندرست بچّے پیدا کریں، کمزور اور بیمار آدمیوں کو بچّے پیدا کرنیکی اجازت نہ ہو۔ تندرست اور توانا بچّے قوم میں پیدا ہوں، بچّے پیدا کرنے والی عورت کو بچّہ پیدا کرنے میں وہ سختیاں نہ پیش ہوں جو اولاد کو والدین کے لئے لعنت بنا دیتی ہیں۔ الغرض جب تک ازدواجی تعلقات میں ایک تقدس اور اخلاقی قوت پیدا نہ ہو قوم بلند نہیں ہو سکتی۔

جسمانی صحّت کی اہمیّت

تعلیم وتربیت کا انداز یہ ہونا چاہیئے کہ نوجوانوں کے دلوں میں یہ بات کوٹ کوٹ کر بھر دی جائے کہ بیمار اور کمزور ہونا سب سے بڑی بدبختی ہے! عوام النّاس کے خیالات کا صحّت اور جسمانی توانائی کی طرف تبدیل کرنا حکومت کا اوّلین فرض ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وُہ عوام النّاس کی اولاد کو اس قدر مضبوط بنا دے کہ وہ اولاد آئندہ مضبُوط اور توانا بچّے پیدا کر سکے۔

حکومت کو نوجوانوں کی تعلیم صرف اِس طریقے پر نہیں کرنی چاہیئے کہ بچّے اپنے دماغ میں علم کے چند نکات پمپ سے بھر لیں بلکہ وہ اپنے **جسموں کو دُرست کریں۔** جسمی درستی کے بعد ذہنی توانائی کا درجہ ہے لیکن اِس درجہ میں بھی پہلی شئے صحیح تربیت اور اخلاق ہے۔ علی الخصوص قوّتِ ارادی، عزم اور ذمّہ داری کے صحیح احساس کا پیدا ہو جانا۔ سب سے آخر درجہ پر رسمی تعلیم یعنی چند واقعات کا یاد کر لینا ہے!

حکومت کو اس امر کا احساس ہونا چاہیئے کہ ایک صاحبِ ارادہ، اولو العزم اور ذِمّہ داری کو محسُوس کرنے والا انسان ایک کتابی علم سے بھرے ہوئے شخص سے جس کی صحّت کمزور ہے بدرجہا بہتر ہے!

الغرض جسم کو مضبُوط کرنا نہ صرف اِس لئے **حکومت کا فرض** یا والدین کا کام ہے کہ وہ ایک خوبی ہے بلکہ یہ وہ ضروری شئے ہے جس پہ قوم کی زندگی اور حفاظت کا دارومدار ہے۔

حکومت کو ایسا انداز اختیار کرنا چاہیئے کہ نوجوان بچّے بچپن ہی میں پکڑ لیے جائیں اور آئندہ زندگی کی سختیوں کے لیئے اِسی عمر میں تیّار ہو جائیں۔ اس امر کا بالخصوص لحاظ ہونا چاہیئے کہ

قوم گھر کے زنانخانوں میں بیٹھنے والے آدمی پیدا نہ کرے!

قومی حکومت کے مدرسوں کی تصویر اور روزانہ ورزش

قومی حکومت میں سکول اپنا زیادہ وقت جسمانی ورزش کے لئے مقرر کریں۔ کوئی دن ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ بچہ کم از کم ایک گھنٹہ جسمانی ورزش صبح و شام نہ کرے۔ کھیلوں اور ورزشوں میں مکّہ بازی کو کبھی حذف نہیں کرنا چاہیئے۔ لوگ اس کسرت کو ذرا غیر مہذّب سمجھتے ہیں تعلیمیافتہ لوگوں میں اسکے متعلق ناقابل یقین طور پر برے خیالات رائج ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک مسلّح لڑائی کرنا یا کسی عورت کی حمایت میں دو بدو جنگ کرنا بالکل درست ہے لیکن مکّہ بازی سیکھنا غیر مہذّب! حملہ کا حوصلہ پیدا کرنیوالی اس سے بہتر کوئی شے نہیں! دو جوان آدمی اگر اپنی لڑائی بجائے تلوار کے مکّے سے فیصلہ کریں تو کیا برا اور کیا غیر مہذّب ہے؟ اگر ہماری جرمن قوم مکّہ بازی میں ماہر ہوتی تو آج جرمن انقلاب ہرگز نہ ہو سکتا، نہ جرمن فوج میں غدّار ہوتے۔ یہ باتیں اسلئے ہوئیں کہ جرمن قوم کثرت سے مرد میدان پیدا نہ کر سکی، اس کا زیادہ تر زور دفتری آدمیوں، انجینئروں، ججوں، ادیبوں اور پروفیسروں کے پیدا کرنے کی طرف رہا۔ قوم میں قوّت ارادی کا نہ ہونا قابل صد شرم ہے!

اعتمادِ نفس کی ضرورت

اعتمادِ نفس (یعنی اپنے آپ پر بھروسہ کرنا) وہ شے ہے جس سے قوم بنتی ہے، اور یہ اس وقت جرمن قوم میں اس حد تک نہیں کہ قوم کو مضبوط کرے۔ یہ اعتماد ہر بچے میں شروع سے پیدا کرنا چاہیئے۔ اولاد کی تعلیم اس طریقہ پر ہونی چاہیئے کہ قوم کے بچے شروع سے ہی محسوس

کریں کہ وہ تمام دوسری قوموں سے اعلیٰ وافضل ہیں جسمانی قوت اور ورزشی ہنروں سے
ان میں یہ ایمان پیدا ہو جانا چاہیئے کہ جرمن قوم ناقابلِ شکست ہے! یہی وہ اعتماد تھا جس نے
اِس سے پہلے جرمن قوم کو فتح دی تھی۔ اعتماد ہی آزادی پھر دلا سکتا ہے لیکن یہ اعتماد ایک
ایسا یقین ہونا چاہیئے جو لاکھوں نفوس مشترک طور پر اپنے دلوں میں رکھیں۔ کوئی شخص
غلط فہمی میں نہ رہے! جس طرح کی عظیم الشان شکست ہماری قوم کو ہوئی ہے
ویسی ہی عظیم الشان کوشش اِس ناخوشگوار حالت کو ختم کرنے کیلئے ہونی چاہیئے!

اسکولی تعلیم کے بعد ورزش کی ضرورت

قومی حکومت کا فرض ہے کہ جسمانی صحت کا بلند معیار نہ صرف سکول کی عمر میں برقرار رکھے
بلکہ سکول کے بعد بھی نگرانی کرے۔ دیکھے کہ وہ نوجوان اپنی صحت کو بہتر اور جسم کو زیادہ طاقتور کر
رہا ہے یا نہیں۔ یہ خیال کرنا داخلِ حماقت ہے کہ نوجوان کی صحت کی نگہداشت صرف مدرسے
میں ہونی چاہیئے یا جب وہ فوجی تربیت کے لئے داخل ہو۔ یہ فرض ہر وقت موجود ہے۔ فوج اس
لئے نہیں کہ لوگوں کو صرف مارچ کرنا یا ہشیار کھڑے رہنا سکھلایا جائے بلکہ یہ قومی تربیت
کا آخری اور سب سے اعلیٰ مدرسہ ہے۔

اطاعتِ امیر اور خاموشی

نئے بھرتی شدہ آدمی کو نہ صرف اپنے ہتھیار کا استعمال سیکھنا چاہیے بلکہ اپنی آئندہ
زندگی کے لئے تربیت۔ اِسی فوجی سکول میں ہی وہ صحیح آدمی بن سکتا ہے۔ اس کو نہ صرف
اطاعت ہی سکھلانی چاہیئے بلکہ آئندہ چل کر کمان کرنا۔ اس کو چاہیئے کہ کامل خاموشی

سیکھے۔ہاں!خاموشی نہ صرف اُس وقت جبکہ بجا طور پر اُس کو تنبیہ کی جائے یا الزام لگے بلکہ اُس وقت جب کہ اس پر صریح ظلم مصلحتہً یا سہواً کیا جا رہا ہو!

بس اسی اپنی ذاتی طاقت کے اعتماد سے مسلّح ہو کر،نیز اس جماعتی روح سے جو وہ اوروں کے ساتھ ساتھ محسوس کرتا ہے،نوجوان لڑکے کے دل میں یہ اعتقاد بیٹھ جانا چاہیئے کہ کوئی طاقت اُس کی قوم کو شکست نہیں دے سکتی!جب جرمن نوجوان کی فوجی تربیت ختم ہو جائے تو اس کے پاس دو سندیں ہونی چاہئیں۔ایک قومیت کی سند تاکہ معاملاتِ عامّہ (پبلک افیئرز) میں حصہ لے سکے اور دوسری صحت کی سند تاکہ شادی کر سکے۔

عورتوں کی تربیت

عورتوں کی تربیت میں زیادہ تر زور جسمانی تربیت اور بعد ازاں اعلےٰ اخلاق پر ہونا چاہیئے اور سب سے اخیر ذہنی تربیت پر لیکن عورتوں کی تربیت تمامتر اس پر مرکوز ہونی چاہیئے کہ عمدہ مائیں بن سکیں۔

غالب قوم کے اخلاق کا بڑا جُز خاموشی ہے

کتنی بار اس جنگِ عظیم میں دردناک طور پر شکایت سُنی گئی ہے کہ افسوس جرمن لوگ خاموشی کی عادت نہیں رکھتے اور کتنی دفعہ اس بُری عادت کی وجہ سے عظیمُ الشان راز دشمن کو مِل گئے۔ذرا سوچو کیا جرمن قوم کی تعلیم جنگِ عظیم سے پہلے اس قطع کی تھی کہ خاموشی کو دُنیا کی مردانہ نیکیوں میں شمار کرتی؟ ہمارا آجکل کا اسکولی نصاب خاموشی کے بلند اخلاق کو کوئی اہمیّت نہیں دیتا لیکن یہی غیر اہم شے آج ہماری قوم سے قانونی اخراجات کی شکل میں

کروڑوں روپیہ خرچ کراتی ہے کیونکہ ۹۰ فیصدی ہمارے توہین کے مقدمات صرف اس لئے دائر ہوتے ہیں کہ ہم خاموش نہیں۔ بے پروائی سے ہم ایک دوسرے کے خلاف بدزبانی کردیتے ہیں۔ ہماری عالمگیر تجارت کو اسی غیر خاموشی سے نقصان پہنچ رہا ہے اکثر تجارتی راز فاش ہوجاتے ہیں اور ملک وسلطنت کے استحکام کے لئے کئی خاموش تیاریاں صرف اسلئے بے نتیجہ ہوجاتی ہیں کہ لوگ آپس میں خاموش نہیں رہ سکتے۔ میدانِ جنگ میں سپاہیوں میں یہ بک بک کرنے کی عادت ممکن ہے کہ لڑائی میں شکستِ فاش دے اور جنگِ عظیم کے بُری طرح ختم ہونے کی اصلی وجہ یہی ہے۔ جو شے سمجھنے کے قابل ہے یہ ہے کہ جس شے کی بچپن میں مشق نہیں ہوئی اس کو آگے چل کر حاصل کرنا قریباً ناممکن ہے!

الغرض اعتمادِ نفس، ایثار اور خاموشی وہ بلند اخلاق ہے جو ایک بڑی اور عظیم الشان قوم کے ماتھے پر لکھا ہونا چاہیئے اور انہی باتوں کی مدرسوں میں تربیت دینا اُن ہزاروں اور لاکھوں باتوں سے جو مدرسوں میں یونہی یاد کرادی جاتی ہیں ہزار درجہ زیادہ اچھا ہے۔

۱۹۱۸ء میں عام شکایت تھی کہ جرمنی کی قوتِ فیصلہ بادشاہ سے لے کر آخری کمانڈر تک کمزور پڑگئی تھی۔ یہ لعنت ہماری تعلیم کا نتیجہ تھی۔ قوتِ ارادی کا کمزور ہونا ہی ہماری شکست کا صحیح باعث تھا۔ ہمارے ایک جرمن جرنیل کا مقولہ تھا کہ "میں کبھی کوئی کام نہیں کرتا جب تک مجھے ۵۱ فیصدی کامیابی کی اُمید نہ ہو" یہ مقولہ صاف بتلاتا ہے کہ ہمارا کیرکٹر کسقدر کمزور ہے!

قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ کے ساتھ ساتھ ذمہ داری کی مسرت اور اپنے قصوروں کا بے خطر اقرار بھی شامل کردینا چاہیئے۔

سائنٹیفک تعلیم میں ۹۰ فی صدی وہ غیر ضروری مضامین نہ ہونے چاہئیں جو ہم بالآخر بھول جاتے ہیں۔ تاریخ میں صرف چند تاریخیں اور نام یاد رہ جاتے ہیں لیکن بڑی بڑی باتیں اور نتائج اور خاکے پیشِ نظر نہیں کئے جاتے۔ تاریخ کا پڑھانا صرف یہ معلوم کرنے کے لئے نہیں کہ کیا ہوا بلکہ اسلئے کہ آئندہ کیا ہوگا۔ رومن ہسٹری نہ صرف اب بلکہ ہمیشہ کے لئے ہمیں بہترین تعلیم دیتی ہے۔

سائنٹیفک تعلیم میں بطل پرستی (یعنی قوم کے بڑے بڑے لوگوں کی قدر کرنے) کی تعلیم پیش پیش ہونی چاہیئے تاکہ ہمیں اپنے ابطال پر فخر ہو۔ اعلیٰ تعلیم و تربیت میں بالعموم آسودہ حال لوگ شامل کئے جاتے ہیں اور ذہانت کی طرف کم توجہ ہوتی ہے یہ غلط نظریّہ ہے۔

قومی ریاست کا فرض ہے کہ سائنس کی ایجادات کو قومی فخر کے بڑھانے کا ذریعہ بنائے! ایک موجد پر جو اپنی قوم کا ہے قوم کو بجا فخر ہونا چاہیئے۔

لیکن قومی نقطۂ نظر سے اس تمام تعلیم کا اختتام فوجی ملازمت پر ہونا چاہیئے۔

دستوری حکومت کے نقائص اور ڈکٹیٹر شپ کی ضرورت

"مارکسی اِن" عقیدہ کہ "ہر انسان دوسرے انسان کی طرح ہی ہے" "شخصیت کی اہمیت کو فنا کر دیتا ہے اور کسی نسل کی فضیلت کے دعوے کی بیخ و بنیاد اکھاڑ دیتا ہے۔ کوئی تحریک جو اس اصول کو تسلیم کرتی ہو در اصل دنیا میں کوئی بڑی اصلاح نہیں پیدا کر سکتی کیونکہ اُس کا عمل صرف سطحی ہوگا۔ اگر انسان اپنی ترقی کے پہلے مدارج میں حیوانات سے علیحدہ ہوگیا تو اس کی وجہ قوتِ ایجاد تھی۔ وہ قوتِ ایجاد اپنی حفاظت اور باقی حیوانات پر حملہ کرنے میں صرف ہوئی لیکن

اس کشمکش میں بھی موجد کی شخصیت نمایاں تھی۔ ایک ایجاد کے بعد دوسری ایجاد ہوئی۔ اس ایجاد کو عوام النّاس نے تسلیم کیا اور شخصیت کا اثر اور نمایاں ہوتا گیا۔ آج یہی ایجادیں ترقی پاکر ہمارے زمانے کی محیّر العقول علمی ایجادیں بن گئی ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی تمام ترقیاں اور حضرت انسان کی تمام بلند پروازیاں صرف شخصی اثر کی اہمیّت کا نتیجہ ہیں۔ ہر شخص جو دنیا میں اصلاح پیدا کرتا ہے در اصل عوام النّاس پر حکمران ہے کیونکہ اُس کی شخصیّت کو دنیا نے قبول کیا ہے!

اس تمہید سے ہم اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ سکتے ہیں کہ دنیا میں تمام نظام در اصل ایک یا متعدّد دماغوں کو عوام النّاس پر حکمران کر کے پیدا ہوا ہے اور نظام پیدا کرنے میں شخصیت کا اثر کبھی زائل نہیں ہوا۔

جب تمام انسانی تہذیب شخصیّت کی تخلیقی قوت کا نتیجہ ہے تو آج ہماری سیاسی زندگی میں اکثریّت کو ہر فیصلہ کی طاقت کا علمبردار قرار دینا در اصل قومی زندگی میں موت اور زوال کا زہر بھر دینا ہے۔

"مارکس ازم" کا اصول در اصل اسی شخصیّت کے اثر کو اُڑا کر اس کی جگہ اکثریّت کی طاقت کو رواج دیتا ہے۔ سیاست میں اس شے کا نام دستوری حکومت ہے اور یہی شے ہے جو آج جرمنی کے تمام نظام کو چھوٹی سی چھوٹی کونسل سے لیکر بڑی سے بڑی حاکم طاقت تک زہر آلود کر رہی ہے۔

دُنیا کا نظریۂ قومیّت اس نقطۂ نظر سے "مارکسی ازم" نظریّے سے قطعاً مختلف ہونا چاہیئے اس کا حصر تمام ترنسل کی اہمیّت پر ہونا چاہیئے نہ محض اکثریّت پر۔ اور شخصیّت کا اثر اس میں نمایاں ہونا چاہیئے۔ قومی سلطنت کو انتھک کوشش اس امر کی کرنی چاہیئے کہ تمام حکومت

اکثریت یعنی عام بھیڑ کے قبضے سے باہر نکل کر کی جائے تاکہ ایک شخص کی بے چون وچرا اطاعت مستحکم ہو۔ بہترین ریاست اور نظام وہی ہے جس میں قوم کے بہترین دماغ کو ہر شخص کھلے طور پر ہاتھ اٹھا کر اپنا رہنما اور سردار بنائے!

چاہیئے کہ کسی جگہ کوئی اکثریت (مجارٹی) کوئی فیصلہ نہ کرے۔ صرف ذمّہ دار اشخاص کی ایک مجلس ہو جس سے مناسب مشورہ لیا جائے۔ اگر یہ ہو جائے تو لفظ "کونسل" (مجلس شوریٰ) آج پھر اپنے اصلی معنوں میں آجاتا ہے۔ ایسی حالت میں ہر حاکم کے گرداگرد کونسلر (یعنی مشورہ دینے والے ہونگے) لیکن فیصلہ صرف ایک ہی شخص کے ہاتھ میں ہوگا۔

قومی حکومت کو اس سے مُخل نہ ہونا چاہیئے کہ ماہرین علم و ہنر کو اپنے مشوروں میں مدعو کرے۔ حکومت اپنی قائم مقام مجلس کو مختلف سیاسی شعبوں میں تقسیم کر سکتی ہے جن میں مختلف تجارتوں اور پیشیوں کے شعبے بھی ہوں۔ ان سب پر ایک منتخب سینیٹ (Senate) ہو لیکن نہ سینیٹ اور نہ چیمبر کو اختیار ہوگا کہ وہ فیصلے کریں۔ اُن کو کام کرنے کے مقرر کیا گیا ہے فیصلوں کے لئے نہیں۔ فیصلہ صرف ایک شخص یعنی صدر جمہوریّت کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ تمام ریاست کا وہی ایک مختار ناطق ہے!

مخالفت کا مقابلہ

عالمگیر اصول جب دنیا میں رائج ہونے کے لئے منصّۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہیں تو مخالفت کا پیدا ہو جانا لابدی ہے۔ لیکن عالمگیر نظریّہ اس امر کا متحمل نہیں ہوتا کہ جہاں وہ رائج ہو رہا ہے اور

کمتر نظریئے بھی چلتے رہیں۔ وہ اصرار کرتا ہے کہ صرف میں ہی تسلیم شدہ بنوں اور باقی سب کی بیخ وبنیاد اکھاڑ دی جائے بلکہ تمام آئندہ تہذیب اور سوسائٹی کی بنیاد اُس پر ہو۔ یہی حالت مذاہب کی ہے۔ عیسائیت جب نمودار ہوئی اُسنے کفر کے سب نشیمن زور سے توڑ دیئے۔ یہی وجہ تھی کہ عیسائیت کو فروغ ہوا۔ سیاسی جماعتیں آپس میں مسامحت روا رکھ سکتی ہیں لیکن عالمگیر اُصول کے پیش نظر کوئی رواداری نہیں ہو سکتی۔ اِن کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ وہی اور صرف وہی درست ہیں باقی سب جھوٹ ہے۔ سیاسی جماعتیں اگرچہ کبھی کبھی عالمگیری کا دعویٰ کرتی ہیں لیکن ان کے اصولوں کی آگے کی نامگی اور کم ظرفی ہی اُن کی طاقت کو بالآخر کمزور کر دیتی ہے!

عالمگیر اُصول اُس وقت تک دنیا میں غالب نہیں آسکتا جب تک کہ اُس کے علمبرداروں میں سے ہر ایک کمال جرأت اور مضبوطی سے اُس اصول کی حمایت میں کھڑا ہو کر اپنی جماعت میں جنگ وجدال کی بے پناہ طاقت پیدا نہ کرے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر لڑنے والے کو تحریک کے رہنما کے تخیّل یا ذہنی اعمال کا پورا پورا اعلم ہو یا تحریک کے تمام مالہٗ وماعلیہ کے جاننے پر پوری قدرت رکھتا ہو۔ وہ فوج کچھ شے نہ ہوگی جس کے اندر سب کے سب جرنیل ہیں سپاہی کوئی نہیں! بعینہٖ اسی طرح کسی تحریک کے اندر سب کا ماہر اور عالم تحریک ہونا مفید نہیں۔ متعصّبانہ لڑائی کرنے والے سپاہی، اور مخالف کو دیکھ کر تحمّل نہ کرنے والے جانبازوں کی زیادہ ضرورت ہے۔

رومن کیتھولک عیسائیوں کو دیکھو۔ اِن کے کئی ایک اصول ہیں جو آج صاف طور پر سائنس کے منافی ہیں لیکن عیسائیت سائنس کے بالمقابل ایک حرف چھوڑنے کو تیار نہیں۔ اُن کو معلوم ہوگیا ہے کہ اگر ہم آج سائنس سے صلح کر کے اپنے مذہب کی ترمیم کریں تو ہماری طاقت دنیا میں کمزور

ہو جائے گی ہماری بہتری اس میں ہے کہ ہم تعصب اور ضد سے اپنے عقیدوں پہ جمے رہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ رومن کیتھولک فرقہ آج سب سے زیادہ مضبوط فرقہ ہے!

نازی تحریک کی ابتدائی تاریخ اور مخالفت کا سیلاب

۲۴ فروری ۱۹۲۰ء کا بڑا اجلاس (جس کا ذکر کتاب کے شروع میں ہوا تھا) ابھی ختم ہی ہوا تھا کہ ہم نے ایک اور بڑے اجلاس کی تیاری شروع کی۔ اب تک ہم میں ماہانہ یا ہر دو ہفتہ کے بعد ایک جلسہ کرنے کی ہمت نہ تھی لیکن اس اجلاس کے بعد ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہر ہفتہ ہم اکٹھے ہوا کرینگے اور ایک جلسہ کریں گے۔

ہمارا بہر حال ہر دفعہ پہلے سے بہتر بھرا ہوتا تھا، لوگ ہماری باتوں کو زیادہ توجہ سے سنتے۔ ہم عام طور پر جلسہ کی ابتدا اسی مضمون سے کرتے کہ "جنگِ عظیم کا قصوروار کون تھا؟" لیکن لوگوں کا میلان زیادہ تر صلح ناموں کی شرائط پر بحث کرنا تھا۔ یہ تقریریں نہ صرف مناسب بلکہ ضروری سمجھی گئیں۔ ان دنوں میں اگر کسی جلسے میں معاہدہ ورسیلز پر بحث ہوتی تو حکومت کے نزدیک یہ غداری تھی۔ اُدھر عوام نہ سمجھ سکتے تھے کہ معاہدہ ورسیلز قوم کے لئے باعثِ شرم ہے۔ یہودیوں کے غلط پروپاگنڈا نے اُن کو اندھا کر دیا تھا۔ مجھے سمجھ میں آگیا کہ اس تمام فساد کو دور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ "جنگِ عظیم کا کون قصوروار تھا" کے مسئلے کو پہلے صاف کیا جائے۔

میرا دستور یہ تھا کہ میں اپنی تقریر میں پہلے ہی دشمن کی دلیل کے پرخچے اڑا کر رکھ دیتا۔ اُس کے دلائل کو کھوکھلا ثابت کر کے اپنا سکہ جماتا۔ معاہدہ ورسیلز اور معاہدہ برسٹ لٹوسک دونوں پر بحث کر کے ثابت کرتا کہ مؤخر الذکر کس قدر مناسب اور مقدم الذکر کس قدر ظالمانہ تھا۔ میں اپنی

تقریروں کے باعث رفتہ رفتہ ایک بڑے پایہ کا مقرر ہوگیا۔

مقرر اور محرر (یعنی تقریر کرنے والے اور لکھنے والے) میں فرق ہی یہی ہوتا ہے کہ مقرر اپنے حاضرین کے چہروں سے اپنی تقریر کے اثر کا اندازہ کرسکتا ہے اور محرر کو یہ بات میسر نہیں۔ اسی لئے تقریر بہت جلد تعصبات پر غالب آسکتی ہے۔ تقریر کرنے والا اپنے اثر کا ہر لحظہ اندازہ کرکے اپنی تقریر کو عوام کے مذاق کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ یہ وجہ تھی کہ ہم بالآخر اپنی بے پناہ تقریر سے عوام الناس کے تعصبات کو بدل دینے میں کامیاب ہوا!

ہمارے مخالف "سرخ جھنڈے کے لوگ" تھے وہ ہمارے جلسوں میں فساد کی نیت سے آتے۔ ہم نے اپنے اشتہارات کا رنگ بھی سرخ رکھا تاکہ ہم پارلیمنٹ کے میسرہ (بائیں طرف یعنی حکومت کی معاون جماعت) کو بھی دکھ دیں، اور وہ بھی ہمارے جلسوں میں آئیں کہ ان سے دوبدو کلام ہوسکے۔ اس طریقہ سے مخالفین کا ایک کہرام مچ گیا۔ لوگ ہم پر "غداری اور شہنشاہیت" پسندی کے آوازے کستے۔ اب جلسے بھی اس قدر پررونق ہوتے کہ وقت مقررہ سے پون گھنٹہ پہلے تمام جگہ بھر جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ بارود میں دیاسلائی لگانے کی دیر ہے لیکن لوگ اگرچہ مخالف بن کر ہمارے جلسوں میں شریک ہوتے لیکن جب وہاں سے اٹھتے تو خیر موافق نہ سہی تو کم از کم سوچ کی حالت میں اٹھتے اور اس امر کے لئے تیار رہتے کہ وہ ہمارے اصولوں کا تنقیدی نظر سے دیکھنے کے لئے امتحان کریں!

قومی مخالفین کا شرمناک جھوٹ

یکایک تمام ملک میں شور مچ گیا کہ "لوگو! اس فتنہ انگیز جماعت سے بچو!" لوگ حیران

ہو گئے! "سُرخ پریس" بھی اسی طرح کے الزام ہم پر دھرنے لگا۔ لوگ ہمارے حالات دریافت کرنے کے متلاشی رہتے اور ایک مُدت تک ہم کو دنیا میں بڑا مجرم قرار دیا .... جھوٹ، افترا ضمیر فروشی اور بد دیانتی سے بھرے ہوئے کئی مضامین جو الف سے لے کر یے تک مصنوعی تھے ہمیں بدنام کرنے کے لئے لکھے گئے۔ لیکن تھوڑی مُدت کے اندر اندر مضامین لکھنے والوں کو خود ہی یقین ہو گیا کہ یہ حملے بے اثر ہیں بلکہ اُلٹا عوام الناس کی توجہ کو ہم پر مرکوز کرنے کیلئے مفید ہیں!

مخالف غیر معمولی طور پر بزدل تھے اور ہم سپاہی، اس لئے کسی کو ہمارے جلسوں میں مزاحمت پیدا کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ تمام بڑے بڑے موقعوں پر یہ قابلِ نفرت بدمعاش ہمارے جلسوں کے ہال کے باہر کھڑے منتظر رہتے۔ انہی ایام میں ہم نے اپنے جلسوں کی حفاظت کا سامان اپنے ہاتھوں میں لیا۔ پولیس یا سرکاری حفاظت پر اعتماد کرنا فضول ہے بلکہ تجربہ سے ثابت ہے کہ پولیس ہمیشہ فسادیوں کا ساتھ دیتی ہے۔ پولیس کا فائدہ اس میں ہے کہ جلسے بند ہو جائیں اور یہی ہمارے مخالفین کی آرزو تھی۔

مخالفین پر کامل فتح

ان جلسوں میں ہی میں نے اپنے بے پناہ زورِ بیان سے تحریک کے کارکنوں پر ثابت کر دیا کہ دنیا کی تمام حکمت اور حکمتِ عملی بیکار ہے جب تک کہ اس کی حفاظت کے لئے طاقت نہ ہو۔ صلح کی خوبصورت دیوی حرکت نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کی بغل میں جنگ کا دیوتا نہ ہو۔ یہ توضیح میرے آدمیوں کی آنکھوں میں چمک پیدا کر دیتی تھی اور یہی تشریحیں تھیں جن کے باعث میرے ہم نواؤں میں فوجی طاقت پیدا کرنے کا خیال جم گیا۔ ہاں اس فوجی طاقت کا زندہ

کر دینے والا خیال جس کا منتہا یہ تھا کہ قوم کا ہر نوجوان اپنا جان و مال قوم کی راہ میں بے خوف وخطر قربان کر دے!

بس پھر کیا تھا؟ بھِڑوں کے چھتّوں کی طرح میرے سپاہی جلسوں میں خلل ڈالنے والے لوگوں پر پل پڑتے، اُن کو مخالفین کی کثرت کی پروا نہ تھی، وُہ زخمی ہونے اور جان قربان کرنے سے بے نیاز ہو جاتے، وُہ لبالب اِس عظیم الشّان مقصد سے بھرے ہوئے تھے کہ تحریک کے لئے راہ صاف کرنا سب سے بڑا مقدس فرض ہے۔

اِن مخلص رضا کاروں کی تنظیم نے ہمارے خِلاف سب کو دم بخود کر دیا۔ اب تک ہماری جماعت کا کوئی نشان نہ تھا نہ کوئی جھنڈا۔ اِن کا نہ ہونا ہمارے لئے نقصان دہ تھا۔ میں ان ظاہری نشانات کی نفسیاتی اہمیّت کا قائل ہو چکا تھا۔ برلن میں ایک دفعہ سوا لاکھ آدمیوں کے ہاتھ میں سُرخ جھنڈے سُرخ رومال اور سُرخ پھُول دیکھ کر اِس امر کا قائل ہو گیا تھا کہ اور کچھ نہ ہو کم از کم اِس بڑی بِھیڑ کی ظاہری قوت اِنہی نشانوں کی وجہ سے ہے۔ عوام النّاس اِس تماشے کو دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں۔ بہت سی آزمائشوں کے بعد بالآخر میں نے تجویز کی کہ ہمارا نشان ایک جھنڈا ہونا چاہیئے جس کی زمین سُرخ ہو اور سفید مُڑی ہوئی صلیب اس پر ہو۔ بہت سی تلاش کے بعد میں نے اِس نشان کے طول و عرض اور صلیب کی موٹائی کا فیصلہ کیا۔ یہ نشان پہلی دفعہ ۱۹۲۰ء میں ظاہر ہوا۔ دو سال بعد میں جھنڈے کی ضرورت محسُوس ہوئی۔ اُس وقت تک میونخ میں مارکسٹ جماعت کے سوا کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو ہماری طرح اجتماعی مظاہرے کر سکتی تھی۔ اُس شہر کا ایک بڑا ہال، جس میں پانچ ہزار آدمی سما سکتے تھے کئی دفعہ ہمارے جلسوں سے بھر چکا تھا اور ہم چاہتے تھے کہ "سرکس کرون" میں

جو سب سے بڑا ہال تھا جلسے کریں۔ جنوری ۱۹۲۱ء کے اخیر میں معاہدہ پیرس کی توثیق ہوئی تھی جس کی رُو سے جرمنی کو دس کروڑ سنہری مارکس بطور تاوان ادا کرنا تھا۔ میونخ کی کسی جماعت نے اس خطرناک واقعہ کی پروانہ کی۔ میری جماعت بھی لیت و لعل کرتی رہی۔ یکم فروری یعنی منگل کو میں نے آخری فیصلے کا مطالبہ کیا۔ مجھے بدھ تک ٹالا گیا۔ بدھ کو میں نے آخری مطالبہ کیا اور ٹال مٹول دیکھ کر خود فیصلہ کیا کہ اپنی جماعت کا عظیم الشان مظاہرہ کیا جائے۔ دس منٹ کے اندر اندر میں نے اشتہارات لکھوا دیئے اور ۳ فروری کے لئے "سرکس کرون" کو کرایہ پر لے لیا۔ مجھے خطرہ تھا کہ اتنا بڑا ہال کیونکر بھرے گا۔ ایک بات یقینی تھی وہ یہ کہ اگر ہم ناکامیاب ہوئے تو ہماری ترقی سالوں تک رُک جائیگی!

ہمارے پاس اشتہار لگانے کے لئے صرف ایک دن تھا اور اُس دن بارش ہورہی تھی۔ جمعرات کے دن میں نے دو لاریاں سُرخ نشانوں اور دو جھنڈوں سے آراستہ کرکے پندرہ یا بیس آدمی ان میں بٹھائے اور حکم دیا کہ بازاروں میں تیز دوڑائی جائیں اور اشتہار پھینکتے جائیں یہ پہلی دفعہ تھی کہ ہم نے ایسا کیا۔

شام کو جب میں داخل ہوا تو تمام کمرہ ہزارہا آدمیوں سے پٹا پڑا تھا۔ میرے مضمون کا عنوان "مستقبل یا بربادی" تھا۔ آدھ گھنٹے کے بعد ہی مجھے محسوس ہُوا کہ جلسہ انتہائی طور پر کامیاب ہوگا اور ایسا ہی ہُوا۔ مخالف اخبارات نے صرف "ایک قومی جلسہ" کہہ کر ٹال دیا!

اس جلسے کے بعد ہم ہفتہ وار اور پھر ہفتہ میں دو بار جلسے اسی ہال میں کرتے رہے اور ہمارے ممبروں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی! ہمارے مخالف کہاں صبر کرسکتے تھے ان جلسوں کی شان

دیکھ کر اُن کے حسد کا پارا چڑھ گیا اور انہوں نے ہماری ترقی کی راہ میں آخری روڑا اٹکانا چاہا۔ اس مطلب کے لئے "ہوف براہوس سٹال" میں ایک جلسہ کا موقع منتخب ہوا۔ ۴ر نومبر ۱۹۲۱ء کو چھ اور سات بجے کے درمیان مجھے اطلاع ملی کہ جلسے میں فساد کر کے اس کو منتشر کرنے کا تہیّہ ہو چکا ہے! اُسی روز ہمارا دفتر تبدیل ہو رہا تھا اور ہمارے آدمی مکان کی تبدیلی میں مصروف تھے صرف چند رضا کار جلسے میں انتظام کرنے کے لئے حاضر تھے۔ وہ صرف ۴۶ آدمی تھے۔ ہماری ٹیلیفونیں بھی بگڑی ہوئی تھیں۔

میں ہال کمرے کی ڈیوڑھی میں داخل ہو کر کیا دیکھتا ہوں کہ مخالفین اپنے ارادے پر جمے ہیں۔ ہال لبالب بھرا تھا اور پولیس مزید داخلہ بند کر رہی تھی۔ ہمارے دُشمن پہلے ہی ہال کے اندر بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے دوست سب باہر تھے! میرے محافظوں کا ایک چھوٹا سا دستہ ہال کی ڈیوڑھی میں انتظار کر رہا تھا۔ میں نے ہال کا دروازہ بند کرا دیا اور اپنے پینتالیس یا چھیالیس آدمیوں کو "پاس" کرنے کا حکم دیا۔ میں نے ان کو بتلایا کہ آج رات ہماری موت و حیات کا سوال سامنے ہے، کوئی شخص ہال کو نہ چھوڑے جب تک کہ وہ مُردہ باہر نہ نکالا جائے۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ کوئی شخص غدّار ثابت نہ ہو اور جو بزدلی دکھائیگا اُس کا نشان فوراً اتار لیا جائیگا۔ میں نے حکم دیا کہ جلسے میں گڑبڑ کی پہلی علامت پر سب آدمی آگے آجائیں اور بے خطر حملہ کر دیں!

اس تقریر کے بعد میرے آدمیوں نے جوش میں تین دفعہ نعرے لگائے۔ میں ہال میں داخل ہوا اور معاملات کو دیکھ رہا تھا۔ مخالف میری طرف گھور گھور کر دیکھتے تھے۔ انہیں اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا۔ میں نے تقریر شروع کی اور ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد آپس میں اشارے ہونے لگے۔ کچھ غُصّے

میں چیخیں ماری گئیں اور یکایک ایک آدمی نے خوفناک طور پر چیخ کر "آزادی" کا لفظ پکارا۔ چند لمحوں کے اندر اندر تمام ہال چیخ پکار سے بھر گیا، کرسیاں توڑ دی گئیں، دروازوں اور کھڑکیوں کے شیشے چور چور ہو گئے۔ میں کھڑا اپنے آدمیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ نہایت اِستقلال سے دشمنوں کا مقابلہ کر رہے اور ان کو ہال سے باہر نکالنے میں مشغول تھے۔ پانچ منٹ کے اندر اندر سب لہولہان ہو گئے۔ مجھے درحقیقت اِن کے خلوص کا اندازہ اُسی وقت ہوا۔ وہ سب کے سب آخر دم تک لڑتے اور لوگوں کو ہال سے نکالتے رہے۔ پچیس منٹ کے اندر اندر تمام ہال دشمنوں سے خالی ہو گیا اور صدرِ جلسہ نے متانت سے مجھے تقریر جاری رکھنے کے لئے کہا۔ میں بولتا گیا۔ جب جلسہ ختم ہو گیا ایک پولیس افسر اپنی حکومت کے رعب میں بڑ مارنے لگا کہ "جلسہ ختم کر دیا گیا ہے"! میں بے اختیار ہنس پڑا۔

ہمیں اس رات بہت کچھ سبق حاصل ہوا اور ہمارے دشمن بھی اس سبق کو جو انہیں دیا گیا نہیں بھولے۔

فردِ واحد ہی جماعت کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے

اوسط شہری اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ مزدوروں کے مختلف گروہ جب آپس میں مل کر ایک "حزب العمّال" (یعنی مزدوروں کی انجمن) بنا لیتے ہیں تو ایسی انجمن اُن کے لئے قوت کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے اور اِس طریقہ سے کمزور گروہ فوراً طاقتور ہو جاتے ہیں! یہ خیال اکثر غلط ہے! **ایک فردِ واحد اُٹھتا ہے** اور ایک حقیقت کا اعلان کرتا ہے۔ ایک خاص مشکل کے حل اور ایک خاص گتھی کے سُلجھانے کے لئے لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ ایک نصب العین سامنے

رکھ کر ایک تحریک شروع کرتا ہے۔ اپنے ارادوں کی تکمیل کو اُس تحریک کا پیش نہاد سمجھتا ہے عام طور پر ہر وہ جماعت جس کا مقصد کسی خرابی کی اصلاح ہو اسی طرح بنتی ہے اور جب کوئی ایسی تحریک شروع ہو سب یک غرض لوگوں کو چاہیئے کہ اس کے ساتھ ہم زبان ہو جائیں تاکہ اس مُشترک نصب العین کو جو اُن کے سامنے ہے جلد حاصل کریں۔

لیکن لوگ سب کے سب کیوں اس میں شریک نہیں ہوتے؟ اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک دردناک ہے اور دوسری **قابلِ افسوس** کیونکہ اِس کا باعث انسانی فطرت کی کمزوری ہے۔ اَوّلاً دنیا میں ہر بڑا کام عام طور پر اُس عام خواہش کی تکمیل ہے جو کروڑہا بندگانِ خدا کے دلوں میں موجزن ہے۔ تمام مخلوق اُس کام کے ہو جانے کی آرزو کیا کرتی ہے اور ہر بڑے کام کا خاصہ یہ ہے کہ ہزارہا لوگ اُس کے سرانجام دینے میں لگے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ **قدرت نے صرف اُنہی کو اِس عظیم الشان کام کی تکمیل کے لئے منتخب کیا ہے!** ایسی حالت میں طبعی امر یہ ہے کہ **سب سے زیادہ قابل،** **مضبوط تر اور دلیر تر انسان بالآخر فتحمند ہوگا** اور وہی اُس مشکل کو حل کر سکیگا!

غرض مند لوگوں کی غلط کاریاں

عوام النّاس کے **ایک** تحریک میں شامل نہ ہونے کی **قابلِ افسوس** وجہ یہ ہے کہ یہ سب مذکورہ بالا لوگ اِسی عظیم الشّان مقصد کو حاصل کرنے کے لئے **مختلف راہیں** اختیار کرتے ہیں۔ ہر شخص نہایت دیانتداری سے یقین رکھتا ہے کہ اسی کی پیدا کی ہوئی تجویز راہِ راست ہے، وہ اپنے آپ کو اپنی ہی بتائی ہوئی راہ پر چلنے کا پابند سمجھتا ہے اور باقی سب

رہنماؤں سے قطع نظر کر لیتا ہے! بہر نوع یہ امر کچھ زیادہ رنجدہ نہیں کہ بہت سے لوگ ایک ہی مقصد کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ زور آور ہی بالآخر بازی جیت کر لے جائیگا اور اُسی کی فتح ہوگی جس نے صحیح ترین تجویز کی ہے!

لیکن سب لوگوں کی ایک تحریک میں شامل نہ ہونے کی دوسری وجہ نہایت رنجدہ اور دل آزار ہے۔ حسد، حرص، جاہ طلبی، شہرت پسندی اور سرقہ کی عادتیں اس کی تہ میں ہیں اور واحسرتا! یہ وُہ چیزیں ہیں جو اُن لوگوں کا جزوِ اخلاق ہوتی ہیں جو اپنے آپ کو انسانوں کا رہنما تصور کرتے ہیں۔

جونہی کہ ایک نئی تحریک شروع ہوئی اور اُس نے اپنا مستقل پروگرام بنا لیا لوگ اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس غرض و مقصد کے لئے لڑائی کرنے کا دعوےٰ کرتے ہیں لیکن سب کے سب دیانت داری کے ساتھ اس تحریک کے معاون نہیں ہوتے۔ بعض نابکار ایسے ہوتے ہیں جو اس تحریک کے پروگرام کو چُرا کر اپنی رہنمائی میں نئی جماعت کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔

جرمن رہنماؤں کی نیک نیتی

جرمنی کی شکست کے بعد ۱۹-۱۹۱۸ء میں کئی جماعتیں اسی "قومی" لفظ کے نام سے شروع ہوئیں جن سے کہ ہماری جماعت "نیشنلسٹ جرمن ورکرز ایسوسی ایشن" شروع ہوئی تھی۔ چند سالوں کے اندر اندر ہماری جماعت کی دھاک بیٹھ گئی اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ کام کرنیوالی جماعت صرف یہی ہے باقی سب فرضی ہیں۔ ہمارے بعض لوگوں کی دیانتداری کا یہ کتنا بڑا ثبوت ہے کہ بہت سے بانیانِ تحریک نے یہ دیکھ کر بلا شرط اپنی تحریک کو ہم میں مدغم کر دیا اور

رہنمائی سے دستبردار ہو گئے۔

مختلف انجمنوں کے اتحاد کی تجویز غلط ہے۔

یہ کبھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ دنیا میں کوئی بڑا مقصد کبھی مختلف انجمنوں کے اتّحاد سے حاصل نہیں ہوا۔ تمام بڑے مقاصد صرف فردِ واحد ہی کی فتح سے حاصل ہوئے ہیں۔ متحدّ شدہ انجمنوں کی کامیابیاں شروع سے ہی آیندہ تفریق و انتشار کے جراثیم اپنے اندر رکھتی ہیں بلکہ اکثر اوقات وہ شے بھی کھو بیٹھتی ہیں جو ان کو پہلے حاصل تھی۔ خیالات کے کسی عظیم الشّان انقلاب کا جو دنیا کا باوا آدم بدل دے فردِ واحد کے ذریعے کے بغیر پیدا ہونا ناممکن ہے۔ کئی انجمنوں کا اِتّحاد یا کئی رہنماؤں کا ایک جرگہ دنیا میں کوئی عظیم الشّان انقلاب پیدا نہیں کرسکتا۔

نازی تحریک فوجی طاقت کیونکر بنی

میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ہم نے اپنے جلسوں کی حفاظت اور بدکردار مخالفوں کی مخالفت کو روکنے کے لئے چند آدمیوں کا ایک دستہ فوجی اصول پہ تیار کیا تھا۔ اِسی دستہ نے بالآخر بڑھتے بڑھتے ایک فوج کی صُورت اختیار کرلی جس کا مقصد حفظِ امن تھا اور جس کے پیش نظر یہ تھا کہ رفتہ رفتہ ایک منظم فوج بنجائے۔

اِس دستے کے بغیر ہمارے مخالف ہمیں کوئی جلسہ نہ کرنے دیتے۔ اگر ہم نے اِس جماعت کو حملہ کرنے کی تعلیم دی تھی تو اس کی وجہ یہ نہ تھی جو ہمارے مخالفوں نے کئی بار ظاہر کی تھی

کہ ہم درحقیقت اپنی جان کے بچاؤ کے لئے ایک "ربڑ کی پٹی" تیار کر رہے ہیں بلکہ یہ کہ کسی شخص کو ہمارے نصب العین کے خلاف دم مارنے کی مجال باقی نہ رہے۔ بارہا تاریخ میں ایسا ہُوا ہے کہ ایک نابکار اَور بے قدر و قیمت انسان نے دُنیا کے بڑے سے بڑے رہنما پر حسد کی وجہ سے ہاتھ صاف کیا ہے اور ہمیں اِس واقعے کے پھر ہونے کا خوف تھا۔ ہمارے اِس دستے کا نصب العین "تشدّد" نہ تھا لیکن ہم مخالفوں کے تشدّد سے اپنے رہنماؤں کو گزند پہنچانے کے امکان کو دُور کرنا چاہتے تھے۔ ہم دراصل اُن لوگوں کے خلاف کھُلم کھُلا کھڑے ہوئے تھے جو قوم اور سلطنت کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔

طوفانی فوج

"طوفانی فوج"، جو ہم نے اِس طرح رفتہ رفتہ قائم کی دراصل ہماری تحریک کا جزو لاینفک اُسی طرح تھی جس طرح کہ "شعبۂ تبلیغ"، "اخبار" اور "علمی انسٹیٹیوٹ" وغیرہ ہماری جماعت کی شاخیں تھیں۔

اِس "طوفانی فوج" کا اصل مقصد یہ تھا کہ اعلیٰ جسمانی تربیت کے ساتھ ساتھ ہر سپاہی کو ملک کا صحیح معنوں میں محافظ قرار دے کر اُس میں انتہائی تنظیم و نسق کا احساس پیدا کر دیا جائے۔ ہماری طوفانی فوج کوئی خفیہ جماعت نہ تھی۔ خفیہ جماعتیں ہمیشہ قانون وقت کے خلاف ہوا کرتی ہیں اور اُن سے کوئی عمدہ نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ ہمارا مدّعا کوئی سَو دو سَو مختل الدّماغ سازشی آدمی اور بم باز دیوانے پیدا کرنا نہ تھا جو ہمارے عالمگیر اصول کی حفاظت میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیں۔ یہ کام خفیہ کمروں میں بیٹھ کر نہیں ہو سکتا بلکہ طاقتور اَور منظم

جماعتوں کی تاسیس سے، جو موقع پر آہنی ضربیں لگا سکیں، اور مخالف کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں
خفیہ سوسائٹیوں میں ایک اور بڑا نقص یہ ہے کہ اس کے ممبر اپنے کام کی صحیح عظمت کو نہیں
دیکھ سکتے اور اکثر یہی سمجھتے ہیں کہ قومی نصب العین صرف ایک قتل سے حاصل ہو سکتا ہے۔
یہ خیال شاید اُن زمانوں میں زیادہ صحیح نظر آتا ہو جبکہ قوم پر صرف ایک ظالم اور جابر بادشاہ
حکمران ہوتا ہوگا۔

طوفانی فوج کی ساخت کیا ہونی چاہیئے

اِن تمام امور کی بنا پر جو میں نے اوپر بیان کئے "طوفانی فوج" اگر کُلّہم فوجی نہ ہو یا اس کو کوئی
خفیہ جماعت نہ ہونا چاہیئے تو اس کا نظام مفصلہ ذیل اصول پر مرتب ہونا چاہیئے۔

(۱) اُس کے سپاہیوں کی تربیت کُلّہم فوجی اصول پر نہ ہونی چاہیئے، بلکہ اُس نقطۂ نظر سے
جو تحریک کی رُوح کو صحیح طور پر برقرار رکھ سکے۔ اِس خیال سے کہ طوفانی فوج کی جسمانی صحت عُمدہ
ہو زیادہ زور سپاہیانہ قواعد پر نہ ہو بلکہ ورزشی کھیلوں پر۔ میرے نزدیک بہ نسبت اس کے کہ
نشانہ بازی میں مہارت پیدا ہو، مُکّہ بازی اور جُوجِتسو پر (Jiu-Jitsu) (جو ایک جاپانی ورزش
ہے) زیادہ توجہ ہونی چاہیئے۔

(۲) اِس امر کو پیش نظر رکھ کر کہ طوفانی فوج کوئی خفیہ جماعت نہ بن جائے، نہ صرف یہ ضروری
ہے کہ اس کی وردی ہو جس سے سب لوگ اس کو پہچان سکیں، بلکہ اس فوج کی پوزیشن کی اہمیت
خود بخود اُس راہ کو واضح کرے جس راہ پر چل کر اس کو تحریک کے لئے مفید ثابت ہونا ہے وہ راہ
ہر شخص کو معلوم ہونی چاہیئے اور اس کو جو عمل کرنا ہو کھلے بندوں کرنا چاہیئے۔

(۱۳) طوفانی فوج کی ساخت اور اس کا نظام ہُوبہُو ملکی فوج کی وردی اور سپاہی کے سازوسامان کی نقل نہ ہونا چاہیئے بلکہ اِن اشیاء کا انتخاب اُن کاموں کو پیشِ نظر رکھ کر کرنا چاہیئے جو اُسے آگے چل کر کرنے ہیں۔

طوفانی فوج کی ترقی کیونکر ہوئی

تین واقعات نے ہماری اِس فوج کی نمایاں ترقی میں مدد کی، وہ حسب ذیل تھے:۔

(۱) ۱۹۲۲ء کے موسمِ گرما کے اخیر میں تمام وطنی انجمنوں نے قانونِ حفاظت جمہوریہ کیخلاف ایک عظیم الشان مظاہرہ میونچ میں کیا۔ اس جلوس کے سرے پر ہمارے میونچ کے چھ دستے مارچ کر رہے تھے۔ اِس میں قومی اشتراکی تحریک کے آدمی بھی شامل تھے اور ہمارے دستوں کے عین بعد ہماری تحریک کے آدمی تھے۔ میں نے ساٹھ ہزار آدمیوں کے اژدھام میں تقریر کی۔ "سرخ" لوگوں کی تمام مخالفت کے باوجود ہم نے اس مارچ سے ثابت کر دیا کہ ہمارے دستے کُھلم کُھلا بازاروں میں مارچ کر سکتے ہیں اور کوئی طاقت اُن کو روک نہیں سکتی!

(۲) بعض قومی انجمنوں نے اکتوبر ۱۹۲۲ء میں "یوم کوبرگ" منانے کی تیاری کی۔ مجھے بھی دعوت دی گئی اور کہا گیا کہ اپنے "دوست" ساتھ لائے جائیں۔ میں نے طوفانی فوج کے آٹھ سو آدمیوں کو حکم دیا کہ سپیشل ٹرین سے کوبرگ پہنچ جائیں۔ کوبرگ کے سٹیشن پر "یومِ کوبرگ" کے منتظمین ہمیں ملے اور کہا کہ آزاد اور اشتراکی انجمنوں کے پریذیڈنٹوں نے طے کیا ہے کہ ہم شہر میں فوجی بینڈ بجاتے اور جھنڈے اُڑاتے داخل نہ ہوں بلکہ قطار باندھ کر بھی مارچ نہ کریں۔ میں نے فوراً اِن شرمناک شرائط کو رد کر دیا۔ اُن لوگوں کے متعلق جنہوں نے ایسی شرائط طے کی تھیں

حیرانی کا اظہار کیا اور اعلان کر دیا کہ طوفانی فوج اسی طرح جھنڈوں کے ساتھ اور بینڈ بجاتے ہوئے داخل ہوگی!

سٹیشن کے میدان میں ہزاروں آدمیوں سے ہمارا سامنا ہوا۔ دفعتہً خوفناک چیخوں کے ساتھ "قاتل"، "چور"، "ڈاکو"، "قزاق" کے آوازے ہم پر ان لوگوں کی طرف سے کسے گئے جو اپنے آپ کو جرمن جمہوریت کے بانی قرار دیتے تھے۔ ہماری نوجوان طوفانی فوج کامل طور پر خاموش رہی۔ ہم نے شہر کے درمیان کے ایک بڑے صحن تک مارچ کیا، اور مخلوق کو ہمارا پیچھا کرنے سے روکنے کے لئے پولیس نے اس صحن کے دروازے ہم پر بند کر دیئے۔ میں اس کو برداشت نہ کر سکا اور مطالبہ کیا کہ دروازے کھول دیئے جائیں۔ بڑی پس وپیش کے بعد پولیس راضی ہوگئی۔ ہم پھر اسی سڑک پر جس سے اپنے مکان پر آئے تھے مارچ کرتے ہوئے گئے اور یہاں بھیڑ سے مقابلہ ہونے لگا۔ "اشتراکیت مساوات اور "اخوت" کے نمائندوں نے بالآخر ہم پر پتھر برسانے شروع کئے۔ ہمارا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ میں نے چاروں طرف بیدھڑک مارنے کا حکم دس منٹ تک دیا اور اس کے پندرہ منٹ بعد "سرخ" آدمیوں کا بازاروں میں نشان تک نہ رہا!

رات کو کچھ خطرناک مٹھ بھیڑیں ہوئیں۔ طوفانی فوج کے دستے سرخ جماعت کے آدمیوں کو جن پر فرداً فرداً حملہ ہوا تھا اور نہایت بری حالت میں تھے ملتے رہے۔ الغرض دشمن کا کام جلد تمام کر دیا گیا۔ اگلی صبح تک وہ تمام خوف اور رعب جس میں شہر کو برگ "سرخ" آدمیوں کی وجہ سے کئی سالوں سے مبتلا تھا ہوا ہو گیا!

اگلے دن ہم نے شہر کے بڑے چوک تک مارچ کیا اور اعلان کیا کہ دس ہزار "کارکنوں" کا

ایک مظاہرہ ہوگا۔ دس ہزار کی بجائے صرف چند صد آدمی خاموش ہمارے سامنے آکھڑے ہوئے۔ "سرخ" لوگوں کے چند گروہوں نے جو باہر سے آکر اِدھر اُدھر پھر رہے تھے ہم سے دست وگریباں ہونا چاہا لیکن انہیں جلد معلوم ہوگیا کہ برابر کا مقابلہ نہیں۔ ہم کو معلوم ہو رہا تھا کہ پبلک جس کو ان لوگوں نے بُری طرح سے خوف زدہ کر رکھا تھا اب آہستہ آہستہ ہماری حمایت میں اُبھر رہی ہے رات کو جب ہم رخصت ہونے لگے تو سب طرف سے خوشی کے نعرے ہمارے حق میں خود بخود بلند ہوئے۔

کوبرگ کے واقعے نے ہمیں بتلا دیا کہ طوفانی فوج کے لئے **باقاعدہ وردی** کا ہونا نہ صرف ہماری جماعتی رُوح اور عصبیت کو پیدا کرنے کے لئے بلکہ دوست اور دشمن میں تمیز کرنے کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ ابھی تک ہماری شناخت کے لئے صرف **بازو کا سرخ نشان** تھا لیکن اس واقعے کے بعد ہم نے **قمیص** اور اپنی **مشہور ٹوپی** کو بھی وردی میں داخل کر دیا۔

اسی واقعے کے بعد ہم نے باضابطہ طور پر ہر شہر میں جاکر "سرخ" لوگوں کی بیخ وبنیاد اکھاڑنے، پبلک کے دل پر سے ان کے خوف کو زائل کرنے، اور ان کے مکروفریب کے جال کو پاش پاش کرنے کی اہمیّت کو محسوس کیا اور آزادانہ طور پر جلسے کرنے کا حق پھر پبلک کو واپس دیا۔

(۱۳) ۱۹۲۳ء کے مارچ میں ایک واقعہ ایسا ہوا جس نے ہمیں اپنی تحریک کے رویّے کو بدلنے اور اس میں تبدیلیاں کرنے پر مجبور کیا۔ سال کے شروع میں فرانس نے علاقۂ روہر پر قبضہ کر لیا اور یہ واقعہ "طوفانی فوج" کی نمایاں ترقی کے لئے نہایت اہم تھا۔

احتلالِ روہر اگرچہ خلافِ اُمیّد نہ تھا لیکن اس کی وجہ سے ہمارے پاس اس امر کی

قومی حجّت پیدا ہوگئی کہ اب جرمن قوم زیادہ دیر تک ہر الم کو خاموشی سے برداشت کرنا نہیں چاہتی
بلکہ ہماری انجمنوں کو "جو جرمنی کی حفاظت" کا دعویٰ مُدت سے کر رہی ہیں کچھ نہ کچھ نمایاں عمل کرنا
پڑیگا۔ "طوفانی فوج" کے متعلق جواب کئی ہزاروں کی تعداد میں تھی ،طبعاً یہ خیال تھا کہ قومی خدمت
میں اس کا حصّہ ضرور ہوگا۔ ۱۹۲۳ء کے موسم گرما میں ہم نے اس کو مستقل جنگی نظام میں ڈھال دیا۔
آئندہ واقعات جو اس سال میں ہوئے زیادہ تر اسی تبدیلِ نظام کی وجہ سے ہوئے۔

پروپاغنڈا اور نظام کی ضرورت

کسی عالمگیر تحریک کی نشر و اشاعت (پروپاغنڈا) اُس کا نظام قائم کرنے سے بہت پہلے
ہونی چاہیے تاکہ پہلے انسانوں کا وہ مصالحہ تیار ہو جن کی بنا پر نظام قائم ہونا ہے۔ میں ہمیشہ ان نمائشی
اور جلد بازی سے بنے ہوئے نظاموں کے خلاف رہا ہوں جو لوگ فوراً کھڑا کر لیتے ہیں ،انکا نتیجہ صفر ہی
اس بنا پر بہترین تجویز یہ ہے کہ پہلے مرکز سے بذریعہ نشر و اشاعت اصولی تخیّل کو ایک مُدت
تک عوام میں پھیلایا جائے۔ اس کے بعد خوب چھان بین کی جائے اور جو لوگ سامنے میدان
میں آئیں ان کو پرکھا جائے بارہا ایسا ہوا ہے کہ وہ لوگ جن میں بظاہر کوئی لیاقت
نظر نہیں آتی بالآخر اسقدر کامیاب ثابت ہوتے ہیں کہ گویا فطرت نے رہنمائی
کی قابلیت پیدائش کے دن ان کے پاس بطور امانت رکھ دی تھی!

یہ غلط ہے کہ رہنما کی قوتِ عمل اور لیاقت کا ثبوت اس میں کافی طور پر
کتابی تعلیم کا ہونا ہے۔ عام طور پر اسکے برخلاف ہوا کرتا ہے۔ بڑے بڑے نظریے رکھنے والا
عالم شاذ و نادر ہی بڑا رہنما بن سکتا ہے۔ ایک تیز دطرار مجاہد (بدامنی پھیلانے والا شخص) زیادہ

عمدہ طور پر رہنمائی کی خوبیاں اپنے اندر رکھ سکتا ہے۔ اور یہ محاکمہ اُن لوگوں کے لئے جو کسی مسئلے کو محض علمی نظر سے دیکھتے ہیں ناخوشگوار خبر ہے۔ ایک بدامنی پھیلانے والے مجاہد کے لئے جو کسی تخیل کو عوام الناس تک پہنچانے کے قابل ہے لازمی ہے کہ وہ **عوام کی نفسیات** کو جانتا ہو، خواہ وہ عالمانہ رنگ میں ہی اپنے تخیل کو عوام تک پہنچائے۔ ایسا شخص اُس نظری عالم سے جسے عوام کی نفسیات سے واقفیت نہیں بدرجہا بہتر رہنما ہوگا کیونکہ رہنمائی عوام الناس کو متحرک کر دینے کا دوسرا نام ہے۔ رہنمائی کی لیاقت اور تخیل پیدا کرنے کی ذہانت میں کوئی شے مشترک نہیں، لیکن اگر کسی رہنما میں عوام الناس کو متحرک کر دینے کی قابلیت، نظام پیدا کرنے کی اہلیت، اور علمی لیاقت تینوں یکجا جمع ہو جائیں تو اس کو روئے زمین پر ایک شاذونادر واقع سمجھنا چاہیئے۔ **ایسا شخص ہی فی الحقیقت عظیم ہوا کرتا ہے!**

میں اس سے پہلے اُس توجہ کا ذکر کر چکا ہوں جو میں نے شروع شروع میں نشر و اشاعت کی طرف دی۔ میرا مقصد یہ تھا کہ چند آدمیوں کے ذہنوں میں نیا اصول سرایت کر جائے تاکہ میں پھر اسی سے اپنے آئندہ نظام کے لئے مصالحہ پیدا کر سکوں۔ اس عمل میں میرے پیش نظر نظام پیدا کرنے سے بہت زیادہ یہ تھا کہ پروپاگنڈا کیا جائے۔

پروپاگنڈا کا مقصد نئے آدمیوں کو تحریک میں داخل کرتے رہنا ہے لیکن نظام سے مقصود داخل شدہ لوگوں کو پختہ کرنا ہے۔ پروپاگنڈا کو ہر شخص کی جس تک وہ پہنچتا ہے لیاقت، ذہانت، اخلاق یا اس کے مفید ہونے کی اہلیت کی پروا نہ کرنی چاہیئے۔ یہ نظام کا کام ہے کہ ہزاروں میں سے بہترین آدمی انتخاب کرے تاکہ تحریک کامیاب ہو۔

پروپاغنڈا کا پہلا کام نظام کے لئے آدمی پیدا کرنا ہے۔ نظام کا پہلا کام پروپاغنڈا کے لئے آدمی منتخب کرنا ہے۔ پروپاغنڈا کا دوسرا کام نئے اصول کو پیش کرکے لوگوں کی موجودہ حالت اور سکون کو تہ و بالا کر دینا ہے جو نئے اصول کو عالمگیر فتح دے!

نظام کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ تحریک کے کارکنوں میں تفرقہ اور پھوٹ کی کوئی علامت ظاہر نہ ہونے دے، جو بالآخر تحریک کو کمزور کر دے۔ نیز یہ کہ تحریک کی جارحانہ قوت میں کمی نہ ہو بلکہ ہر منزل پر اس حملے کی قوت کو نیا زور ملتا رہے۔ اس مطلب کے حصول کے لئے تحریک کے کارکنوں کی تعداد غیر محدود طور پر زیادہ نہیں ہونی چاہیئے۔ چونکہ جرأت اور پامردی انسانوں کے صرف ایک حصے تک محدود ہوا کرتی ہے، اس لئے وہ تحریک لامحالہ کمزور ہو جائیگی جسکے کارکنوں کی تعداد حد سے زیادہ ہو رہی ہو۔

اس بنا پر حفاظتِ نفس کے لئے ضروری ہے کہ جب تک کامیاب ہونے کیلئے زیادہ نفوس کی ضرورت لاحق نہ ہو تحریک اپنے کارکنوں کی تعداد بڑھانا بند کر دے! اور جب ضرورت پڑے نہایت ہوشمندی اور احتیاط سے اپنے کارکن بڑھائے۔ اسی طریقے سے تحریک کا مغز عمدہ اور درست رہ سکتا ہے۔ تحریک کے لئے ضروری ہے کہ صرف وہی لوگ جو تحریک کا مغز ہیں اس کی تمام حرکتوں کو اپنے واحد قبضہ میں رکھیں، وہی نشر و اشاعت اور عام پروپاغنڈے کے کام کو جس سے تحریک عام طور پر مسلم ہو جائے اپنے ہاتھ میں رکھیں اور تمام طاقت صرف اپنے ہاتھ میں رکھیں، تمام طاقت صرف اپنے ہاتھ میں رکھ کر وہ کام کریں جو پیش کردہ اصول کو عملی جامہ پہنائے۔

نازی تحریک میں ہٹلر کا نمایاں عمل

چونکہ نشر و تبلیغ کا کام میرے قبضے میں تھا میں نہ صرف تحریک کی آیندہ عظمت کے لئے نہایت احتیاط سے زمین تیار کرتا تھا بلکہ سختی سے اس بات کا خواہاں تھا کہ **بہترین لوگ نظام میں شامل ہوں**۔ جس قدر بے پناہ اور تحرک میرا پروپاغنڈا ہوا کرتا تھا اسی قدر کمزور اور متذبذب آدمی اس سے بھاگتے تھے اور اسی قدر وہ ہمارے نظام کے مغز میں داخل ہونے سے دُور دور رہتے۔ یہی وجہ تھی کہ ہماری تحریک میں خوبیاں پیدا ہوتی گئیں۔ ۱۹۲۱ء کے وسط تک پروپاغنڈا کی یہی تعمیری طاقت کافی تھی اور تحریک کے لئے مُفید رہی۔ اِس سال کے موسم گرما تک بعض واقعات نے ثابت کر دیا کہ پروپاغنڈا کے ساتھ ساتھ نظام کی رفتار مساوی نہیں۔ پروپاغنڈا جس قدر کامیاب ہو رہا ہے اُس قدر نظام نہیں پیدا ہوا۔

ہٹلر تحریک کا صدر اور مختارِ ناطق کیونکر بنا

۱۹۲۰-۲۱ء میں تحریک پر ایک کمیٹی کا قبضہ تھا جسکو اسمبلی کے ممبروں نے منتخب کیا تھا۔ طرفہ یہ کہ کمیٹی بعینہٖ اُس اصول (یعنی دستوری حکومت) کا مجسّمہ تھی جس کے خلاف تحریک اپنی تمام قوّت سے جنگ کر رہی تھی!

میں نے اس حماقت کی تائید سے انکار کر دیا اور تھوڑی مُدّت کے بعد ہی اس کمیٹی کے جلسوں میں آنا جانا بند کر دیا۔ میں اپنا ناشر خود بنا اور بس۔ میں نے ہر کس و ناکس سے اِس اصُول کے سوا کسی اور راہ کے متعلق کلام کرنے سے انکار کر دیا اور تحریک کے کسی دوسرے محکمے میں دخل دینے سے الگ تھلگ رہا۔

جونہی نئے قواعد نافذ ہوئے اور مجھے تحریک کا صدر تسلیم کر لیا گیا بلکہ اس طرح مجھے پوری قدرت اور حقوق حاصل ہو گئے تو تحریک کو کمیٹی سے چلانے کی حماقت بھی معاً ختم ہو گئی۔ کمیٹی کے ذریعے فیصلے کرنے کی بجائے اب فرد واحد کی ذمہ داری کا اصول رائج ہو گیا۔ میں نے اعلان کر دیا کہ **تحریک کا صدر تحریک کا مکمل طور پر ذمہ دار ہے!**

رفتہ رفتہ تمام تحریک کے علمبرداروں نے اس اصول کو طبعی طور پر صحیح سمجھا، بہر نوع اس حد تک جس حد تک کہ تحریک کو چلانے کی ذمہ داری ہے۔

"کمیٹیوں" کو بے ضرر کرنے کا بہترین طریقہ (اگر وہ کسی تحریک میں موجود ہوں) یہ ہے کہ ان سے کوئی ٹھوس کام لیا جائے۔ یہ اکثر کچھ کام نہیں کرتیں یا زیادہ سے زیادہ بے مطلب سفارشیں کرتی رہتی ہیں۔ مجھے بے اختیار ہنسی آئی کہ جب میں اس کمیٹی سے کچھ کام لینے لگا تو سب ممبر خاموشی سے بھاگ گئے اور ایک باقی نہ رہا! جرمنی کی پارلیمنٹ (ریشتاغ) کو بک بک کرنے کی بجائے اگر کسی ٹھوس کام پر لگایا جائے تو سوچو کہ کس قدر جلد جرمن پارلیمنٹ میں ایک آدمی باقی نہ رہے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ ہر ممبر کو کوئی ذمہ داری کا کام کرنے کے لئے دیا جائے!

نازی تحریک کا اخبار

دسمبر ۱۹۲۰ء میں ہم نے ایک اخبار "والکی شر بیوباختر" کو خرید لیا۔ اس اخبار کے مقدرین جس کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ عوام الناس کا اخبار مشہور تھا، ہماری جماعت کا آرگن بنا لکھا تھا۔ پہلے پہل یہ ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا تھا لیکن ۱۹۲۲ء کے شروع میں بڑی تقطیع پر روزانہ کر دیا گیا۔

یہ اخبار جہاں عوام الناس کا اخبار مشہور تھا وہاں اس میں عامۃ الناس کے اداروں

کی خوبیاں اور زیادہ تر اُن کی بُرائیاں بھی شامل تھیں۔ اس کے مضامین ہر چند کہ نہایت بیمثال تھے لیکن اس کو کاروباری طریقے پر چلانا ناممکن تھا۔ اصولی خیال یہ تھا کہ یہ لوگوں کے چندوں پر چلے لیکن اس امر کا خیال نہ رہا کہ اس کو تجارتی مقابلہ کے میدان میں باقی اخباروں سے بازی جیتنی پڑے گی مینیجروں کی غلطیوں اور غفلتوں کی تلافی بھلا تحریک کے چندہ دینے والے لوگوں کے چندوں سے کیونکر ہوسکتی تھی؟

میں نے اخبار کے جمع و خرچ برابر کرنے کے لئے انتہائی محنت کی اور اس خطرے کو فوراً محسوس کیا۔ ۱۹۱۴ء میں میں ایک شخص میکن امان سے جو اس وقت تحریک کے مالی شعبے کا ڈائرکٹر ہے واقف ہُوا۔ ۱۹۲۱ء کے موسمِ گرما میں میں اتفاقاً اس کو ملا اور درخواست کی کہ تحریک کا مالی منتظم ہو جائے۔ بڑی پس و پیش کے بعد اس نے یہ عہدہ اس شرط پر قبول کر لیا کہ اس کو کسی کمیٹی کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق نہ بنایا جائے اس کا ایک اور صرف ایک افسر ہو جس کے سامنے اُسے جواب دہ ہونا پڑے۔ اِس تقرری کا نتیجہ نہایت شاندار ہُوا۔

جمعیت حفاظ عمال کی ضرورت

۱۹۲۳ء میں تحریک کی شاندار ترقی اور تحریک کو عوام الناس تک جلد از جلد اور آسانی سے پہنچانے کی سعی کے ضمن میں لوگ ہم پر بار بار اعتراض کرتے رہے کہ جرمن مزدور کیونکر اس تحریک میں ولولے اور محبت سے شامل ہوسکتا ہے درآنحالیکہ مزدوروں کی سیاسی جماعتیں دوسرے اشخاص کے ہاتھ میں ہوں اور مزدور کی اقتصادی اغراض، مالی نفع و ضرر اور پیشہ سے وابستہ مقاصد اُن لوگوں کے ہاتھ میں ہوں جو تحریک سے باہر ہیں بلکہ تحریک کے اغراض کے مخالف مقاصد رکھتے ہیں۔

میں "ٹریڈز یونین" جمعیتہ حفاظ عمال (یعنی وہ انجمنیں جو مزدور کے اغراض و مقاصد کی حفاظت کرتی ہیں) کی اشد ضرورت کا ہمیشہ سے قائل رہا ہوں، ان کا ہونا ناگزیر سمجھتا ہوں اور میرا یقین ہے کہ تحریک کے نظام کے اندر ہی ان انجمنوں کی تشکیل ہوجانی چاہیئے۔

فلسفہ سلطنت

کوئی قوم ایک مربع گز زمین پر بھی کسی آسمانی حق کی وجہ سے قبضہ نہیں کرتی۔ ملکوں کی حدیں انسان ہی خود بناتے اور بگاڑتے ہیں۔ کوئی قوم اس وجہ سے قابل عزت نہیں ہوسکتی کہ وہ اوروں سے زیادہ خدا کی زمین پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے۔ یہ صرف اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ طاقتور ہے اور جو زمین کھو بیٹھے ہیں کمزور ہیں۔ صرف طاقت ہی قبضہ کا حق قائم کرسکتی ہے۔

غلام ملکوں سے تعلقات

۲۱-۱۹۲۰ء میں ہی کوشش کی گئی کہ ہماری تحریک کے تعلقات غیر ملکوں کی آزادی جماعتوں سے پیدا ہوجائیں۔ ایک جماعت جس کا نام "جمعیت اقوام محکومہ" تھا اس مطلب کے لئے پیش پیش تھی۔ اس میں ریاستہائے بلقان، مصر اور ہندوستان کے خود ساختہ "نمائندے" شامل تھے۔ یہ وہ بک بک کرنے والے "مصروف" لوگ تھے جن کی ٹکے کی اوقات نہ تھی۔ ہمارے ملک میں بعض جرمن ایسے تھے جو ان باتیں بنانے والے مشرقی لوگوں کے گردیدہ ہوگئے اور جنہوں نے فرض کرلیا کہ ہر مصری یا ہندوستانی طالب علم جو اپنی ڈگریاں حاصل کرنے کے لئے جرمنی میں آجاتا ہے فی الحقیقت ہندوستان کا نمائندہ ہے۔ انہوں نے اس امر کے دریافت کرنے کی کبھی تکلیف گوارا نہیں کی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تینوں میں ہیں نہ تیرہ میں ہیں۔ نہ ان کے پاس کوئی طاقت

ہے نہ اخبار۔ ان کے ساتھ ملاقات کا نتیجہ محض صفر اور وقت کا ضائع کرنا ہے۔

۲۱-۱۹۲۰ئہ میں جبکہ ہندوستان میں شورش تھی جرمن قومی حلقوں میں بچوں کی طرح بعض اُمیدوں کا پیدا ہو جانا اب مجھے خوب یاد ہے۔ اخیال تھا کہ بس ہندوستان سے انگریز چل بسے!

ایشیا کے بعض سرپھرے لوگ جو یورپ آئے تھے بعض معقول آدمیوں کو بھی پھسلانے میں کامیاب ہو گئے کہ انگریز اب ہندوستان سے اپنا بوریا بستر اُٹھانے والے ہیں! یہ فرض کر لینا کہ انگریز کو ہندوستان کی قدر و قیمت معلوم نہیں محض بچپن ہے۔ جنگ عظیم کے انتہائی عزم و استقلال کے بعد جو انگریز نے ظاہر کیا ہے ہمارے آدمیوں کا یہ خیال کرنا کہ انگریز ہندوستان کو یونہی چھوڑ دے گا نہایت افسوسناک ہے! اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جرمن انگریزوں کی ہندوستان میں چالوں اور طرزِ حکومت سے محض ناواقف ہیں۔ انگلستان ہندوستان کو صرف دو حالتوں میں کھو سکتا ہے یا یہ کہ اسکی حکومت کی مشین کے پرزے کسی قومی گڑبڑ کی وجہ سے بگڑ جائیں یا اس طرح کہ کوئی طاقت ور دشمن بزورِ شمشیر اس سے چھین لے۔ ہندو کا لفظی شور و شر کچھ نہیں کر سکتا۔

نازی تحریک کے پچیس نکات

۲۵ فروری ۱۹۲۰ئہ کو ہماری جماعت نے دنیا کے سامنے حسب ذیل پچیس نکات پیش کئے۔

۱۔ ہم جرمن لوگ تمام جرمنوں کا اتحاد اور اُن کی واحد سلطنت چاہتے ہیں۔

۲۔ ہم جرمن لوگ جرمنوں کے لئے اور قوموں کے بالمقابل مساوی حقوق مانگتے ہیں اور معاہدہ درسیلز اور سینٹ جرمن کی تنسیخ چاہتے ہیں۔

۳۔ ہم اپنی نوآبادیوں کی جو جنگ عظیم میں ہم سے چھین لی گئیں اپنی قوم کو آباد کرنے اور ان کی پرورش

کے لئے واپسی چاہتے ہیں۔

۴۔ صرف جرمن خون کے آدمی قوم کہلا سکتے ہیں۔ یہودی اس بنا پر قوم کا عضو نہیں ہو سکتا۔

۵۔ جو شخص قوم کا عضو نہیں وہ صرف ملک میں بطور اجنبی مہمان کے رہ سکتا ہے۔

۶۔ صرف قوم کے عضو حکومت کے لئے ووٹ دیا کریں۔ اس بنا پر تمام ملازمتیں صرف جرمن قوم کے اعضا کو دی جائیں۔

۷۔ حکومت کا اوّلین فرض صنعت و حرفت کو فروغ دینا اور رعیت کے معاش کا انتظام کرنا ہے۔

۸۔ غیر قوم کا کوئی آدمی ملک میں نہ بسنے پائے۔ تمام اجنبی لوگ جو ۲ راگست ۱۹۱۴ء کے بعد ملک میں آبسے ہیں نکال دیئے جائیں۔

۹۔ تمام قوم کے اعضا میں مکمّل مساوات ہونی چاہیئے۔

۱۰۔ قوم کے ہر رکن کا اوّلین فرض ہے کہ یا جسمانی یا ذہنی عمل کرے، بیکار نہ ہو۔

۱۱۔ ہم اُن تمام آمدنیوں کی منسوخی چاہتے ہیں جو بیکاروں کو مل رہی ہیں۔

۱۲۔ جنگ کے ایّام میں کوئی شخص دولت کمانے کا مجاز نہیں اسلئے تمام جنگ کے ایّام کے نفعے ضبط کر لیئے جائیں۔

۱۳۔ تمام کمپنیاں قومی ہوں ذاتی نہ رہیں۔

۱۴۔ تھوک فروشی سے جو نفع ہو قومی ہو۔

۱۵۔ بڑھاپے کے لیے حکومت نے جو کچھ اب تک کیا ہے بڑے پیمانے پر کیا جائے۔

۱۶۔ قوم میں متوسّط طبقے کے حقوق کی پوری حفاظت ہو۔

۱۷۔ ہم قانونِ اراضی میں اصلاح کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۱۸۔ ہم رومن لا کی بجائے جرمنی کے لئے عالمگیر جرمنی قانون چاہتے ہیں۔

۱۹۔ ہم صیغۂ تعلیم کی مکمل اصلاح اسطرح پہ چاہتے ہیں کہ ہر قابل آدمی کو اس کے حاصل کرنے کا موقع ملے۔

۲۰۔ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ قوم کی صحت کو اعلیٰ پیمانہ پر رکھنے کے لئے ایسے قانون بنائے جس سے ماں اور بچے کی حفاظت ہو، چھوٹے بچوں کو محنت مزدوری سے منع کیا جائے، ورزش اور کھیلیں لازمی کردی جائیں۔

۲۱۔ ہم کرایہ کی فوج کو نہیں چاہتے، قومی فوج چاہتے ہیں جو بے مزد ملک کیلئے لڑے۔

۲۲۔ ہم جھوٹ خبروں اور سیاسی جھوٹ کے خلاف حکومت کی جنگ کا مطالبہ کرتے ہیں جرمن قومی پریس کی از سرِ نو تعمیر کے لیے ہم چاہتے ہیں کہ (۱) سب ایڈیٹر خالص جرمن لوگ ہوں (۲) غیر جرمن اخبار خاص اجازت کے بغیر جاری نہ ہوں (۳) کوئی غیر جرمن قومی اخبار کو رشوت نہ دے اور اس جرم میں جلاوطن کردیا جائے (۴) وہ اخبار بند کردیئے جائیں جو قوم کے لئے مفید نہ ہوں۔ (۵) تمام مخرب اخلاق اخباروں کو بند کردیا جائے۔

۲۳۔ ہم مکمل مذہبی آزادی اس حد تک چاہتے ہیں کہ قوم کے لوگ اطمینان سے اپنے مذہب پر قائم رہیں۔

۲۴۔ اس نقطۂ نظر سے کہ مذکورہ بالا تمام اصلاحیں عمل میں آئیں ہم ایک طاقتور مرکزی حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں۔

۲۵۔ ہم قوم کو نقصان پہنچانے والے یا قوم سے نفع اٹھانے والے غدّار لیڈروں اور لٹیروں کو خواہ وہ کسی مذہب یا نسل کے ہوں، چاہتے ہیں کہ اُن پر مقدمہ چلا کر اُن کو سزائے موت دی جائے۔ فقط

(کتاب "مائی سٹرگل" کا ملخّص ختم ہُوا)

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

قیامت

سلطان ابن سعود اور حکومتِ حجاز

مطبوعہ "الاصلاح"

۳۰ اگست ۱۹۳۵ء ــــ مطابق ــــ ۳۰ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ

جو گونج اٹھیگا عالم شورِ ناقوسِ کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید و گلبانگِ اذاں کبتک

مشہور قومی کارکن مولوی آزاد سبحانی نے جو اب کے سال حج کو گئے تھے، نمائندہ پریس سے ایک ملاقات کے دوران میں حجاز کے سیاسی حالات کے متعلق نہایت اہم باتوں کا انکشاف کیا ہے۔ یہ بیان حسب ذیل ہے:۔

حجاز میں برطانوی اثرات غالب ہیں

"سلطان ابن سعود کی سیاسی حالت بالکل وہی ہے جو ہندوستان میں والیانِ ریاست کی ہے۔ نہایت ہوشیار اور تجربہ کار افسر خاص طور پر وہاں مامور ہے اور حکومت حجاز کا وزیر خارجہ اگرچہ مسلمان ہے لیکن بے حد چالاک شخص ہے۔ اُس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرح شرکتِ مشرق کے نام سے ایک کمپنی قائم کر رکھی ہے اور اس کی تجارتی ریشہ دوانیاں تمام حجاز میں اپنا کام کر رہی ہیں

برطانیہ نے حکومتِ سعودیہ سے اٹھاون برس کا اجارہ حاصل کر لیا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس اجارہ کا مقصد محض تجارتی ہے یا سیاسی اثر و نفوذ مقصود ہے۔ اس اجارہ کا ظاہر امقصد حجاز میں معدنیات کی درآمدگی اور ٹھیکہ ہے لیکن اس میں کلام نہیں کہ جب تک یہ اجارہ قائم ہے، حجاز آزادانہ طور پر ترقی نہیں کر سکتا!"

"سلطان ابن سعود آئے دن برطانی قنصل سے ملنے کے لئے بلائے جاتے ہیں اور جو احکام انہیں برطانوی نظارت خارجہ سے موصول ہوتے ہیں اُن پر ان کی تکمیل فرض ہو جاتی ہے۔ حجاز کی اقتصادی حالت بہت خراب ہے۔ غربت و افلاس عام ہے اور وجہ معاش مفقود ہے حجاز میں صنعت و حرفت عام کرنے کی ضرورت ہے۔"

مرکزِ اسلام خطرے میں

"حجاز مرکزِ اسلام ہے مگر وائے بدبختی کہ یہاں دین سخت خطرے میں ہے۔ اہلِ حجاز کا غربت و افلاس رفتہ رفتہ انہیں دوسرے مذاہب میں آنے پر مجبور کرتا ہے۔"

سلطان کی مغرب پرستی

"سلطان ابن سعود کی امیرانہ اور تعیش پسند زندگی کا اثر عوام پر پڑ رہا ہے۔ عام عرب یورپ کی چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ عرب میں اب موٹر کی سواری بہت پسند کی جاتی ہے۔ لوگ قیمتی عبائیں پہنتے ہیں۔ مغرب کی چیزوں اور عیش پسندیوں کا رواج بہت ہے۔ بندرگاہِ عقبہ کو سلطان ابن سعود نے برطانیہ کے حوالے کر دیا ہے۔ وہاں انگریزی جہاز اور فوجیں ہیں۔ برطانیہ ایک ریل تیار کر رہا ہے جو بحرین تک جائیگی۔ عقبہ اور عمان تک سڑکیں نکالی گئی ہیں تاکہ انگریزی فوجیں بغاوت

عرب فرو کرنے کے لئے بآسانی پہنچائی جائیں۔ حجاز کی اصلاح کی صورت یہ ہے کہ حجاز میں بین الاقوامی اسلامی جمہوری حکومت قائم کردی جائے۔" (ماخوذ از پیغام سرحد)

تیرہ سو پچاس برس کی بے مثال ضیاباری کے بعد آفتاب اسلام میں روشنی کی یہ خطرناک کمی مسلمانوں کے لئے **قیامت کی علامت** ہے لیکن حالت یہ ہے کہ تمام عالم اسلام مزے کی نیند میں ہے، مسلمانوں کے چند رہے سہے آزاد بادشاہ اپنی اپنی حالت میں مست ہیں۔ غازی مصطفےٰ کمال، رضا شاہ پہلوی، ظاہر شاہ، محمد زوغو شاہ البانیا مطمئن ہیں کہ اسلام کی کسی زمانے میں عالمگیر سلطنت کے چند باقی ٹکڑے ان کے پاس ہیں، شکر ہے کہ "ہز میجسٹی" کہلاتے ہیں، خوش ہیں کہ جو کچھ پاس رہ گیا ہے غنیمت ہے، کبھی کبھی "اتحادِ اسلام" کی ایک چھوٹی سی خواہش دلوں میں موجزن ہوجاتی ہے اور رویٹر کے ذریعے کچھ "انجمن سازی" یا لیگ آف مسلم نیشنز کے بنانے کی اطلاعیں دے کر خوش کر دیتے ہیں۔ "غلام بادشاہ" مثلاً فواد سلطانِ مصر، مولائی حفیظ امیرِ مراکش، نظام حیدر آباد اور کئی ان گنت نواب بیچارے چپ ہیں کہ کیا تدبیر ہو رہا ہے اور اس اندھیر میں کیا ہو سکتا ہے؟ جب آزاد بادشاہ کچھ نہیں کرتے تو ہم کیا کریں! دنیا کے ساٹھ کروڑ مسلمان بے خبر ہیں کہ سب خیر خیریت ہے، خدا انگریز کا بھلا کرے کہ ہماری تعداد پچیس کروڑ سے یک لخت بڑھا کر "ساٹھ کروڑ" کر دی تاکہ اسی تعداد کے نشے میں مگن رہیں! ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان مست ہیں کہ الحمدللہ اور کچھ نہیں مگر مسلمان تو ہیں، نماز، روزہ، عید، محرم، عاشورہ سب ادا کرتے ہیں، انگریز کی مہربانی سے "دین اسلام" میں کوئی روک ٹوک نہیں! دنیا کے لاکھوں بلکہ شاید ایک کروڑ "مولوی" اور "عالمانِ دین" مطمئن ہیں کہ "دین کی سرداری" اور "مسجد کی امامت" تو ان کی ہے، یہ حق تو انگریز کا باوا بھی ان سے چھین نہیں سکتا!

ہاں شہید گنج کی مسجد کا شہید ہونا واقعی ایک قیامت تھی لیکن خیر رفع دفع ہوگئی، ہم نے گولیاں کھانے والوں کے متعلق "شہید" ہونے کا ریزولیوشن پاس کر ہی دیا۔ اب اس معاملہ کو چھوڑو، غلطیاں ہو ہی جایا کرتی ہیں اگر کبھی کبھار انگریز سے ہوگئی تو خیر ہے پھر نہ ہوگی! انگریز بڑے مدبر ہیں، "مسلمان کی طاقت" سے ڈرتے ہیں اور مذہب اور مسجد کی طرف عام طور پر رخ نہیں کرتے! یہ قطعاً غلط ہے کہ وہ حجاز اور مکہ معظمہ پر قبضہ کر رہے ہیں، لاحول ولا قوۃ کیا انگریز کو کانپور کی مسجد کا واقعہ یاد نہیں؟ اگر اس کے وہم و گمان میں بھی ایسا خیال آیا تو "ساٹھ کروڑ" مسلمانوں کا بچہ بچہ، ہر مرد، ہر عورت، ہر جوان، ہر بوڑھا اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر دنیا میں قیامت "برپا کر دیگا! نہیں، انگریز کی شامت آئی ہے کہ اس طرف رخ بھی کرے۔ وہ تو سلطان ابن سعود نے اپنی مرضی سے کسی انگریز کمپنی کو ٹھیکہ دیا ہے، یہ ٹھیکہ صرف اٹھاون برس تک رہیگا، اس اثنا میں انگریز ہمارے نوکر کے طور پر رہیں گے، عرب کی معدنیات کو نکال کر سلطان اور مسلمانوں کو مالا مال کر دیں گے، دیکھو سلطان ابن سعود نے کیا ہوشمندی سے کام لیا ہے، کتنی سخت شرطیں اور کتنا پکا انتظام انگریزوں کو اپنی حد کے اندر رکھنے کا کیا ہے، انگریز مکہ معظمہ کے گرداگرد تین تین میل تک آ نہ سکیگا، وہ اگر شراب پئیں گے تو اپنے کمروں میں بیٹھکر اور اپنے مکانوں کے اندر، مسلمانوں کو ان کی بدکاریوں سے کیا واسطہ ہوگا! دیکھو سب مزدور عرب بدو ہونگے، کوئی انگریز مزدور پاس نہ پھٹک سکیگا! حدیث شریف کی رو سے "اخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب" (یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ نما عرب سے نکال دو) کی نبوی وصیت کا مطلب یہی تھا کہ یہ لوگ "مسجد حرام" یعنی خانہ کعبہ کے نزدیک نہ پھٹکیں۔ قرآن حکیم میں بھی صرف "فلا یقربوا المسجد الحرام" لکھا ہے۔ خیر اس کا پورا بندوبست ہوگیا ہے مسلمان بے فکر رہیں! اس

کمپنی کے تجویز کرنے میں مسلمان کی چاندی ہی چاندی ہے!"

"کچھ فکر نہیں سب طرف خیر خیر ہے، اللہ خیر کریگا۔ دیکھو آج "انقلاب†" نے (جس کا نام ہی کس قدر خطرناک ہے) کیا صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ مسلمانوں کو فکر نہ کرنا چاہیئے، کمپنی کا معاملہ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ بھلا سلطان ابن سعود اس قدر بے سمجھ ہے کہ انگریزوں کے ہتھے چڑھ جائے! دعا کرو کہ مسلمانوں کو اس کمپنی سے فائدہ ہو اور تمام سرزمین حجاز میں سڑکیں اور ریلیں بن جائیں۔ عرب میں بھلا رکھا ہی کیا ہے۔ سب طرف ریت ہی ریت ہے۔ اللہ نے خود اس کو "وَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ" کہا ہے۔ مسلمان بیوقوف ہیں کہ انگریز پر بدگمانی کرتے ہیں وہ حجاز کے بھلا کیا کرینگے! یہ ان کا احسان ہے کہ انہوں نے سلطان کی نوکری قبول کر لی!"

اے بے خبر اور پاجی مسلمان آ اور حقیقت سن! دنیا میں بیوقوف اور بے شعور نہ بن! تو کسی زمانے میں دنیا کا مالک تھا، تو سمندروں اور براعظموں پر حکومت کرتا تھا! اور سب طرف سے باخبر رہتا تھا! آ حقیقت سن اور اپنی انگلیاں غصے میں چبا! "يَعَضُّونَ عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ" کا کافرانہ عمل کر! سن یہ جزیرہ تمہارے عرب جس پر تیرہ سو پچاس برس سے کسی مشرک کا دخل نہ تھا، چار سو پینسٹھ برس تک ترکوں کے قبضے میں رہا، ۱۴۵۳ء سے ۱۹۱۸ء تک ان کے قابو میں تھا، وہ ہر سال کروڑوں روپیہ خرچ کر کے اس کی حفاظت کرتے تھے، چار سو پینسٹھ برس تک ترک خانۂ کعبہ میں جھاڑو دیتے رہے، چار سو پینسٹھ برس تک خادمِ کعبہ بنے رہے، کروڑوں ترک اس کی حفاظت کرتے کرتے شہید ہو گئے، صدیوں تک اس کے اور بیت المقدس کے لئے صلیبی لڑائیاں لڑیں، اور اربوں روپیہ کے خزانے اس کی حفاظت میں قربان کر دیئے، خلیفۃ المسلمین نے چار سو پینسٹھ

† ایک اخبار کا نام ہے۔

برس تک اِس خانۂ خدا کی حفاظت وُہ کی کہ دُنیا دنگ رہ گئی، چار سو پینسٹھ برس تک ترکوں کو ایک دن امن کا نصیب نہ ہوا۔ اِس تمام نامۂ اعمال کے بعد اہلِ عرب نے ترک سے **غدّاری کی** اور ۱۹۱۴ء کے جنگِ عظیم میں "عرب سلطنت" کے خواب میں دشمن کے طرفدار ہو گئے!

انگریز نے ۱۹۱۸ء میں بیت المقدس پر قبضہ کیا اور شریف حسین کو حجاز کا بادشاہ کر دیا تاکہ پردہ پڑا رہے۔ چند برس کے اندر اندر غدّارِ عرب کو معلوم ہو گیا کہ "عرب سلطنت" کا خواب ایک خیال ہی تھا! ترک حرمین شریفین کو کھو کر **خلافت** کیونکر کر سکتے تھے، اُنھوں نے طبعاً خلافت چھوڑ دی! تمام عالمِ اسلام بے خلیفہ، بے پیر بے مرشد رہ گیا! اسلامی نظام کا رہا سہا تمام تار پود بکھر گیا!

۱۹۲۵ء میں سلطان ابن سعود کی غیرت نے جوش مارا اور سرزمین حجاز پر قبضہ کیا لیکن حجاز میں ریت کے سوا کیا تھا۔ حجاز پر حکومت کرنے کے لئے اربوں روپیہ کے خزانے کہاں سے آتے؟ ترک جو اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر حرم کی عزت برقرار رکھتے تھے علیحدہ ہو چکے تھے! اُدھر ابن سعود سے سب عالمِ اسلام کی دشمنی پیدا کر دی گئی! ہندوستان کے اخباری چیتھڑے اُس کو وہابی کہہ کہہ کر کوسنے لگے، اور دمڑی کا اخبار بھی قبّوں کے گرانے کے بہانے سے اُس پر حملہ کرنے اور اپنی "بڑی طاقت" کا اظہار کرنے لگا! دشمن خوش تھا کہ کام ٹھیک ہو رہا ہے، اُس کی بے پناہ طاقت نے، جو قرنوں سے کام کر رہی تھی، چند برس کے اندر اندر تمام عالم اسلام کو خادمِ حرمین سے برگشتہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ۱۹۰۳ء میں قریب ایک لاکھ حاجی صرف ہندوستان سے جایا کرتے تھے، ۱۹۲۶ء میں گھٹتے گھٹتے صرف ۳۶ ہزار رہ گئے، ۱۹۳۲ء میں بارہ ہزار، ۱۹۳۳ء میں دس ہزار، ۱۹۳۴ء میں نو ہزار رہ گئے۔ آج تمام دُنیا کے حاجیوں کی تعداد صرف ۲۶ ہزار، گویا ۱۹۲۶ء کے صرف ہندوستانی

حاجیوں سے بھی دس ہزار کم ہے! حاجیوں کے ٹیکسوں پر حکومت کا دارومدار ہے اور آج حجاز میں حکومت کیونکر ہو سکے! جب دکان سے گاہک ہٹا لئے گئے تو دکان کیونکر چلے!

آج نتیجہ یہ ہے کہ حرمین کے بادشاہ کے پاس ایک پیسہ نہیں۔ انگریز ساہوکار مزے سے بیٹھا ہے کہ خوب کام کیا، مغربی تہذیب اور اخباری پروپاگنڈا نے مسلمان کو حج سے خوب بیزار کیا، مسلمان ایڈیٹروں نے خوب قوم کی خودکشی کی، "حج کمیٹی" کے خان بہادروں نے خوب حق نمک ادا کیا، اب کوئی دن گذرتا ہے کہ ہندوستان سے نو ہزار حاجیوں کے نو حاجی رہ جائیں۔ مسلمان کہینگے "خیر ہے خدا خیر کریگا، اسلام کا خود خدا محافظ ہے۔ مسلمان کبھی مٹ سکتا ہے"!

آج سلطان ابن سعود مسلمان کے بے دردانہ اور غدارانہ سلوک سے مجبور ہو گیا ہے کہ حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے ایک انگریز کمپنی کو حجاز میں جگہ دے، مجبور ہو گیا ہے کہ تیرہ سو پچاس برس کے بعد پھر نصاریٰ اور یہود کو عرب میں داخل کرے، مجبور ہو گیا ہے کہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری وصیت کو (اخاکم بدہن) پاؤں سے ٹھکرا دے، مجبور ہو گیا ہے کہ ملک کو دشمن کے سپرد کر دے۔ سوچو کہ اگر حکومت کے پاس خزانے نہیں تو حکومت کیونکر ہو سکتی ہے؟

مجھے ۱۹۳۲ء کی فروری میں ہز ایکسیلینسی جمال پاشا نے جو سلطان کا ہندوستان میں کارندہ تھا خود کہا کہ "خدارا ہم روپیہ نہیں مانگتے، مسلمانوں کو کہو کہ ہمیں چاولوں کی دس ہزار بوریاں بھیج دیں، ہمارے آدمی بھوکے مر رہے ہیں، عرب میں روٹی نہیں رہی! پیسوں سے زیادہ روٹی کی ضرورت ہے!" ہاں ہندوستان کے منگتوں کو کہتے سنا ہے کہ بابا پیسہ نہ دو اگر تم کو شک ہے تو اپنے ہاتھ سے روٹی خرید دو!

یہ سب کام صرف ایک مکّار شخص کا ہے جس کا نام فلبی ہے یہ شخص چند برس ہوئے مسلمان ہوگیا تھا،
اب سلطان ابن سعود کی گود میں اور تسبیح لیے عین خانہ کعبہ کے گوشے میں بیٹھا ہے، اُداس ہوکر اور چہرہ
غمگین کرکر کے اللہ کا نام لیتا ہے، شرعی صورت خوب بنائی ہے، شہادت کے کلمے کو بار بار رٹتا ہے،
خوبصورت مغربی عورتیں بھی کبھی کبھی سلطان کو بطور تحفہ بھیج دیتا ہے، موٹروں اور عیاشیوں کے سودے
کرادیتا ہے اور اپنی "مسلمانی" میں خوب مگن ہے!

مسلمانوں کے جاہل اور بے خبر مُلّاؤں نے "قیامت" کی نشانیاں نہ جانے کیا کیا بیان کی ہیں۔۔
کیا یہ قیامت نہیں! کیا سوا نیزے پر سورج آ کھڑا نہیں ہوا! کیا یوم الدّین کا مالک آج تختِ
سلطنت پر بیٹھا ہوا بدبخت اُمّت سے تمام پچھلے گناہوں کا حساب نہیں لیتا! جاہل اور بے خبر
مسلمان! یہ روزِ قیامت ہے آ اور اپنا حساب دے!

بے خبر مسلمان! یہ روزِ قیامت ہے کہ تو آج عذاب میں گرفتار ہے اور ہاتھ پہ ہاتھ دھر
کر "خدا خیر کریگا" "خدا خیر کریگا" کہہ رہا ہے! یہ قیامت ہے کہ کاہل، مجبور ہونے اور تنکا دُہرا
نہ کرنے کی بے ہمتی آج تجھ سے اللہ پر جھوٹے توکّل کا شرمناک مکر کرا رہی ہے! یہ قیامت
ہے کہ "تیرا خدا" تیرے مُلک چھین چھین کر دشمن کے سپرد کر رہا ہے اور تو خدا کو اپنا کہہ کہہ
اپنی بے عملی کے بہانے ڈھونڈ رہا ہے! یہ قیامت ہے کہ دشمن تیری گھات میں لگا
ہے اور تو بلّی کے سامنے کبوتر کی طرح آنکھیں میچ رہا ہے! یہ قیامت ہے کہ دنیا کی
سب سے بڑی طاقتور قوم تیرے چودہ سو برس کے دینی مرکز پر قرنوں کے خاموش انتظار
کے بعد بہ یک جنبش قبضہ کر رہی ہے اور تو اس قیامت خیز خبر کو ہنسی میں ٹال رہا ہے! یہ

قیامت ہے کہ آج تیرے دس آدمی مل کر ادنیٰ سے ادنیٰ فیصلہ نہیں کر سکتے! یہ قیامت ہے کہ تیرہ سو برس کی بےمثال بادشاہت کے بعد آج تجھے رات کی روٹی نصیب نہیں! یہ قیامت ہے کہ ساٹھ کروڑ ہو کر تجھ میں ساٹھ نفر کی طاقت باقی نہیں رہی! یہ قیامت ہے کہ آج تیرے رہنما اور مرشد سب کے سب چور اور بدمعاش، ڈاکو اور قاتل ہیں اور تجھ کو وہ اُلو بنا رہے ہیں کہ تیرے باوا کو خبر نہیں! یہ قیامت ہے کہ تو اُٹھنے کی خواہش رکھتا ہے مگر تیرے رہبر تیرے اُٹھنے کی خواہش سے فائدہ اُٹھا کر اپنا پیٹ پال رہے ہیں! یہ قیامت ہے کہ تجھ تک تیری ہلاکت کی خبر پہنچانے والا کوئی نہیں رہا! یہ قیامت ہے کہ تیرے معالجوں نے ملک الموت سے رشوت کھالی ہے، تیرے سرپرستوں اور رہبروں کی شیطان سے ملی بھگت ہے، تیرے ایڈیٹر دشمن کا نمک کھائے ہوئے ہیں، تیرے وکیل مجسٹریٹ کے دسترخوان پر پل رہے ہیں، تیرے جلسے تیری خواہشِ عمل کو ہلاک کرنے کے لئے ہیں، تیری انجمنیں تیری طاقت کو مٹانے کے لئے بن رہی ہیں، تیرے ریزولیوشن تیری ہمّت کو چور کرنے کے لئے پیش ہو رہے ہیں! مسلمان! یہ قیامت ہے کہ تو شہید گنج کی مسجد کو واپس لینے کے لئے کفن سر سے باندھ کر آتا ہے لیکن تجھے مکّہ کی مسجد الحرام اور یثرب اور بطحا کی سجدہ گاہوں کی خبر تک دینے کو کوئی نہیں رہا! یہ قیامت ہے کہ تیرا خادمِ حرمین بھوک اور ننگ کی وجہ سے مکّے اور مدینے کو فروخت کر رہا ہو اور تیرے مصطفےٰ کمال، تیرے رضا شاہ، تیرے ظاہر شاہ، تیرے سلطان فواد تیرے لاہوری لیڈروں کی طرح آپس میں بُغض رکھ کر اور اس حسد میں کہ ابن سعود کہیں بڑھ نہ جائے تیری بگڑی کو بنانے سے بے نیاز ہوں۔ سوچ! یہ قیامت ہے روزِ جزا ہے! یوم الدین ہے! آ اور اپنا حساب دے!

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

خاکساران پشاور کے متعلق علامہ مشرقی کا بیان

مطبوعہ "الاصلاح"

۲۰ ستمبر ۱۹۳۵ء مطابق ۲۱ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ

لاہور ۱۴ ستمبر۔ خاکساران پشاور پر حکومت سرحد کے عتاب اور قانون امن عامہ کے ماتحت حال ہی میں سات سالاروں کی گرفتاری کے متعلق خاکسار تحریک کے قائد اعظم حضرت علامہ مشرقی نے حسب ذیل بیان اخبارات کو دیا ہے:۔

صوبہ سرحد میں تحریک کی ابتدا

"خاکسار تحریک کی بنیاد پنجاب میں اپریل ۱۹۳۱ء میں رکھی گئی جب کہ میں نے "اشارات" لکھنی شروع کی تھی لیکن فروری ۱۹۳۲ء میں لاہور میں پہلی جماعت قائم ہوئی۔

۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو لاہور سے خاکساروں کا پہلا دستہ میری معیت میں تحریک قائم کرنے کے لئے پشاور پہنچا۔ دستے کے پہنچتے ہی حکومت نے مجھے دھمکی دی کہ تمہیں مزید رخصت جس کا مجھے حق بھی تھا نہیں دی جا سکتی چنانچہ ۱۵ اکتوبر کو مجھے اپنی عزیز ملازمت سے دست بردار ہونا پڑا۔

اس واقعہ کے بعد اور پہلے میری کئی ملاقاتیں ڈپٹی کمشنر پشاور مسٹر لہیچسن سے جو در اصل گورنر کا آلہ کار تھا ، ہوئیں ۔ میں نے حکومت پر تحریک کی غرض وغایت مفصّل واضح کی ۔ اس کو تبلایا کہ بیلچہ رسولِ خدا صلعم نے غزوہِ خندق کے موقعہ پر اٹھایا تھا ، اس کے اٹھانے میں کسی قوم کو خطرہ نہیں یہ مسلمان کا مذہبی نشان ہے ، اس سے مقصود خدمتِ خلق ہے ، خاکسار تحریک مسلمانوں میں پھر مذہبیت اور روحانیت پیدا کرنے کے لئے ہے ، اس کو انگریزی سیاست میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ، تحریک کے شائع شدہ اغراض ومقاصد تبلائے ، سیدھی قطاریں کھڑے ہونیکا مطلب سمجھایا کہ یہی سبق مسلمانوں کی نمازیں تھا ، حکومت پر واضح کیا گیا کہ تحریک سرتاپا مذہبی ہے ۔ مگر حکومتِ سرحد نے ایک نہ مانی اور کہا کہ خاکسار قطاروں میں مارچ نہ کریں ، فوج کی طرح احکام نہ دیں ، ایک رنگ کا لباس نہ پہنیں ، اگر خدمتِ خلق کرنا چاہتے ہیں تو الگ الگ ہو کر کریں ۔ اجتماعی صورت میں مارچ کرنا سرحد کے امن کے لئے خطرناک ہے مسلمانوں کو منظم کرنا در اصل ان کو خطرناک بنانا ہے !

حکومتِ سرحد کی شدید مخالفت

یہ وہ پوزیشن تھی جس کو میں اور سرحد کے مسلمان تسلیم نہ کر سکتے تھے چنانچہ حکومت کے اس حکم پر پشاور میں کہرام مچ گیا ۔ لاہور کے دستے کو دیکھ کر جو اس اثنا میں شہر میں مارچ کر رہا تھا جوش کا یہ عالم تھا کہ چند دنوں میں صوبہ سرحد کے تیس مختلف چوٹی کے افراد جن کا کسی ایک مقصد پر متفق ہو جانا قطعاً ناممکن تھا ، گورنر سرحد کے پاس بطور وفد جانے کے لئے تیار ہو گئے ۔ اس وفد میں وہ بڑے بڑے خان بہادر اور خطاب یافتہ لوگ بھی شامل تھے جن کی عمریں حکومت کی بے پناہ خدمت میں

صرف ہوئی تھیں، کئی مشہور وکلاء بیرسٹرز مولوی اور علماء بھی شامل تھے۔ یہ وفد دو گھنٹے تک اس بات پر زور دیتا رہا کہ خاکسار تحریک خالص مذہبی تحریک ہے اس لئے حکومت کو اس کے اجراء کی اجازت دینی چاہیئے۔

خاکسار تحریک کا حکومت سرحد کو خطرہ

گورنر سرحد نے وفد کو کہا کہ خاکسار تحریک ایک رات کے اندر اندر انگریزی حکومت کے لئے بےحد خطرناک ہو سکتی ہے۔ گورنر نے مجھے بالمشافہ کہا کہ اگر تم مسلمانوں کی مذہبی اصلاح چاہتے ہو تو پیر کیوں نہیں بن جاتے، ہمیں کوئی عذر نہیں ہوگا، سرحد میں مسلمانوں کا فوج کی صورت میں مارچ کرنا سرحد کے پار آگ لگا دے گا، ڈپٹی کمشنر پشاور نے کہا کہ اطاعت امیر جو تم پیدا کرنا چاہتے ہو اور اتحاد جس کے تم خواہاں ہو کسی دوسری غرض و مطلب کے لئے ہے مذہبی اصلاح کے لئے نہیں سٹی مجسٹریٹ نے ہمارے خاکساروں کو کہا قرآن اٹھاؤ کہ تم آگے چل کر حکومت کے خلاف کبھی نہ ہو گے، گورنر سرحد نے وفد کو کہا کہ عنایت اللہ خان بڑا خطرناک شخص ہے کیونکہ میکانیکی طریقے سے مسلمانوں میں نظام پیدا کرنا چاہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

انگریز نظام کا دشمن ہے

اس بیان سے میرا مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ خاکسار تحریک کے متعلق سرحدی حکومت کے خیالات ابتداہی میں کس قدر اوچھے، لایعنی اور بیہودہ تھے۔ میں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جس

نظام کو مسلمانوں میں پیدا کرنے کے لئے ہیں اور خاکسار سپاہی چار سال سے رات دن ایک کر رہے ہیں جس قوت اور طاقت کو مسلمانوں میں پھر پیدا کرنے کے لئے ہماری نیندیں حرام ہو گئی ہیں اور مسلمان اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اُس شئے کو انگریز کس متعصبانہ اور مخالفانہ نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ آج انگریز ہزارہا توپوں، بندوقوں اور سپاہیوں کے رکھنے کے باوجود مسلمانوں میں ایک ادنیٰ نظام قائم ہونا پسند نہیں کرتا قرآن کی ایک چھوٹی سی آیت پر عمل کرنا آج مسلمانوں کے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔ میرا یقین ہے کہ مسلمان اگر آج صرف جمعہ کی نماز کو شہر میں یکجا پڑھنا چاہیں اور اس پر عمل کرانے کے لئے کوئی خدا کا بندہ کھڑا ہو جائے تو انگریز اس شخص کو بالآخر سُولی پر چڑھا کر دم لیں گے۔ حکومت کا یہ دعوےٰ کہ ہم رعیت کے مذہب میں دخل نہیں دیتے وُہ مصلحت آمیز مکاری ہے جس میں اُردکی سفیدی کے برابر حقیقت نہیں!

حکومت سرحد سے معاہدہ کی شرطیں

سرحدی وفد کی گورنر سے ملاقات کا بالآخر یہ نتیجہ ہوا کہ نومبر ۱۹۳۲ء میں میرے سامنے حسب ذیل شرائط ڈپٹی کمشنر پشاور کی طرف سے پیش کی گئیں مجھے کہا گیا کہ ان پر فوراً دستخط ہونے چاہئیں ورنہ گورنر کی طرف سے حکم ہے کہ تم کو صوبہ سرحد سے خارج کر دیا جائے:۔

(۱) خاکساروں کی بھرتی میونسپل حدود کے اندر ڈھائی سو تک محدود رہے۔

(۲) پندرہ آدمیوں سے زیادہ کی کوئی جماعت نہ ہو۔

(۳) خاکسار ۸ بجے سے ۱۰ بجے رات تک اپنا عمل کریں۔

(۴) بڑے بازاروں میں مارچ نہ ہو۔

(۵) کوئی نعرے نہ لگائے جائیں۔

(۶) پولیس کے فرائض میں مداخلت نہ کی جائے

(۷) بیلچہ دن کے وقت صرف خدمتِ خلق کے لئے اُٹھایا جائے۔ ڈپٹی کمشنر پشاور نے تحریراً یہ بھی کہا کہ پہلی شرط کا مفہوم یہ ہے کہ پشاور میونسپل حدود کے اندر بہ یک وقت ڈہائی سو سے زیادہ خاکسار باوردی اور با بیلچہ مارچ نہ کرتے ہوں یہ تعداد صرف ایکٹو (Active) خاکساروں کی ہے۔ گویا ہمیں اس وقت تسلی دینے کے لئے یہ کہا گیا کہ خاکسار تحریک میں جس قدر مسلمان چاہیں شامل ہو جائیں لیکن ایک وقت میں ڈھائی سو سے زیادہ مارچ نہ کریں۔ ڈپٹی کمشنر نے یہ بھی کہا کہ ان شرائط کی تشریح فیاضانہ طور پر ہوگی۔ اگر خاکساروں کا رویہ پُرامن رہا تو تم کو حق ہے کہ ان پابندیوں کے اُٹھا دینے کے لئے حکومت کو پھر کہو۔ حکومت اس وقت صرف سُرخ پوشوں کی تحریک سے خوفزدہ ہے جو اگرچہ ابھی ابھی ختم ہو چکی ہے لیکن اس کا اثر صوبہ پر باقی ہے۔

معاہدہ کی حرف بحرف پابندی

آج خاکسار تحریک کو سرحد میں شروع ہوئے ہوئے قریباً تین سال ہو چکے ہیں۔ پشاور کی حکومت اپنی تمام غیر ہمدردانہ روش اور بدنیتی کے باوجود ہرگز نہیں کہہ سکتی کہ پشاور کے خاکساروں نے ان شرائط پر حرف بحرف عمل نہیں کیا۔ اس تین سال میں خدمتِ خلق کے درجنوں موقعے ایسے آئے جن کو دیکھ کر نہ صرف پبلک عش عش کر اُٹھی بلکہ حکومت کے افسروں کو مجبور کر دیا کہ وہ بھی ان

کی تعریف کریں۔ کئی دفعہ ڈپٹی کمشنر اور سٹی مجسٹریٹ آتشزدگی کے موقعوں پر خود پہنچے۔ کئی سو خاکساروں کو بہ یک وقت کام کرتے دیکھا، ان کی جان فشانی کو دیکھ کر شاباش شاباش کے نعرے لگاتے رہے، کئی خاکساران کے سامنے بے ہوش ہوگئے، کوئی ایک دن اس تین سال میں ایسا نہیں آیا کہ مارچ کرنے والے خاکساروں کی تعداد ڈھائی سو سے متجاوز ہوئی ہو، کسی نے ایک نعرہ لگایا ہو، پندرہ آدمیوں سے زیادہ کوئی محلہ کی جماعت ہوئی ہو وغیرہ وغیرہ، لیکن ان تمام فرمانبرداریوں کے ہوتے ہوئے شرائط نامہ پر دستخط کے بعد سب سے پہلا قدم جو حکومت نے اٹھایا یہ تھا کہ ہر محلہ میں دو دو تین تین خفیہ پولیس کے آدمی بٹھا دیئے۔ یہ لوگ پورے تین سال سے روزانہ ہر ایک جماعت کے ساتھ لگے رہتے ہیں، ایک منٹ اور ایک لمحہ کے لئے اس کو نہیں چھوڑتے۔ اگر جماعت دس میل مارچ کرے تو دس میل مارچ کرتے ہیں۔ حکومت کا منشا یہ تھا کہ خاکسار تحریک اس طرح فنا ہو جائے گی۔ خاکسار ڈر کر پیچھے ہٹ جائیں گے۔

حکومت کی طرف سے شدید رکاوٹیں

(۲) جب اس طرح کامیابی نہ ہوئی تو حکومت نے خفیہ پولیس کے بیسیوں آدمیوں کو خاکسار سپاہیوں پر فرداً فرداً مقرر کیا تاکہ ان کے والدین اور متعلقین سے ملتے رہیں اور مختلف قسم کی افواہیں پھیلائیں تاکہ خاکسار ڈر کر جماعت سے الگ ہو جائیں۔

(۳) خاکسار تحریک ان تمام منصوبوں کے باوجود جاری رہی۔ اس اثنا میں خفیہ پولیس کے آدمی اپنی کارگذاری کچھ نہ کچھ جتلانے کے لئے حکومت کو خاکساروں کے متعلق روزانہ ڈائری دیتے

رہے حکومت کے ایما سے یہ ڈائریاں جاتی رہیں اور ادنےٰ درجے کے بیس بیس روپے کے مُلازم خاکساروں کے افسر بنے رہے۔ وہ خاکساروں کا اعمالنامہ آہستہ آہستہ خراب کرنے کے لئے متعیّن تو تھے ہی، ادنیٰ سی ادنیٰ لغزش کی جو شرائط نامہ کے خلاف ہوتی تھی وہ حکومت کو اطّلاع دیتے اور سرگرم خاکساروں کے نام حکومت کے سامنے پیش کرتے۔ ایک خفیہ پولیس کے ملازم نے ۱۲ مئی ۱۹۳۳ء کو حسب ذیل رپورٹ کی" اس محلّہ میں سرگرمی سے کام کرنیوالا شخص گل محمّد ہے وہ دن رات اسی دُھن میں لگا ہے کہ خاکساروں کی تعداد زیادہ کرے۔ خاکساروں کو شرائط کے پابند رہنے کا سبق دیتا ہے۔ جب تک اس شخص کا بندوبست نہیں ہوتا تحریک بند نہیں ہو سکتی"۔ حکومت کو اپنی شرمناک روش کا ثبوت دینے کے لئے یہ رپورٹ کافی ہے

(۴) میرے پشاور سے چلے آنے کے دس ماہ بعد جب حکومت نے دیکھا کہ یہ تحریک کسی طرح کم نہیں ہوئی بلکہ مستقل مزاج لوگ زیادہ تر پیدا ہوتے جا رہے ہیں تو حکومت کے اوسان خطا ہونے لگے۔ جولائی ۱۹۳۳ء میں مجھے لاہور بیٹھے حکومت کی طرف سے یکایک ایک نوٹس قانون امن عامہ کے ماتحت ملا کہ تمہارا داخلہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۳ء تک ضلع پشاور میں بند کیا جاتا ہے۔ اس روز سے آجتک حکومت نے مجھے پشاور جانے نہیں دیا اور میعاد گزرنے پر نئے حکم بھیجتی رہی۔

(۵) جولائی ۱۹۳۳ء کے امتناعی حکم کے بعد حکومت نے مجھے اپنے پشاور کے کرایہ کے مکان سے جس میں میرا خانگی اسباب بند تھا بے دخل کیا۔ مجھے مالک مکان سے نوٹس دلوایا کہ مکان خالی کرو۔ مجھے مقدمہ کی پیروی عدالت میں نہ کرنے دی۔ میرا وکیل عدالت میں عمداً غیر حاضر ہو گیا تاکہ حکومت خوش ہو جائے۔ یکطرفہ کارروائی ہونے پر میرا کئی ہزاروں کا سامان ضائع ہوا وغیرہ وغیرہ۔

اس کارروائی کے ساتھ ساتھ حکومت نے بارہ ہزار روپیہ کے بیت المال کے متعلق جو صوبہ سرحد کی طرف سے میری تحویل میں تھا غبن کا مقدمہ چلانا چاہا۔ امپیریل بنک پشاور سے بہ جبر میرے کاغذات پر قبضہ کیا۔ ایک پبلک جلسہ اس غرض کے لئے کرایا کہ مجھ سے یہ روپیہ وصول کیا جائے لیکن جب پشاور کی پبلک نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ یہ روپیہ میرے سوا کسی دوسرے کے قبضے میں نہ رہے تو حکومت نے امپیریل بنک کے کاغذات واپس کر دیئے اور مقدمہ واپس لے لیا۔ حکومت نے اس کے علاوہ خفیہ آدمیوں کو مقرر کیا کہ پنجاب کی خبریں سرحد میں بھیجتے رہیں۔ ان میں سے ایک جاسوس کو حال ہی میں ادارہ نے تحریک سے خارج کر دیا ہے۔

اگلے سال یعنی ۱۹۳۷ء کے وسط میں حکومت خاکساروں کے استقلال کو دیکھ کر قطعاً بے بس ہوگئی۔ پندرہ سالاروں کو بلا وجہ یکدم نوٹس دیئے گئے کہ وہ تحریک سے علیحدہ ہو جائیں۔ اکثر سالار خوف زدہ ہو کر لاہور پہنچے کہ اب کیا کیا جائے۔ ادارہ علیہ نے مشورہ دیا کہ حکومت کے قانون کو خواہ وہ کتنا ہی ناجائز ہو توڑنا اور قید خانے میں جانا تحریک کے پروگرام میں داخل نہیں۔ اسلئے یہ تمام نوٹس یافتہ سالار خاکی وردی پہننا چھوڑ دیں، بیلچہ کو سر بازار نہ لائیں، باہمی محبت تو کوئی قانون فنا نہیں کر سکتا لیکن ان سے شام کے وقت کوئی ظاہری تعلق نہ رکھیں۔ اُدھر حکم دیا گیا کہ یہ نوٹس یافتہ سالار سفید کپڑے پہن کر اپنا روزانہ مارچ کریں۔ سفید پوشوں کے گروہ کا نام بجائے خاکسار کے "جماعت" ہوگا۔ اس تدبیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ پشاور میں صدہا "سفید پوش" جلد از جلد پیدا ہو گئے، خاکسار تحریک بھی بدستور جاری رہی اور حکومت کو ایک تحریک سے مقابلہ کرنے کی بجائے دو "خطرناک" تحریکوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔

(۷) چند ماہ کے بعد ۱۹۳۵ء کے شروع میں حکومت کو معلوم ہوگیا کہ خاکسار تحریک کو فنا کرنا آسان کام نہیں اس بنا پر حکومت مجبور ہوگئی کہ نوٹسوں کی میعاد کو جو ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۴ء تک تھی ختم کردے اور کم از کم صرف ایک تحریک سے مقابلہ کرتی رہے۔ چنانچہ یکم جنوری ۱۹۳۵ء کو سب "سفید پوش جماعت" کو حکم دیا گیا کہ وہ پھر خاکسار تحریک میں شامل ہوجائیں۔

"الاصلاح" کا اجرا اور تحریک کی توسیع

اسی اثنا میں خاکسار تحریک کی مزید ترقی کے لئے اخبار کی ضرورت درپیش ہوئی اور ہفتہ وار "الاصلاح" کا اجرا ہوا۔ اس اخبار نے چند ماہ کے اندر اندر جس قدر ترقی کی اور جس تیز رفتاری سے اس نے ہندوستان کے مسلمانوں پر قبضہ کیا تاریخ صحافت میں غالباً ایک بےمثال واقعہ ہے۔ چھ ماہ کے اندر اندر "الاصلاح" ہندوستان بھر کے گوشے گوشے میں پہنچ گیا۔ خاکسار تحریک کی توسیع بے مثال طریقے پر ہونے لگی اور لازم تھا کہ اس کا اثر سرحد پر بھی پڑتا۔ چنانچہ پچھلے سال سے برابر سرحد کے کسی نہ کسی حصے میں اجرا ہورہا ہے۔ حکومتِ سرحد کی پولیس فوراً اس حصے میں پہنچتی ہے جہاں کوئی شخص تحریک کو شروع کرنے کے لئے اٹھتا ہے فوراً اس کو ڈراتی ہے کہ تم پھانسی مل جاؤ گے حکومت تمہاری پنشن ضبط کرلیگی، تمہارے گاؤں جلادیئے جائینگے تمکو زندہ چنوا دیا جائیگا لیکن سرحد کے بہادران مضحکہ انگیز دھمکیوں کی پروا نہیں کرتے اور اللہ کا نام لیکر کام میں لگے ہوئے ہیں۔ حکومت عاجز ہے کہ مسلمانوں کی آپس میں محبت کو تعزیرات ہند یا امن عامہ کے قانون کی کونسی دفعہ کے تحت لاکر روک سکے۔

خاکسار تحریک اور مسئلہ مسجد شہید گنج

اب خاکساروں کا ایک عظیم الشان اجتماع دہلی میں ۲۸، ۲۹، ۳۰ دسمبر ۱۹۳۵ء کو قرار پایا ہے۔ تمام ہندوستان کے طول و عرض میں اس اجتماع کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ادھر مسجد شہید گنج کا مسئلہ روز بروز قوت پذیر ہو رہا ہے۔ راولپنڈی کی موتمر میں خاکساروں کا ایک نہایت شاندار دستہ پشاور سے آیا ہوا تھا۔ میں کہوں گا کہ یہ اسی پشاور کے شاندار دستے کے شاندار مظاہرے کی برکت ہے کہ راولپنڈی کی موتمر میں بالاتفاق محترم سید پیر جماعت علیشاہ کو امیر ملت تسلیم کیا گیا، سرحد کے لوگوں میں ایک قوت ہے جو نامحسوس طور پر پنجاب کے لوگوں کے دلوں پر اثر رکھتی ہے، ہندوستان کے لوگوں کو جذب کر رہی ہے، اگر سرحد کے لوگ خاکسار تحریک میں منظم ہو گئے تو میرا اندازہ ہے کہ تمام ہندوستان ان کا ہے۔ سب مسلمان منظم ہو جائینگے۔

مسجد شہید گنج اور حکومت سرحد کا نیا عتاب

مسجد شہید گنج کا مسئلہ ایک ایسا خالص مذہبی مسئلہ ہے کہ اس کے متعلق مسلمانوں کا جوش میں آنا ان کے بس کی بات نہیں۔ جو مسلمان اس کا درد نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں حکومت نے مسجد کو اپنی حفاظت میں گروا کر اپنے لئے وہ الجھنیں پیدا کر دی ہیں کہ وہ کسی ناخن تدبیر سے کھل نہیں سکتیں، الا یہ کہ مسجد کے گرانے والوں کو زیر قانون سزا دی جائے۔ حکومت کیلئے اپنے قانون کی آڑ میں مسلمانوں کے جذبات کو مطمئن کر دینا کوئی بڑی شئے نہیں اور جو حکومت اپنی غلطی کا اعتراف

کھلے دِل سے نہ کرے وہ مضبوط حکومت نہیں کہی جا سکتی۔ خاکساروں کی پوزیشن اِس مسئلے میں بعینہٖ وہی ہے جو عام مسلمانوں کی ہے اور خاکسار کسی مذہبی معاملے میں اور مسلمانوں سے ہرگز پیچھے نہیں رہ سکتے۔

دہلی میں خاکساروں کا عظیم الشان اجتماع اور مسئلہ مسجد شہید گنج دونوں اِس وقت خاکساروں کے پیشِ نظر ہیں۔ خاکساروں نے لاہور میں جو خدمات اور قربانیاں مؤخر الذکر سلسلے میں کی ہیں واضح ہیں، اس لئے ممکن ہے کہ اِن سب باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر پشاور کے خاکساروں کے دِلوں میں کوئی نیا ہیجان پیدا ہوا ہو لیکن اِن کے عمل کی اطلاعیں جو وقتاً فوقتاً پہنچتی رہی ہیں ظاہر کرتی ہیں کہ اجتماع اور مسئلۂ مسجد دونوں معاملوں میں خاکساران پشاور نے پچھلے تین ماہ سے کوئی ایسا رویّہ اختیار نہیں کیا جو کسی عنوان اور کسی طریقے سے امنِ عامّہ کے خلاف ہو، حکومت اپنے تمام دعوائے ہمہ دانی کے باوجود ایک حرف اس امر کی تائید میں پیش نہیں کر سکتی کہ کسی ایک خاکسار نے خلافِ قانون کوئی قدم اُٹھایا ہو، خلافِ قانون کوئی الفاظ بولے ہوں۔ خاکسار روزانہ مارچ حسبِ معمول کرتے رہے ہیں، خفیہ پولیس کی رپورٹیں بدستور پہنچتی رہی ہیں، اگر خفیہ پولیس والوں نے کوئی اطلاع مبالغہ آمیز اب درج کی تو ایسا وہ پہلے بھی کرتے رہے، لیکن ایک تحریک کو محض اس بہانے سے کچل دینے کی سعی کرنا کہ اس وقت مسئلہ مسجد شہید گنج درپیش ہے، یا خاکساروں کا عظیم الشان اجتماع دہلی میں آنے والا ہے، ہر انصاف پسند شخص کے نزدیک انتہائی درجے کا کمینہ پن ہے۔ ۷ اگست کو رات کے گیارہ بجے یکایک تین سالاروں کو تحریک سے علیحدہ ہونے کا نوٹس ملا۔ ۲۵ اگست تک بارہ سالار علیحدہ کر دیئے۔ ۷ ستمبر کو ۵ سالاروں

کو ہتھکڑی لگا دی گئی اور آج تک نہ جانے کہ پشاور میں خاکساروں کی کتنی گرفتاریاں عمل میں آچکی ہیں!

۲۲ اگست کو میں نے گورنر صوبہ سرحد کو تار دی کہ "ہمارے چار سال کے عمل نے ثابت کر دیا ہے کہ خاکسار تحریک پُرامن تحریک ہے۔ اس لئے ادارہ علیہ اب آپ کے مستبدانہ عمل کو جو آپ نوٹس دے کر سالاروں کے علیحدہ کرنے میں کر رہے ہیں تسلیم نہیں کر سکتا، ازراہِ نوازش اس کا تدارک کیا جائے اور ناگوار تعلقات سے بچنے کی سعی کی جائے" اس تار کا جواب مجھے گرفتاریوں میں ملا ہے! حکومت کے لئے بڑی پریشانی یہ تھی کہ خاکسار قانون کی زد میں نہیں آتے، کوئی قانون شکنی نہیں کرتے، اب حکومت اس امر کے درپے ہے کہ خاکساروں کو بیگناہ قید کر کے دیکھا جائے کہ وہ کیا کرتے ہیں!

میں صوبہ سرحد کے گورنر بہادر کو چیلنج دیتا ہوں کہ وہ گذشتہ تین ماہ میں (یا اس سے پہلے کبھی) خاکساروں کی کسی خلافِ قانون حرکت کا اعلان کریں۔ جن سالاروں کو گرفتار کر لیا ہے ان کے متعلق ادنےٰ سا کوئی ایسا گناہ بتائیں جو انہوں نے حکومت کے قانون کیخلاف کیا ہے، اگر گورنر بہادر یہ نہیں کر سکتا اور ہرگز نہیں سکتا تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ حکومتِ انگریزی کی بنیادیں ان تمام مظالم سے جو وہ مسلمانوں پر کر رہی ہے ہرگز مضبوط نہیں ہو سکتیں، ہر شخص اور رعیت کے ہر فرد کے دل میں انگریزی کی بے ضابطگی، مجرمانہ بدعہدی، قانون کی بلاوجہ کھینچ تان، رعیت کی ناخیر خواہی، اسلام دشمنی اور خود دوستی کا نقش جم رہا ہے، یہ نقش کچھ اچھا نہیں، خاکسار ہمیشہ قانون کے پابند رہے ہیں اور جبتک طاقت ہے رہینگے، ہم خواہ مخواہ حکومت سے الجھنا نہیں چاہتے اور جب الجھنے پر آئینگے تو پھر کچھ نہ مانیں گے لیکن حکومت کو چاہیئے کہ ہمارے ساتھ ناخوشگوار تعلقات پیدا نہ کرے ہم خود دوستی کے لئے ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالۂ افتتاحیہ

دہلی کا تکلیف دہ اجتماع

مطبوعہ "الاصلاح"

۲۰/ دسمبر ۱۹۳۵ء مطابق ۲۳/ رمضان ۱۳۵۴ھ

اللہ کی راہ میں چار رکاوٹیں

دسمبر کے آخر میں ہندوستان کے خاکسار سپاہی دہلی میں جمع ہونگے۔ ان کو کہا گیا ہے کہ تمہارا ایک عظیم الشان اجتماع دار السلطنت دہلی میں ہوگا چار سال سے پے در پے ان کے دلوں میں یہ ڈالا گیا ہے کہ اے مسلمانو! اکٹھے ہو جاؤ، فرقہ بازی چھوڑ دو، اپنے اپنے عقیدوں پر مضبوطی سے جمے رہو، یکدل اور یک جان ہو جاؤ، سپاہیانہ قوتیں پیدا کرو، ایک حکم اور ایک سالار کے ماتحت ہو کر ایک عمل کرو، تمہاری کمزوری کا راز تمہارا نفاق ہے، تمہاری خود رائی اور تکبر ہے، تمہاری غفلتیں اور سستیاں ہیں، خدا کی غلامی کو چھوڑ کر اپنے نفسانی خواہشات کی غلامی ہے، تم خدا کا کہا نہیں مانتے، اپنے نفس کا مانتے ہو، بیوی اور بچوں کا مانتے ہو، باغیچوں اور مکانوں کا مانتے ہو، اپنی دولت اور عزت کا مانتے ہو، یہ سب چیزیں تمہارے بت ہیں جن کو تم پوج رہے ہو، اگر آج ان کو چھوڑ کر

خدائے ذوالجلال کا کہا مانو تو آج بیڑا پار ہے

چار سال سے یہ آواز ہر مسلمان کو کسی نہ کسی طرح پہنچی ہے۔ چار سال کے بعد خاکساروں کا ایک بڑا اجتماع ہندوستان کے مرکز میں ہو رہا ہے تاکہ سب طرف کے سپاہی یکجا ہوں، ایک دوسرے سے ملیں، ایک دوسرے کو پہچانیں، ایک دوسرے سے ہمدردی کریں لیکن آج مسلمان کے دل میں چار بڑی رکاوٹیں ہیں جو اس کو دہلی جانے سے روک رہی ہیں۔ پہلی رکاوٹ **دسمبر کی سردی** ہے۔ وہ دل میں کہہ رہا ہے کہ اس سردی میں کون جائے، کون سفر کی تکلیف اٹھائے، کون فوجی خیموں میں سوئے، گرم گرم لحاف کون چھوڑے، کون جاڑے میں مرے۔ دوسری رکاوٹ **ریل کا کرایہ** ہے مسلمان کہتا ہے کہ اتنے روپے کہاں سے لاؤں، کیوں اتنی رقم صرف اکٹھے ہونے کے لئے خرچ کروں، وہاں نہ کوئی سینما ہے، نہ تھیٹر، نہ ناچ، نہ گانا، نہ جوا، نہ عورت، نہ بدمعاشی وہاں مارچ ہوگا، تھکاوٹ ہوگی، تکلیف ہوگی، پلّے سے پیسے دے کر کھانا ہوگا، نہ تقریریں ہونگی، نہ نعتیں، نہ نعرے، نہ کسی کی پگڑی اچھالنا، نہ کسی سے لڑنا، نہ کسی کی توہین، نہ چندے کی رنگ رلیاں! عنایت اللہ المشرقی بھی عجب مسخرہ ہے کہ بے وجہ ہم کو دہلی بُلا کر ہمارے روپیے خرچ کرا رہا ہے۔ اِس مسخرے کا ضرور ہے کہ دماغ بگڑ چکا ہے اس لئے اس کی کچھ نہ مانو۔

تیسری رکاوٹ **رمضان کا بہانہ** ہے مسلمان کہہ رہا ہے "اِنصاف کرو بھلا رمضان شریف میں کون جائے۔ ۲۷ر دسمبر کو آخری روزہ ہے اور اسی روز سفر ہوگا تاکہ دہلی ۲۸ دسمبر کو پہنچا جائے۔ اس سے پہلے بھی ایک دو دن سفر کی تیاری کے لئے چاہئیں۔ بھلا رمضان میں بھی کوئی شریف آدمی سفر کرسکتا ہے۔ خیر روزہ ہمارا نہ بھی سہی مگر یہ کس کو معلوم ہے کہ ہم

روزہ نہیں رکھتے رمضان کی "حُرمت" تو ضرور برقرار رکھنی چاہیئے۔ رمضان میں سفر کے یہ معنی ہیں کہ ہمیں روزہ نہیں۔ اِدھر مشکل یہ آن پڑی ہے کہ گھر کے اندر رہ کر تو بے روزہ ہونا کسی نہ کسی طرح چھپا سکتے ہیں مگر باہر سفر میں کیا کریں گے۔ روزہ والوں کے ساتھ روزہ رکھنا پڑیگا۔ سب سحری کھائینگے تو ہم کو بھی کھانی پڑے گی۔ بڑی مشکل ہے۔ بہتر یہی ہے کہ نہ جاؤ"

چوتھی روکاوٹ عید الفطر کی ہے۔ "بھلا بھائی عین عید کا دن اور گھر سے کئی سو میل دُور، بچوں سے الگ، ماں باپ سے جدا۔ توبہ توبہ یہ بھی کوئی خاکساری ہے کہ عید کے روز دربدر ہو جائے۔ ارے توبہ! یہ عنایت اللہ المشرقی ضرور دیوانہ ہے۔ کیا اِس کو کسی نے بتایا نہ تھا کہ ۲۸ دسمبر کو عید الفطر ہے، اروزوں کی عید ہے، روزہ داروں کے لئے یہ کوئی بڑی عید نہ ہو لیکن بے روزوں کے لئے تو بڑی خوشی کی عید ہے کہ اِس دن سب روزہ دار اور بے روزہ برابر ہو جاتے ہیں اور کسی کو پہچان نہیں رہتی کہ کون روزہ دار تھا"

اے مسلمان! تو شوق سے مجھے بے عقل اور دیوانہ کہے جا لیکن یاد رکھ کہ آج تیرہ سو پچاس برس کے بعد بھی تو وہی بُت پُوج رہا ہے جو قرونِ اولیٰ کے قرآن کے منکر لوگ پُوجا کرتے تھے۔ وہی اور بعینہ وہی حالت آج تیرے نفس کی ہے، وہ لوگ بھی رسولِ خدا صلعم کو کہا کرتے تھے کہ گرمی زیادہ ہے، ہم گرمی میں جہاد کرنے کے لئے کہاں جائیں۔ آسمان سے آیت اُتری کہ قُل نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا۔ یعنی ان گرمی کا بہانہ کرنے والوں کو کہدو کہ جہنم کی آگ اِس سے کہیں زیادہ سخت ہے! وہ لوگ بھی خدا کی راہ میں مال دینے سے جھجکتے تھے، کہا کرتے تھے کہ محمدؐ کا خدا فقیر ہے جو ہم سے روپیہ مانگتا ہے۔ اللہ نے جواب دیا کہ اے منکرو! خدا کو تمہارے مال کی کیا ضرورت

ہے، اس کے پاس تو زمین و آسمان کے خزانے ہیں، تم نے اگر ان باتوں سے جو تم کو تمہارے ہی فائدے کے لئے کہی جاتی ہیں منہ پھیرا تو یاد رکھو! تمہاری بیخ و بنیاد کو روئے زمین پر سے اکھیڑ کر تمہارے اوپر ایک دوسری ایسی قوم مسلّط کر دوں گا جو تمہیں ہمیشہ غلام رکھیگی اور اسی غلامی کی زنجیروں میں ہمیشہ کراہتے رہوگے۔ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ۔

اے مسلمان! تو آج رمضان کے مہینے میں کچھ کرنے کے قابل نہیں رہا۔ تمام دن رمضان کا ماتم کرتا ہے۔ روزہ ہو یا نہ ہو منہ میں روزہ ہونے کا بہانہ کرتا ہے، تمام دن سوتا ہے یا عمدہ کھانے جمع کرتا رہتا ہے تاکہ افطاری کے وقت پیٹ بھر کر کھائے لیکن یاد رکھ کہ رمضان کا بہانہ تیرے لئے کم از کم شرعی حیلہ نہیں بن سکتا کیونکہ اسی رمضان کی سترھویں تاریخ کو تیرے قرونِ اولے کے باپ دادا پہلی دفعہ میدانِ جنگ میں جہاد کے لئے نکلے تھے، اسی رمضان میں بھوکے رہ کر انہوں نے دشمن پر فتح پائی تھی، اسی رمضان میں تیرے ہزاروں باپ دادا قرونِ اولے کے بعد میدان کی لڑائیاں لڑتے رہے۔ یہی وہ رمضان کا مہینہ ہے جس سے تمام یورپ لرزجاتا تھا کہ کہیں مسلمان رمضان کے مہینے میں کسی ملک پر چڑھائی نہ کر دیں۔ جا شرم سے اپنے باپ دادا کے کارنامے تاریخ میں پڑھ پھر رمضان کے مہینے کا بہانہ کر کہ رمضان کی تاریخیں دہلی کے اجتماع کے لئے مناسب نہ تھیں۔

سردی، قربانئ مال، رمضان اور عید الفطر کے بہانے تو ایک طرف کیا اسی پچھلے چھ ماہ میں تیرے کئی دشمنوں نے دہلی میں جمع ہونے سے روکنے کی کئی تدبیریں اختیار نہیں کیں۔ کیا کئی بدبخت مسلمان نماہوشیاروں نے جن کو تیرے متحد ہو جانے میں اپنی لیڈری کی موت

کا سامان نظر آ رہا ہے کئی مہینوں سے اخبارات میں تحریک کے خلاف کذب اور دروغ، مکر اور فساد، اسلام دشمنی اور فریب کے پلندے در پلندے شائع نہیں کئے کیا تیرے ان مسلمان غمخوار دوستوں نے جن کو تو اپنی عورتوں کے زیور چندے میں اتار اتار کر دیتا رہا حکومت کے ایوانوں میں جا جا کر اور انگریز کے دوست بن بن کر نہیں کہا کہ خاکسار تحریک حکومت کے لئے خطرناک تحریک ہے اس لئے دہلی کے اجتماع کو کامیاب نہ ہونے دو، کیا اُنہوں نے پھر گھر آ کر اور اپنی پیشانیوں کو پیٹ پیٹ کر آپس میں نہیں کہا کہ اگر دہلی کا خاکسار اجتماع بے چندہ لئے کامیاب ہو گیا۔ تو ہمیں چندہ کون دے گا؟ کیا ان اسلام دشمن لفنگوں کا یہ کئی ماہ کا پروپا غنڈا جو تیرے اتحاد کے خلاف ہو رہا ہے تیری راہ میں ایک اور روکاوٹ نہیں ہے؟ جا سوچ کر تیرے دشمن تجھے بہکا بہکا کر کامیاب ہو رہے ہیں، تیری جڑوں کو اُکھاڑ پھینکنے والے عبدالرحمٰن اور عبداللہ ہیں، اپمانند اور ایمرسن نہیں، تو اُن کو اپنا پیشوا اور لیڈر سمجھ رہا ہے جو تیرا خون چوس چوس کر موٹے ہو رہے ہیں، تو خاکسار تحریک سے اس لئے بگڑ رہا ہے کہ تحریک تجھ سے پیسہ نہیں مانگتی اور مفت تیری بگڑی کو بنا رہی ہے؟ تو اوروں کا اس لئے دوست ہے کہ وہ تیری جیبیں بھی کترتے ہیں اور تجھے فول بھی بناتے ہیں، تو غلط بخش ہے جا اپنی غلط بخشیوں میں اپنی ہلاکت کا سامان دیکھ!

ہاں میں تجھے یاد دلاتا ہوں کہ دہلی میں خاکساروں کا اجتماع ۲۸/۲۹/۳۰/۳۱ دسمبر کو ہے لیکن اے مسلمان اس اجتماع سے یہ نہ سمجھ کہ دہلی پہنچ کر تجھے نرم نرم گدّے سونے کے لئے اور مزیدار تقریریں سننے کے لئے ملیں گی۔ یہ سب غلط سمجھ اور پھر دہلی میں آ۔ ممکن ہے کہ وہاں ۲۷ دسمبر کی رات تک بھی کوئی ایک آسائش کا سامان مہیّا نہ ہوا ہو ایک خیمہ کسی دہلی کی زمین پر نہ لگا ہو، زمین

کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ابھی خاکساروں کو کسی نے عاریتہً نہ دیا ہو کہ اس پر اپنے خیمے لگا لیں، ممکن ہے کہ اس وقت تک دشمن طاقتیں سب کو روک دیں اور سب کو کہیں کہ خاکساروں کو سونے کے واسطے بھی زمین نہ دو، سب لوگ جن کی زمینیں موجود ہیں دشمن کے خوف سے ہمیں پناہ دینے سے انکار کریں۔ خیمے والے خیموں کا کرایہ بڑھا دیں۔ پانی دینے والے پانی نہ دیں، روٹی کھلانے والے ڈیڑھ آنے میں روٹی مہیا نہ کر سکیں، ممکن ہے کہ یہ چار دن انتہائی بھوک، انتہائی رنج والم میں کٹیں لیکن اے خاکسار مسلمان! دہلی میں آ! ہاں دہلی میں اسلئے آ کہ تجھے میدانِ جنگ کی مصیبتوں کا پتہ لگے، اس لئے آ کہ تو دشمن کی دشمنیوں کا اندازہ کرے، اگر دشمن طاقتیں اس اجتماع کے رستے میں حائل ہوں تو بھی تو جمع ہو جا، اگر دشمن تیرے آرام سب منقطع کر دے تو بھی تکلیف برداشت کر۔ تمھیں دہلی میں اس واسطے بلایا نہیں جاتا کہ تو وہاں کوئی "جلسہ جلوس" کرے، کوئی "انجمن سازی" کرے، کوئی کرسیوں پر بیٹھ کر "ریزولیوشن" پاس کرے۔ تمہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ تو میدانِ جنگ کو سمجھے، دشمنوں کی دشمنی کو سمجھے، تکلیف سے آشنا ہو، فتح کی مشکلات کا اندازہ کرے۔ اے مسلمان اس دکھ کو اٹھا، اور ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو کر چار دن رات کی تکلیف برداشت کر تاکہ خدا تیری کشائش کی کوئی راہ کھول دے!

عنایت اللہ خان المشرقی

خاکسار تحریک اور گورنر پنجاب

علامہ مشرقی کا تار اور اعلان

۱۲ دسمبر۔ قضیہ شہید گنج کے سلسلے میں دس دسمبر کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو وفود نے گورنر پنجاب سے ملاقات کی تھی۔ صاحب گورنر نے ان وفود کو جواب دیتے ہوئے بعض اشارے اُن انجمنوں کی طرف کئے تھے جو فوجی قواعد کر رہی ہیں اور اس سلسلے میں حسب ذیل الفاظ کہے تھے جن کا مفہوم اخبارات میں غلط چھپا تھا یہ فقرات حسب ذیل ہیں:۔

"حکومت اُن انجمنوں کی سرگرمیوں کو بھی روک دیگی جن کی سرگرمیوں کا ایک حصّہ نام نہاد فوجی تربیت (غالباً مصنوعی جنگوں کی طرف اشارہ ہے) میں دلچسپی لینا ہے"!

گورنر بہادر کے ان الفاظ کو بپیش نظر رکھ کر آج علامہ مشرقی نے جو خاکسار تحریک کے قائد ہیں۔ حسب ذیل تار ہز ایکسیلنسی کو دیا ہے:۔

"بارہ دسمبر کو لاہور واپس آکر میں نے یور ایکسیلنسی کے اُس اعلان کو بغور پڑھا ہے جو آپ نے لاہور کی فرقہ دارانہ کشیدگی کے متعلق دس دسمبر کو کیا تھا اور اس میں اُن انجمنوں کی طرف بھی اشارہ تھا جو سیاسیانہ طور پر متحرک ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ کا یہ اشارہ خاکسار جماعت کی طرف نہیں جس کا روز اول سے مقصدِ وحید حکومت سے اُلجھنا نہیں، اور جس کے پیش نظر ہندوستان کی تمام قوموں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنا ہے۔ خاکسار تحریک امن اور احترامِ قانون قائم رکھنے کے لئے حکومت کو ہر حیثیت سے امداد دینے کے لئے تیار ہے جیسا کہ کئی بار اعلان اور عمل کر چکی ہے۔ اس وقت لاہور کے افسوسناک حالات کو پیشِ نظر رکھ کر میں نے خاکساروں کو ایسی سرگرمیوں میں

حصہ لینے سے منع کر دیا ہے جن کا غلط مفہوم لیا جا سکتا ہے۔ میں اُمید کرتا ہُوں کہ ان احکام کے بعد یور ایکسیلینسی کو خاکسار تحریک کے متعلق کامل اطمینان ہو جائے گا"

علامہ محترم نے اپنے اِس تار اور عوام الناس میں صاحب گورنر کے اعلان کی غلط فہمیوں کے متعلق حسب ذیل بیان اخبارات کو دیا ہے:۔ "مُدیر"

"مسئلہ مسجد شہید گنج کے متعلق خاکسار تحریک کی پوزیشن بالکل واضح ہے۔ خاکساروں کو اس مسجد کے شہید ہونے کا اُتنا ہی رنج اور غم ہے جتنا کہ ہر مسلمان کو ہونا چاہیئے۔ اسی بنا پر خاکسار تحریک نے اس میں حسب طاقت مفید حصہ لیا اور لیتی رہے گی۔ لیکن میں اور ہر خاکسار اِس بات کا قطعاً مخالف ہے کہ اس مسئلہ کو پیش نظر رکھ کر قتل وغارت کا بازار گرم کیا جائے، یا پیشتر اِس کے کہ حکومت خود اِس مسئلہ کو اپنے ناخن تدبیر سے حل کرے کوئی شور و شر کیا جائے۔ پبلک کو اچھی طرح معلوم ہے اور میں کئی ماہ سے اس کوشش میں مصروف رہا ہوں کہ مسلمانوں میں مسئلہ شہید گنج کے بارے میں نظم ونسق پیدا ہو جائے۔ چنانچہ محترم پیر جماعت علی کی بطور امیر ملت تقرری کی تجویز بھی موتمر راولپنڈی میں میں نے ہی کی تھی۔ میرا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں اس امر کا احساس پیدا ہو کہ وہ ایک نظام میں منسلک ہیں اور آئندہ کوئی کام نظام سے باہر رہ کر نہ کرینگے۔

ھندوؤں اور سکھوں کے مشترکہ جلوس نے جو ۱۳ر نومبر کو نکلا تھا بلا شبہ مسلمانوں پر زیادتیاں کیں ہونگی اور اِس کے لئے وہ غالباً مجرم ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا سِکھوں اور سکھوں کا بعض مسلمانوں کو قتل کر دینا بالکل ناجائز تھا۔ میں مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مسجد کے مسئلے کو نظام اور قانون کے اندر رہ کر حل کریں، ورنہ وہ اپنا معاملہ آپ خراب کر دیں گے۔ ہندوؤں اور سکھوں

کی اشتعال دہانی کا جواب اس وقت ایک ہی ہے کہ مسلمان خاموش رہیں۔ اور امیرِ ملت سے احکام طلب کریں، میں خوش ہوں کہ دسمبر کے فساد میں کسی خاکسار نے کوئی ناروا بات نہیں کی بلکہ کئی جانوں کو بچایا۔ لیکن میری آرزو ہے کہ عام مسلمان بھی یہی رویہ اختیار کریں۔

میں نے لاہور کے سالارِ اکبر کو ہدایت کر دی ہے کہ آیندہ مصنوعی جنگوں کے مظاہرے اسوقت ملتوی کر دیئے جائیں جب تک فرقہ دارانہ فضا بہتر نہ ہو جائے۔ خاکساروں کی کسی قوم سے مخالفت نہیں۔ وُہ ملک کے تمام فرقوں کے درمیان اتحاد و امن کی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں مصنوعی جنگوں سے ان کا مُدعا یہ نہ تھا کہ فرقہ دارانہ فضا مکدر ہو بلکہ عوام کی دلچسپی ان فسادات سے ہٹا کر دُوسری طرف کر دی جائے۔ اگر کسی قوم نے ان مظاہروں کو غلط سمجھا ہے تو یہ اس کی اپنی غلطی ہے۔ دسمبر کے آخیر پر خاکساروں کا دہلی میں اجتماعِ عظیم اِس امر کا روشن ثبوت ہوگا کہ مسلمان خاکساروں کے ساتھ ایک قطار میں ہندو اور سکھ خاکسار بھی دوش بدوش کھڑے ہیں اس سے زیادہ میرے پاس ہماری خواہشِ اتحاد کا کوئی دوسرا ثبوت نہیں۔

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

علاّمہ مشرقی کا خطبہ اجتماعِ دہلی

مطبوعہ "الاصلاح"

۱۰ جنوری ۱۹۳۶ء مطابق ۲۴ شوال ۱۳۵۴ھ

میرے ہندوستانی بھائیو! آج کا دن ہندوستان کی تاریخ میں مسلمان بھائیوں، ہندو اور سکھ برادرانِ وطن کے لئے ایک عظیم الشان تاریخی دن ہے ہم چار سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد اِس بات میں کامیاب ہوئے ہیں کہ دہلی کے دارالسلطنت میں تمام بھائیوں کا عظیم الشان اجتماع منعقد کریں۔ یہ صورت، خدا کا شکر ہے، آج پیدا ہو چکی ہے، اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اِس خاکسار جماعت میں مسلمانوں کی ایک عظیم الشان تعداد کے علاوہ ہندو بھائی، سکھ بھائی، عیسائی بھائی، بلکہ اچھوت بھائی بھی مختلف شہروں میں شامل ہیں۔ اس تمام اتفاق و اتحاد کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ خاکسار تحریک کا مقصود بالذات خدمتِ خلق ہے۔ خاکسار دنیا میں اسلئے پیدا ہوا ہے کہ وہ بلا تفریق مذہب و ملت اور بے پاسِ رنگ و نسل ہر مخلوق حتیٰ کہ ہر حیوان اور نبات کی خدمت کرے۔ یہ خدمت بلا اُجرت ہو، بغیر احسان کے ہو، ہمدردانیت پیدا کرنے کا ذریعہ ہو، قربِ خُدا حاصل کرنے کی سند ہو۔ اِس کا نتیجہ ہندو کا مسلمان سے اتحاد ہو، مسلمان کی ہندو سے محبت ہو۔ حکومت کو خوشی ہو کہ اِس کی رعیت

آپس میں اتفاق و اتحاد پیدا کر رہی ہے، رعیت کو خوشی ہو کہ انگریز ہم پر بھائی ہو کر حکومت کر رہے ہیں، برادرانہ طور پر ہمارے دکھ درد میں شریک ہیں۔ انگریز رعیت کو اعتماد کی نظر سے دیکھے، اور رعیت کو اعتبار ہو کہ انگریز ہماری بہتری کے لیے حکومت کر رہا ہے۔

اس خدمتِ خلق کے علاوہ خاکسار تحریک کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایک بے پناہ تنظیم پیدا کر دے۔ یہ تنظیم خالص طور پر مذہبی ہو۔ اس کو انگریزی یا ہندوستانی سیاست سے کوئی تعلق نہ ہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی اس لیے بنے کہ بھائی بننا ہمارا مذہبی فرض ہے۔ مسلمان خدمتِ خلق کے لیے دکھ اس لیے اٹھائے کہ خدمت کرنا داخلِ عبادت ہے، جنت میں داخل ہونے کی کلید ہے وراثت زمین اس خدمت کا انعام ہے صراط الذین انعمت علیہم اس خدمت کا اجر ہے۔ میں اپنے مسلمان بھائیوں کو جو اس وقت اطرافِ ہندوستان سے آئے ہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ یہ روحانیت، یہ اتحاد، یہ اخوت، یہ عزم قطعاً پیدا ہو چکا ہے۔ مسلمان سمجھ چکا ہے کہ دنیا میں بے پناہ زور حاصل کرنے لئے سب سے پہلے آپس میں اتحاد کی ضرورت ہے، کمزوری کی حالت میں سیاست میں الجھنا بیہودہ پن ہے۔ جو قوم اپنے آپ کو درست کرے گی وہی طاقت والی ہے۔ اور زمین بلکہ آسمان اُس کا ہے۔ ہندو سمجھ چکا ہے کہ مسلمان سے اتحاد کے بغیر چارہ نہیں۔ انگریز سمجھ چکا ہے کہ رعیت کو ناراض کرنا اچھا نہیں۔ یہ سب باتیں، یہ سب سبق، یہ سب تلخ تجربے۔ ہندو، مسلمان، انگریز، سکھ پارسی، عیسائی کو ایک نامحسوس اتحاد کی طرف بلا رہے ہیں۔ اس اتحاد کا طبعی نتیجہ خاکسار تحریک ہے

ہاں میں تم کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ خاکسار تحریک سیاسی تحریک نہیں۔ مذہبی اور معاشرتی تحریک ہے۔ لیکن میں اس کی مذہبی تحریک ہونے کی تشریح کرنا چاہتا ہوں۔ یہ مذہبی تحریک ہے لیکن کسی

کے مذہب سے نہیں اُلجھتی۔ مسلمانوں میں بیسیوں فرقے ہیں۔ خاکسار کو کہا گیا ہے کہ اپنے اپنے فرقے اور عقیدہ پر مضبوطی سے جما رہے۔ ہندو کا مذہب مسلمان سے علیحدہ ہے لیکن مسلمان کو کہا گیا ہے اور ہندو کو کہا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کے مذہب سے رواداری اختیار کرے۔ میرے یقین میں آپس کی لڑائی کوئی سیاست نہیں، بیوقوفی ہے، دیوانہ پن ہے۔ وہ قوم دنیا میں سب سے بڑی سیاستدان ہے جو دشمن سے صلح رکھے اور ہندو اگر مسلمان کا دشمن ہے یا مسلمان ہندو کا دشمن بھی ہے تو عقل، حکمتِ عملی، پالیسی سب کا تقاضا یہی ہے کہ ہندو اور مسلمان ہم وطن ہو کر آپس میں خلوص سے رہیں۔ کمزوروں کا آپس میں لڑنا سب کی موت کی علامت ہے۔

ہاں خاکسار تحریک کا مدعا یہ ہے۔ کہ ہندوستان میں صلح و امن کی فضا قائم کرے میں اس خطاب کے ذریعے تمام لوگوں کو مخلصانہ دعوت دیتا ہوں کہ اس صلح اور امن کے قائم کرنے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ تمام اُن بڑے بڑے آدمیوں، علمائے کرام، لیڈران عظام اور سرکاری عمال، حکومت کے ملازم، وطن کے خیر خواہ سب کا مخلصانہ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنھوں نے ہماری اس تحریک کی طرف محبت کی نظر سے دیکھا۔ جو جو پیغام عظمائے قوم کی طرف سے آئے ہیں اُن پیغاموں کا مخلصانہ شکریہ ادا کرتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں۔ کہ وُہ اس تحریک کی طرف محبت کی نگاہوں سے دیکھیں۔

تشکوک کو اپنے دلوں سے نکال دیں۔ مسلمان جب دنیا میں اُٹھا ہے۔ عدل، مساوات، رحم، رافت، محبت قائم کرنے کے لئے اُٹھا ہے۔ خونخواری، قتل، دُکھ، اذیت سے اسکو کوئی سروکار نہیں رہا۔ میں سب صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اور ادب سے رخصت ہوتا ہوں۔ ۔ عنایت اللہ خان المشرقی

مقالۂ افتتاحیہ

خاکسار حاجیوں کے انتخاب کے متعلق علامہ مشرقی کا اعلان

مطبوعہ "الاصلاح"

۳۱ جنوری ۱۹۳۶ء مطابق ۶ ذیقعد ۱۳۵۴ھ

۲۷ جنوری:۔ نمبر ۱۸۱۔ ۸ اگست ۱۹۳۵ء کے اعلان نمبر ۱۰۰ میں جو ادارہ علیہ کی طرف سے ۲۳ اگست کے "الاصلاح" میں شائع ہوا تھا حسب ذیل الفاظ درج تھے:۔

"ادارہ علیہ میں یہ خبر ایک مدت سے سرگرم تھی کہ آیندہ حج کے موقع پر پانچہزار خاکسار حاجیوں کا ایک دستہ مکہ معظمہ میں مارچ کریگا۔ پچھلے سال عراق عرب کی ایک مخلص انجمن[1] نے ۵۷ سپاہیوں کا ایک دستہ حج کے موقعہ پر بھیجا تھا اور اس دستے کی سپاہیانہ قواعد کو جلالۃ الملک سلطان ابن سعود نے بھی پسند کیا تھا۔ محترم مولوی اسمٰعیل غزنوی[2] اس فکر میں تھے کہ خاکسار سپاہیوں کا ایک دستہ اسی طرح حج کے لئے آئے تاکہ ہندوستانی سپاہیوں کی قابلیت کا سکہ وہاں بیٹھے اور مختلف ممالک میں رابطۂ اتحاد قائم کرے۔ علامہ مشرقی اس امر پر مُصر تھے کہ اب کے سال کم از کم پانچہزار اشخاص منظم طریقہ پر خاکسار تحریک کے ماتحت ہو کر جائیں۔ سب کے سب چاق چوبند جوان ہوں، سپاہیانہ قواعد جانتے ہوں، خاکی وردی سے لیس اور بیلچے سے مسلح ہوں۔

(۱) جمعیت کشاف العراقی۔ (۲) سلطان ابن سعود کے ہندی ایجنٹ۔

بہت بوڑھے اور کمزور اشخاص کو اس دستے میں شامل نہ کیا جائے۔ دورۂ امرتسر کے دوران میں علامہ مشرقی نے طے کرلیا ہے کہ ایک ہزار حاجیوں کا (کرایہ جہاز کے علاوہ) تمام خرچ جو قریباً چار سو روپیہ فی حاجی ہوتا ہے حکومت حجاز اپنی گرہ سے ادا کرے گی۔ یہ لوگ جدہ میں اترتے ہی حکومت کے مہمان ہونگے اور حکومتِ حجاز کے تمام محصولوں اور ٹیکسوں سے آزاد ہوں گے۔ وغیرہ وغیرہ"

"الاصلاح" میں یہ اعلان میرے دورۂ امرتسر کے متعلق تھا۔ جو سطریں اب جلی قلم سے لکھی گئی ہیں اُس وقت بھی جلی قلم سے تھیں اور ظاہر تھا کہ ایک ہزار حاجیوں کو خاکسار لباس میں بھیجنے کا معاملہ کس طرح اور کہاں پہ طے ہوا تھا۔ اعلان نمبر ۸۰ کے بعد آج تک کوئی اعلان ادارہ علیہ کیطرف سے شائع نہیں ہوا، اگرچہ اخبارات اور "الاصلاح" میں اس اعلان کو پیشِ نظر رکھ اشتہارات چھپتے رہے اور اگست سے لے کر دسمبر تک اس امر کا خوب چرچا رہا۔

جلالۃ الملک سلطان ابن سعود سے میری راہ ورسم ۱۹۲۶ء سے ہے لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ خاکسار حاجیوں کی دعوت کا معاملہ سلطان کی خدمت میں میری گزارش سے طے ہو۔ دورۂ امرتسر میں جو کچھ طے ہوا تھا ظاہر کر دیا گیا۔ محترم مولوی اسمٰعیل غزنوی کی غرض وغایت اور میرا اصرار بھی واضح تھا۔ گویا محترم نیک نیتی سے یہ چاہتے تھے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی سپاہیانہ استعداد کا مظاہرہ مکہ معظمہ میں ہو اور اسلام پھر اُبھرے۔ اس مظاہرہ میں نہ ایک پیسہ کا فائدہ مجھے تھا نہ اُن کو۔ صرف اسلام کے زوال کے رنج وغم میں دو شخص بہتری کی صلاحیں کر رہے تھے کہ شاید اس طرح ہی بگڑی بن جائے۔ میں پانچ ہزار پر مصر تھا۔ محترم اسمٰعیل کہتے تھے کہ اس قدر تعداد ہرگز

جمع نہ ہو سکے گی کیونکہ نوجوان مسلمانوں میں حج کا شوق صفر ہو چکا ہے۔ وُہ ایک ہزار نوجوانوں کے جمع ہو جانے کے متعلق بھی مایوس نظر آتے تھے۔

اس اعلان پر مسلمان نما اشخاص کا وہ بدبخت طبقہ جو پچھلے کئی برس سے اس بیچاری اور بے نوا قوم کو دردناک دھوکے دے دے کر اپنی دکانیں چلا رہا ہے اور خُدا اور رسول سے قطعاً نہیں گھبراتا جس کے پچھلے کئی سالوں کے پلید کارنامے دیکھ دیکھ کر مخلص مسلمانوں کی آنکھوں میں خون آ آ کر سُوکھ گیا ہے یا سیخ پا ہو گیا کہ اے لو! ہم چالیس چوروں اور علی بابا کے بالمقابل دو اور چور مشرقی اور غزنوی پیدا ہو گئے۔ ایک ہزار حاجیوں کے مکّہ کی طرف مارچ سے خُدا جانے ان کو کتنے لاکھ روپیہ وصول ہو جائیں گے وُہ کتنے بنگلے اور گھر بنا لینگے، کتنا مرغ اور کباب خوری کا سامان پیدا ہوگا! اُدھر خدا جانے چٹّا اور گورا انگریز ایک ہزار بیلچہ برداروں کے مارچ سے کتنا گھبرائیگا، اُس کی پیشانی کس قدر میلی ہو گی اور ہم سے کس قدر ناراض ہو گا کہ تم نے کیوں نہ روکا۔ چنانچہ اُنھوں نے کمال بے شرمی اور بے حیائی سے اس تجویز کے خلاف پروپاگنڈا شروع کیا تاکہ جلالۃ الملک سلطان ابن سعود کی پوزیشن خراب ہو، انگریز مہاجن جس سے وہ قرض لے چکا ہے اُس کو گھورے اور وُہ گھبرا کر اس تجویز کو مُسترد کر دے! چند اخباروں کے نکتہ ناشناس ایڈیٹر بھی اپنی بھوک اور بے دماغی کی شدّت میں اس تجویز سے پلاؤ اور گوشت کی بُو سونگھنے لگے، اور تہیہ کر لیا کہ نہ آپ کھا سکتے ہیں نہ کسی کو کھانے دیں گے!

نہ بادہ ہائے صبوحی بدامنِ عصمت
چہ داغِ شرم کہ ننہادۂ دریغ از تو!

مجھے ایک بیدار مغز حاجی دوست نے کہا تھا کہ حج کے موقعہ پر نوجوان حاجی پانچ فیصدی بھی نہیں ہوتے اور اگر کوئی نظر آتا ہے تو صرف اس وجہ سے کہ بوڑھی عورتیں اور مریا زنانہ اُس کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی ہُوا۔ اگست سے دسمبر تک تقریباً تین سَو چالیس اُمیدوار حاجیوں کی درخواستیں اِدارۂ علیہ میں پہنچیں جن میں سے تین سَو چھ اُن اشخاص کی تھیں جو بالکل ناکارہ تھے۔ قریباً سب پچاس برس سے زیادہ تھے۔ کئی بیمار تھے اور مدینے میں مرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ کئی نے کہا قبر میں پاؤں لٹکائے ہیں، دو سو روپیہ ہیں وہاں پہنچا دو تاکہ مر جائیں۔ صرف **تینتالیس نوجوان** تمام ہندوستان میں ایسے ملے جو ہماری شرطوں پر پورے اُتر سکتے تھے۔ اِس حالت کو دیکھ کر اِدارۂ علیہ نے اجتماعِ دہلی کے موقعہ پر فیصلہ کیا کہ خاکسار حاجیوں کا حج آئندہ سال کے لئے ملتوی کیا جائے اور سال بھر مزید کوشش کی جائے تاکہ زیادہ تعداد نوجوانوں کی نکل سکے۔ محترم مولوی اسمٰعیل غزنوی کا اندازہ بالکل درست نِکلا لیکن بدبخت دشمنِ اسلام بغلیں بجا کر کہہ رہا ہے "شکر ہے کہ ایک ہزار کہہ کر صرف ۴۳ مسلمان نکل سکے، مشرقی کو شکستِ فاش ہوئی، شکر ہے کہ ہمارا کہا دُرست ہو گیا، شکر ہے کہ مسلمان اِس قدر کمزور ہیں، الحمدللہ کہ انگریز اس قدر زور آور ہیں، حج کے سپرٹ کو خوب کچلا ہے، شکر ہے کہ اب مسلمان کے پھر اُٹھنے کی اُمید نہیں رہی، ایسی حالت میں سوائے اِس کے کہ انہی کو لوٹ کر اپنا پیٹ پالا جائے ہم کیا کر سکتے ہیں"

اِن واقعات کے بعد میں اعلان کرتا ہوں کہ مسلمانانِ ہندوستان جن کو یہ پیغام پہنچے آئندہ سال حج کے موقعہ پر ایک ہزار باوردی اور بابیلچہ خاکسار سپاہیوں کی روانگی کی تیاری ابھی سے شروع کر دیں۔ رنگون کے مشہور ننجر محترم وی ایم غنی[†] نے مجھے لکھا ہے کہ وُہ نہایت معمولی کرایہ پر

† ۱۹۳۶ء کے آخر تک اِس کا اعلان نہ ہو سکا لیکن محترم وی ایم غنی سالارِ ملند وپ رنگون کی قیادت میں ایک مختصر دستہ جنوری ۱۹۳۷ء کو باوردی روانہ ہُوا۔

ایک جہاز چارٹر کرا سکتے ہیں بشرطیکہ ایک ھزار حاجیوں کی تعداد پوری ہو جائے۔ کرایہ آنے جانے کا صرف پچاس ساٹھ روپیہ یا اس سے کچھ زیادہ لگیگا اور خواہ سلطان ابن سعود ہمیں رعائیتیں دیں یا نہ دیں ہم انتظام ایسا کرینگے کہ ڈھائی تین سو روپیہ کے اندر اندر حج ہو سکے۔ اس دستے کی تیاری ابھی سے شروع کر دی جائے۔ تمام خاکسار اور غیر خاکسار اشخاص ایک دوسرے کو آئیندہ سال حج کی ترغیب دینے میں منہمک ہو جائیں۔ ہر ایک امیدوار حاجی ابھی سے کچھ رقم روزانہ جمع کرنی شروع کر دے اگر ایک ہزار حاجیوں کا یہ دستہ مسلمانوں کے اس عالمگیر اجتماع پر ہندوستان سے پہنچ گیا تو جو نفع عالمِ اسلام کو اس نظّارے سے پہنچ سکتا ہے ہر ہوشمند پر واضح ہے۔

مسلمانوں کے بعض فساد پسند اور بے مایہ لوگوں نے اس اثنا میں ادارۂ علیہ کو ترغیب دی ہے کہ میں ایکہزار حاجیوں کی تجویز کے متعلق اپنی "پوزیشن صاف" کردں گویا میں بھی ایک "چندہ خور لیڈر" ہوں اور یہ لوگ مسلمانوں کی طرف سے میرے گناہوں کے کوتوال مقرر ہیں۔ اِن کی صاف نیّت تھی کہ میں سلطان ابن سعود یا مولوی اسمٰعیل غزنوی یا کسی اور مسلمان کو بدنام کرتا تاکہ بدنیّت مسلمان کو اس بٹیر بازی میں مزا آئے۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ اِس معاملے میں کسی شخص کا قصور نہیں مسلمانوں کی اپنی کمزوری ہے کہ ایک ہزار کی تعداد میں جمع نہ ہو سکے۔ اس کمزوری کا اعلان اِس لئے کرتا ہوں کہ قوم کو غیرت آئے اور وہ آئیندہ سال زیادہ تعداد میں جمع ہو سکے۔

آئیندہ سال کا دستہ

آئیندہ سال کے دستے کے لئے ابھی سے تیاری ضروری ہے۔ ہر شخص جس کو یہ پیغام پہنچے

کم ازکم ایک نوجوان حج کے لئے مکمّل طور پر تیار کرنے کا ارادہ کرے۔ وہ نوجوان ابھی سے سرمایہ اکٹھا کرنا شروع کردے، ادارۂ علیّہ میں اپنی درخواست بھیجے، سپاہیانہ قواعد سیکھے، حاجی کی خاکی وردی اور بیلچہ تیار کرے، نزدیک کی خاکسار جماعت میں اپنے آپ کو منسلک کرے، تمام سال ادارۂ علیّہ سے تعلق قائم رکھے اور اس بات کو ذہن میں رکھے کہ ایک ہزار حاجی جب تک تیار نہ ہونگے میں خود بھی نہ جا سکونگا۔ اس لئے آپ تیّار ہونے کے بعد دوسروں کو تیار ہونے کی ترغیب دیتا رہے۔ گزشتہ سال صرف چودہ اُمیدوار حاجیوں نے اپنا ایک روپیہ ٹکٹ داخلہ ادارۂ علیّہ کو بھیجا تھا۔ اس کے متعلق میں نے ہدایت کر دی ہے کہ ان کو بذریعہ منی آرڈر واپس کر دیا جائے۔ جن کو یہ روپیہ نہ پہنچے وہ دفتر "الاصلاح" اچھرہ لاہور سے رسید بھیج کر منگوالیں۔

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

دہلی کا خط

مطبوعہ "الاصلاح"

۲۱ فروری ۱۹۳۶ء مطابق ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ

دہلی کے ایک مخلص ہمدرد محترم فضل کریم نے جو اپنا پتہ "معرفت ایس عبدالرحیم محمد اسمٰعیل سوداگر چرم صدر بازار دہلی" لکھتے ہیں، چند روز ہوئے مجھے حسب ذیل خط لکھا۔ اس خط میں چونکہ کئی ایک باتیں یکجا آگئی ہیں اور خط تحریک کے متعلق ایک طبقہ کے مسلمانوں کے خیالات کا عکس ہوسکتا ہے، اس کو مقالہ افتتاحیہ میں شائع کر کے سب کا یکجا جواب دیتا ہوں۔ میں تحریک کے ساتھ ساتھ عام مسلمانوں کی ذہنیت بدلنے کا متمنّی ہوں کیا عجب ہے کہ اعضاء کو متحرّک کرتے کرتے ذہن بھی بدل جائیں۔ یہ تب ہوسکتا ہے کہ مسلمان اپنی تاریخ سامنے رکھ کر سمجھیں کہ پہلے کیا تھے اب کیا ہوگئے۔ پھر قرآن اور حدیث سامنے رکھ کر دیکھیں کہ کیوں ہوگئے۔؟

عنایت اللہ خان المشرقی

محترم کا خط

بخدمت حضرت علّامہ عنایت اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ - مَیں نے یہاں دہلی صدر بازار میں میاں محمد عمر صاحب امرتسر والے کے توسّل سے جناب کا شرف ملاقات حاصل کیا تھا۔ جناب کی خاکسار تحریک سے مجھے کافی دلچسپی ہے۔ مَیں نے اپنے نوجوان بیٹے کو خاکسار تحریک میں شامل کرا دیا ہے۔ یہ تحریک بہت بہترین ہے اور مسلمانوں کے ہولناک مرض کا بہترین علاج ہے۔ مَیں خود آزاد عقیدہ کا آدمی ہوں حنفی اہل حدیث وغیرہ کچھ نہیں، صرف مسلمان ہوں اور موجودہ مُلّا ازم کو قابلِ اصلاح سمجھتا ہوں۔ اِس کو اصل اسلام نہیں سمجھتا۔

آپ کی کتابیں اشارات، تذکرہ (جلد اوّل) اور قولِ فیصل سب کا مطالعہ بغور کیا ہے۔ تذکرہ میں آپ نے قرآن شریف نئے پیرائے میں نہایت خوش اسلوبی اور قابلیت سے پیش کیا ہے۔ جناب کی علمیت و خلوص مسلّمہ ہے۔ آپ کو کوئی رائے دینا سورج کو چراغ دکھانا ہے مگر باوجود اپنی کم علمی کو محسوس کرنے کے مَیں جناب کی خدمت میں اپنا مخلصانہ مشورہ پیش کرنے کی جراءت کرتا ہوں۔

اشارات اور قولِ فیصل میں تحریر کسی قدر سخت ہے مگر آپ کا رویّہ روادارانہ ہے۔ اِن تحریروں کو پڑھ کر مسلمان آپ کی تحریک کو دلچسپی سے دیکھتا ہے۔ مگر تذکرہ کا رویّہ بہت سخت ہے، تحریر بھی بہت تیز ہے خصوصاً دیباچہ میں آپ نے قوم کی بے عملی سے مشتعل ہو کر بہت جلی کٹی سُنائی ہیں۔

تذکرہ کی تحریر سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ موجودہ یورپین قوموں کو مسلم اور موجودہ مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں کے مسلّم اصولوں کو آپ دوسری شکل میں پیش کرتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ اعتدال سے نکل گئے ہیں۔ تذکرہ میں بھی نرمی اور رواداری سے کام لیتے اور کونین پر شکر چڑھا کر مسلمانوں کو دیتے تو نہایت بہتر ہوتا۔

آپ کی تحریک کے خلاف شدید پروپاگنڈا مُلّا لوگ کرتے ہیں سب کا ہدف تذکرہ ہے۔ بہت سے مسلمان تذکرہ سے اور صرف تذکرہ سے ناراض ہیں۔

ہمارا مطلب اس تحریر سے یہ ہے کہ یہ تحریک عام کرنے کی کوئی تجویز آپ کو کرنی چاہیئے ایسا نہ ہو کہ یہ بھی ایک چھوٹا سا فرقہ بن کر رہ جائے۔

جناب کو واضح ہے کہ مسلمانوں میں پہلے فرقوں کی کمی نہیں ہے اور ایک فرقہ کا اضافہ اور نقصان دہ ہے۔ آپ کو ایسی پوزیشن اختیار کرنی چاہیئے کہ تمام مسلمان جوق در جوق آپ کی تحریک میں بلا توقّف شامل ہو سکیں۔ کم از کم اعتقادات میں کسی کو شکایت کا موقع نہ مل سکے۔

مصلحتِ وقت سے کام لینا ضروری ہے۔ نبیوں نے بھی مصلحت سے کام لیا۔ بلکہ خداوند کریم نے بھی جتنی استعداد دیکھی اُسی کے مطابق احکام نازل کئے۔ جیسے شراب کے معاملہ میں اور اس کے علاوہ کئی مواقع پر۔

دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ امان اللہ خان جیسے بہترین بادشاہ کو لوگوں نے مُلک سے نکال دیا۔ امان اللہ کا یہی گناہ تھا کہ اُسنے مصلحت سے کام نہ لیا، اور یہ نہ دیکھا کہ پبلک اندھیرے میں ہے۔ ایک دم اس کو تیز روشنی دکھلانے سے اُن کی آنکھیں چندھیا جائیں گی اور کچھ نہ دیکھ سکیں گے

میری یہ دِلی تمنّا ہے کہ مسلمان قوم آپ کی بہترین تحریک کو قبول کر کے نظم و ایثار سے قوت حاصل کر کے ہندوستان میں عزت و طاقت حاصل کر سکے۔

میرا جواب

محترم السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کا خط "الاصلاح" میں شائع کر کے جواب اس لئے دیتا ہوں کہ لوگ اپنی مزاج کا دوسروں سے مقابلہ کریں اور "سختی" اور "نرمی" کو صرف طبیعت کی بات سمجھیں۔ ابھی ابھی ۷ فروری کے "الاصلاح" کے کالموں میں لاہور کے مفسّرِ قرآن مولوی غلام مرشد نے تذکرہ کے متعلق اپنی مزاج یوں ظاہر کی ہے:-

"مَیں نے تذکرہ کو کئی مرتبہ پڑھا ہے۔ اُس نے ایک حقیقت کو کھُلے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ "پوچا" "پھیرنے کی کوشش نہیں کی۔ اُس نے حق پرستوں کی قطعاً تغلیط نہیں کی اور جن لوگوں کو اُس نے بُرا کہا ہے وہ اس سے زیادہ بُرا کہلانے کے مستحق ہیں"۔

آپ تذکرہ کو نہایت سخت اور قولِ فیصل کو قابلِ برداشت سمجھتے ہیں۔ کئی ایسے ہیں جو اس کا اُلٹ کہینگے۔ بعض وہ ہیں جو کہیں گے کہ دونوں ناقابلِ تحمل ہیں۔ بعض کہیں گے کہ دونوں میں حقیقت کے سوا کچھ نہیں۔ اپنی اپنی طبیعت اور اپنا اپنا مزاج ہے۔ ایسا کھانا کہاں سے پکاؤں کہ سب کو بھلا لگے۔ یہ ہو تو سب دنیا یکرنگ اور بے مزہ ہو جائے۔ یہاں قدم قدم پر نظر، نقطۂ نظر، استعداد، علم اور فکر کا اختلاف ہے۔ سب ذہن یکساں کیونکر بنجائیں۔ خود قرآن میں ہے: یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِیْ بِهٖ كَثِيْرًا یعنی یہی قرآن بہتوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہِ راست پر لے آتا ہے۔ جب اللہ کی کتاب کا ذہنوں پر یہ اثر ہے تو میں شکرّ میں لپٹی ہوئی گولیاں کیا دیتا۔ تلخ پسند لوگ کہتے کیا مکّاری کی ہے۔ شکرّ میں لپٹی ہوئی گولیاں کئی سو برس تک حکیموں نے اتنی دیں کہ قوم کو ذیابیطس ہو گیا۔ اب **حنظل میں لپٹی ہوئی شکرّ کا مزا چکھ لیں اور دیکھیں** کس طرح سچے مسلمان دھڑا دھڑ پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ کڑواہٹ نہ دیتا تو سچے اسلام کی آواز پشاور سے راس کماری تک کیونکر پہنچتی۔

آپ نے قرآن میں پڑھا ہو گا کہ جو لوگ اللہ کی آیتوں کو اس حالت میں چھپاتے ہیں کہ ہم نے ان کو کھلے طور پر عیاں کر دیا ہے **وُہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں خدا اُن سے روزِ قیامت کو ہم کلام نہ ہو گا، اُن کو آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھیگا**۔ اللہ کی آیتوں کو چھپانا اور شکرّ میں چھپی ہوئی گولیاں دینا ایک ہی شئے ہے۔ اسلام کے زوال کے بعد جن لوگوں نے یہ چھپی ہوئی گولیاں دیں دیکھ لو کہ اُنہوں نے قوم کی کیا گت بنائی اور ان کا از رُوئے قرآن کیا حشر ہو گا۔ میں دُنیا سے برا بن جاؤں تو بن جاؤں، اللہ سے برا بننے کی آرزو نہیں رکھتا! یہی وجہ تھی کہ ان گولیوں سے اور زوال طاقت ہوا۔ لوگ ان کو شکرّ سمجھ کر کھاتے گئے! طبیعت نے لپٹی ہوئی تلخی کو قبول نہ کیا۔ تلخی فضلۂ جسم بن کر نکل گئی۔ شیرینی جزوِ بدن بن گئی اور ذیابیطس پیدا ہوا۔ میں اگر جرّاح ہوں تو مجھے خون ہی بھلا لگنا چاہیئے۔ آپ کچھ دیر مجھے برا کہہ کر لیکن نتائج دیکھ کر خود کہیں گے "ظالم اچھا تھا غضب کر گیا! ناسُور کو کاٹ کر درست کر گیا!"

آپ قوم کے حق میں دعا کریں، میں دوا کر رہا ہوں یا اگر پیش از وقت دُعا کے قائل نہیں تو صرف "نوجوان بیٹے کو خاکسار تحریک میں شامل" کرنے پر اکتفا نہ کریں۔ خود شامل ہو جائیں اور اُس دن کی فکر کریں جب کہ **بیٹے اور مال کچھ کام نہ آئینگے**۔ یَوْمَ لَا

ینفع مال ولا بنون قرآن میں لکھاہے، میں نے یہ تلخ گولی اپنی طرف سے نہیں دی جب تک باپ اور بیٹا دونوں اپنی اپنی فکر میں پڑکر اسلام کی ایک قطار میں پھر نہ آئینگے مسلمان بلند نہیں ہوسکتے۔ یہی منظر دشمن کو ہیبت زدہ کرسکتا ہے کہ باپ اپنی نجات کی فکر میں ہو، بیٹا اپنی۔ بیٹا اسلام کی خاطر حکم دے رہا ہو باپ اسلام کی خاطر مان رہا ہو۔ بیٹا اور باپ خدا کے سامنے برابر ہوں باپ کی بڑائی اور شیخی اسلام کے سامنے ملیا میٹ ہوجائے۔ بیٹا باپ کو دیکھ کر کچھ نہ گھبرائے، باپ بیٹے کو دیکھ کر کچھ نہ شرمائے۔!

میں نے تذکرہ میں "قرآن شریف" کسی نئے پیرائے میں پیش نہیں کیا۔ یہ وہی تیرہ سو برس کا **پرانا قرآن شریف** ہے جو کبھی بہت کچھ دیا کرتا تھا۔ لیکن اُس قرآن پر "غلاف" نہ چڑھے ہوئے تھے، وہ حضرت عائشہ کی چارپائی کے سرہانے ہڈیوں اور چمڑوں پر لکھا کھلا پڑا تھا اور مخلوقِ خدا اُٹھ کر کام کر رہی تھی۔ آج اُس پرانے قرآن شریف پر "نئے غلاف" چڑھا کر کیسر "بالائے طاق" رکھ دیا ہے اور لوگ بیٹھے قسمت کو پیٹ رہے ہیں! فرق صرف نقطۂ نظر کا ہے، انہیں تلخی میں لپٹی ہوئی شکر اور شکر میں لپٹی ہوئی تلخی کا ہے۔ اسی کو زمین و آسمان کا فرق کہتے ہیں اور یہی اُلٹی قسمت ہوا کرتی ہے۔ آج اگر بقول آپ کے مسلمان تذکرہ اور صرف تذکرہ سے ناراض ہیں، تو اسی لئے کہ کئی سو برس کے بعد پھر وہی **پرانے دکھ دینے والے قرآن** کا ظہور ہوا ہے۔ انہوں نے تو اس پر ریشمی غلاف چڑھا کر اس کو "ختم نبوت" کے ساتھ ساتھ "ختم" ہی کر دیا تھا حتیٰ کہ اس کے پھر بے غلاف ہونیکا سان گمان نہ تھا۔

تذکرہ سے ملا ناراض کیوں نہ ہو؟ اُس کو اس میں کئی سو برس کے "ملاازم" کی موت کا سامان نظر آرہا ہے اُس کی اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی بیڑی غرق ہورہی ہے۔ اسی لئے وہ میرے متعلق کہتا ہے۔ "اس سے بچے رہو یہ آگے چل کر نبوت کا دعوےٰ ضرور کریگا۔ کافر اور دجال ہے کہ مُردے کی نیند میں خلل ڈال رہا ہے"! ملا کے نزدیک نبوت کے ساتھ ساتھ قرآن بھی ختم ہے۔ آج جو پرانا قرآن کھول کر دکھلائے دجال اور کافر!

آپ بے فکر رہیئے اب مُلا حلوا، لیڈر، چندہ، انجمنیں، صدارتیں، ریزولیوشن سب "ختم" ہیں کیونکہ پرانا قرآن پرانا اسلام

اور پرانی خاکساری پھر شروع ہو گئے ہیں۔ غازی امان اللہ خان نے قرآن اور بندگی شروع نہیں کی تھی۔ قرآن سے بے نیاز ہو
کر یورپ کی مضحکہ انگیز تشبیہ شروع کر دی تھی۔ اُس کی تعلیم بھی اُسی قدر مضحکہ خیز تھی جسقدر کہ آج کل کے مُلّا کی تعلیم جو قرآن کو چوم
چوم کر اور نری ڈاڑھیاں رکھ رکھ کر خدا کو خوش کرنا اور جنت کے سبز باغ دکھانا چاہتا ہے۔ نہ امان اللہ خان نرا یورپ کا کوٹ
پتلون پہنا کر قوم کو انگریز بنا سکتا تھا، نہ مُلّا نری شرعی ڈاڑھی رکھوا کر اور ٹخنوں کے اُوپر پاجامہ پہنا کر اُسوۂ رسُول کو پھر زندہ کر
سکتا ہے۔ اُسوۂ رسول، اسلام، قرآن، تقویٰ، اس کے سوا کچھ اور شے ہیں، جس دن قوم اور اس کے لیڈر یہ سمجھ گئے
نہال ہو جائیں گے۔

خاکسار تحریک امان اللہ خان کے کوٹ پتلون کی خواہش کو ہٹا کر مُلّا کی شرعی ڈاڑھیاں اور اُونچے پاجامے پھر پیدا کر رہی
ہے۔ لیکن نری ڈاڑھیاں اور پاجامے نہیں، اس کے سوا کچھ اور بھی ہے بشرطیکہ آپ اس نکتے کو سمجھ سکیں۔ ابھی ابھی میں نے
ایک سالار کو جو کوٹ پتلون کو تحریک سمجھتا تھا سالاری سے الگ کر دیا ہے تاکہ اُس کے حکم پر چلنے والے تحریک کو غلط نہ سمجھیں۔ اگر آپ
نے تذکرہ میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ موجودہ کوٹ پتلون پہننے والے یورپین مسلمان ہیں اور موجودہ ڈاڑھیاں رکھنے والے مسلمان کافر
ہیں تو آپ نے تذکرہ کو غلط سمجھا ہے۔ آپ قرآن کی صرف ایک آیت لَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ
یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ "(یعنی ہم نے زبور میں ضروری نصیحت اور یاددہانی کے بعد بالتحقیق (لَ) اور بالالتزام
(قَدْ) قطعی فیصلہ کر دیا تھا (کَتَبْنَا) کہ لامحالہ اور یقینی طور پر (اَنَّ) اس زمین پر حکمرانی کرنے والے اور اُس کے بادشاہ میرے
صالح بندے ہی ہوا کریں گے) کے لَ اور قَدْ اور کَتَبْنَا اور اَنَّ کے تاکیدی الفاظ ہی غور سے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے
گا کہ ان چار تاکیدوں کے ساتھ اللہ صاحب نے مسلمان کو کیا کہا تھا۔ آج اُس کے نزدیک اس فیصلہ کی رُو سے مسلمان
اور عابد اور صالح کون ہے؟ وہ خدا آج کس کا دوست اور کس کا دشمن ہے۔ غلاف خواہ کتنے چاہیں قرآن پر چڑھا دیں قرآن
کا نور چھپ نہیں سکتا اور تذکرہ کے ہوتے ہوئے اب مُلّا سے کیا چھپے گا۔

آپ آرزو کرتے ہیں کہ مسلمان جوق در جوق خاکسار تحریک میں شامل ہوتے جائیں۔ اس لئے کسی رکاوٹ کے متحمل نہیں۔ میرا پروگرام ہے کہ رُک رُک کے چڑھوں اور اوپر گذر جاؤں، رکاوٹیں لاکھ ہوتی رہیں۔ بے پناہ دریا آپ لوگوں کی ہمتوں ہی سے پیدا ہوگا۔ مُلّا نے اپنا کیا بنا لیا جو ہمارا کچھ بگاڑ سکے گا۔ مرزا نے ٹھیک کہا تھا۔

پلتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں دریا
رُکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

نوٹ:۔ آپ کی باقی باتوں کا جواب "الاصلاح" مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۹۳۶ء میں دے چکا ہوں۔

مخلص عنایت اللہ خان المشرقی

مقالۂ افتتاحیہ

اجتماعِ دہلی کے نتائج(۱)

گھر کا بھید

مطبوعہ "الاصلاح"

۲۸ر فروری ۱۹۳۶ء مطابق ۶ر ذوالحجہ ۱۳۵۴ھ

پچھلے دسمبر کی ۲۸، ۲۹، ۳۰ر اور ۳۱ر تاریخوں کو ہندوستان کے خاکساروں کا ایک مرکزی اجتماع ہوا۔ خاکسار تحریک کی تاریخ میں چار سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد یہ پہلا عام اجتماع تھا اور مقصود یہ تھا کہ اپنے آپ کو کچھ دھوکا نہ دے کر، لاگ لپیٹ کے بدوں، بلکہ کسی مخالف طاقت سے بھی نہ چھپا کر اور چڑھے سورج کی روشنی میں مسلمانوں کی گری ہوئی اور غلام قوم کی قوتِ عمل کا جائزہ چار سال کی متواتر کوشش اصلاح واتحاد کے بعد لیا جائے!

اس مطلب کو ٹھیک طور پر حاصل کرنے کے لئے اپنے دل میں فیصلہ کیا گیا کہ اجتماع کے متعلق جان بوجھ کر مسلمان کو کوئی رعایت نہ دی جائے۔ دسمبر کی کڑاکے کی سردی ضرور ہو، اجتماع ایسے مقام پر ہو جو تحریک کے تمام مرکزوں سے کافی دور ہو، جہاں جانے میں خوب تکلیف اور خرچ ہو، جو شخص اپنی جان پر تکلیف اٹھائے وہی اپنے پر مال بھی خرچ کرے، ایک سے لے کر دوسرے پر کچھ خرچ نہ کیا جائے،

خود اجتماع کے مقام پر تحریک کا کوئی مرکز نہ ہو تاکہ مقامی آدمیوں کی شمولیت سے تقس کو ادنےٰ سا دھوکا نہ رہے، رمضان میں شہری مسلمان کثرت سے روزے نہیں رکھتا لیکن روزہ دار اور بے روزہ دونوں انتہائی بے ہمتی یا مکاری سے اس مہینے میں گھر کے اندر صفِ ماتم بچھانے کے سوا کچھ کرنا گناہ سمجھتے ہیں اسلئے رمضان ضرور ہو، رمضان کی عید غریب مسلمان کے لئے ماتم کا دن، امیر بے روزے کے لئے خوشی کی سالگرہ، عوام النّاس کے لئے کھیلوں، اشاہ خرچی اور لبعد ازاں فاقہ مستی کا واحد موقع، خواص کے لئے بھڑک دکھلانے کا دن، سب کے لئے گھر میں بیٹھ کر اور دُور دراز سے گھر پہنچ کر بچوں، بیوی، ماں، باپ کے ساتھ "منانے" کا دن ہُوا کرتا ہے، اسلئے رمضان کی عید بھی ضرور ہو۔ ان تمام تکلیفوں سے بڑھ کر یہ تھا کہ دہلی کے اجتماع کے موقعہ پر کسی تماشے، کسی ناچ رنگ، کسی سینما اور تھیئٹر، کسی مقرر کی تقریر، کسی بھانڈ کے مسخرہ پن، کسی ذہنی بدمعاشی، کسی دماغی عیاشی کا اعلان نہیں تھا۔ صرف اکٹھے ہونے، چار دن تک زمین پر بستر بچھا کر سونے، مارچ اور خدمتِ خلق، امیر کی نافرمانی پر مار کھانے کا اعلان تھا۔ اعلان تھا کہ جو آئے بے غرض اور بے مقصد آئے اور ناحق اور بے وجہ تکلیف اُٹھا کر چلتا بنے: الغرض اس موقعہ پر مسلمان قوم کی جوانمردی اور ہمتِ عمل کی آزمائش کے لئے اگر کوئی اعلان ہماری طرف سے رہ گیا تو یہ رہ گیا کہ دہلی پہنچ کر تم کو انگریز کی توپ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا، وہاں پر ایک خطرناک مٹھ بھیڑ دشمن کی فوج سے ہو گی جس میں ہزاروں آدمی قتل ہونگے، اس کے سوا ہم سے جو کچھ ہو سکا مسلمانوں کو وہاں پر آنے سے روکنے کے لئے کیا گیا۔

میں نے بعد میں سُنا کہ انگریز کی سی۔ آئی۔ ڈی، تحریک کے خدا واسطے کے دشمنوں یا یار لوگوں نے ہی جو دہلی جانا مشکل سمجھتے تھے الحمدُ للہ یہ کسر بھی پُوری کر دی اور جا بجا صوبہ سرحد، پنجاب اور

سندھ میں اڑا دیا کہ دہلی کے اجتماع پر سب خاکسار جلا وطن کر دیئے جائینگے جو جائے گا واپس نہ آئے گا۔ انگریز نے تہیہ کر لیا ہے کہ پچاس ہزار خاکساروں کو جن کے جمع ہونے کی ہم نے خواہش کی تھی سمندر پار بھیجدے اور یہ بیلچہ والوں کا آگے چل کر خطرناک بن جانے والا قصّہ یہیں ختم ہو جائے!

مجھے مسلمان کے ہر چھوٹے بڑے سے اس چار سال کے میل ملاپ کے بعد یہ مضحکہ خیز اندازہ ہوا ہے کہ قریباً ۹۰ فیصدی مہذّب مسلمان ناکارہ ہیں اور قریباً سب اپنی موجودہ حالت پر مطمئن، خوش بخوش، بلکہ مست ہیں۔ کسی امیر کھاتے پیتے مسلمان سے قوم کے متعلق پوچھئے یا عمل کے متعلق کہئے، کہہ دے گا "صاحب آپ کرتے جائیے ہم آپ کے ساتھ ہیں، خاکسار تحریک میں کوئی "قابل اعتراض" بات ہے نہیں، ہمیں ساتھ سمجھئے" وغیرہ وغیرہ۔ غریب بات کہنے پر جھٹ کہہ دیتا ہے "بادشاہو! ہم غلام ہیں، تابعدار ہیں، ہر وقت حاضر ہیں، اللہ خیر کرے گا، وقت آئیگا تو ہماری جان بھی حاضر ہے" وغیرہ وغیرہ۔ الغرض یہ "وقت آنے پر جان حاضر کرنے والے" اور دوسروں سے کرانے والے، اور آپ نہ کرنے والے "مسلمان خوب مطمئن ہیں کہ جس حالت میں ہیں درست ہے، باقی سب کو پاگل اور اپنے آپ کو ہشیار سمجھتے ہیں۔ وقت ان کے نزدیک ان کی موت کے بعد آئیگا اور اُس وقت کے آنے پر آسمان سے صور اسرافیل بجے گا کہ اٹھو مسلمانو! جان دینے کا وقت آگیا ہے۔ گری ہوئی قوموں میں یہ مضحکہ انگیز ملائمت اور اطمینان وہ درد انگیز نظّارہ ہے جو ایک معمولی مصلح کے حوصلوں کو پانی پانی کر دیتا ہے۔

اجتماعِ دہلی کے موقعہ پر اُس "وقت کے آنے" کا امتحان لینا بھی مقصود تھا۔ میں ہر شخص کو جو اجتماع سے پہلے لپک لپک کر ملتا تھا، مسکراہٹ سے کہتا تھا "لو بھئی! اب وقت ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ر دسمبر ہے اس کو یاد رکھنا اور اپنی جان حاضر کرنا!" یہ لوگ خدائے عظیم کو گواہ بنا کر اور بے ضرورت

کھا کھا کر یقین دلاتے تھے کہ اجتماع کے موقعہ پر "ضرور حاضر" ہونگے۔ میں مسکراتا اور مصافحہ کر کے رخصت ہو جاتا۔ وردی اور بلیچہ کا لازمی کر دینا بھی اسی امتحان کے باعث تھا۔ میں نے اپنے دل میں سوچ لیا تھا کہ جو مسلمان اس موقعہ پر اپنی تمام عزت اور کبریائی کو بالائے طاق رکھ کر غریبوں کی اس قطار میں شامل ہوگا، اُسی سے فی الحقیقت کسی بڑے کام کی توقع ہو سکتی ہے۔ جو بلیچہ اور وردی کے بغیر صرف تماشا دیکھنا اور نظری عیاشی چاہتا ہے اس کو پاس نہ پھٹکنے دیا جائے۔ وہ شخص کسی کار کا نہیں۔ جب شہر کا ہر بھانڈ اور مسخرہ، گلی کا ایک مسکین دوا فروش، بازار کے نٹ اور مداری چند لمحوں کے اندر اندر، اور چند لمحوں کے لئے اپنے گرداگرد صدہا لوگوں کی ایک بھیڑ پیدا کر لیتے ہیں تو دہلی کے اجتماع میں معمولی شور و شر سے پچاس ہزار آدمیوں کی بھیڑ پیدا کر لینا کونسا مشکل ہے۔ ایسے دھوکے اور دکھلاوے پچھلے پچاس سال سے مسلمانوں کی مجلس میں چلے آرہے ہیں لیکن ان سے اُن کی برسوں کی بگڑی کب بنی اور کیا بن سکتی ہے۔ بہتر ہے کہ ان لوگوں کو اپنی کبریائی کے شک میں ڈالا جائے۔ وہ خود سوچیں کہ کیوں ہمیں ان کی ضرورت نہیں، وہ کیوں ہماری نظروں میں قوم کے لئے مفید نہیں۔ اُن کی **خطرناک ذہنیت** کو کہ وُہ صرف دیکھنے اور باتیں کرنے کے لئے ہیں، وُہ مخدوم ہیں، باقی خادم، کیوں نہ بدلنے کی سعی کی جائے۔

مسلمانوں کے بے کار اور چندہ خور لیڈر کچھ مدت سے اپنی مجالس فکر و وعظ میں اسی قطع کے نمائشی جمگھٹے پیدا کر رہے ہیں۔ اُن کا مقصد قوم کو دھوکا دینا ہے کہ دیکھو ہمارے ساتھ کتنا بڑا گروہ ہے، دیکھو ہم ایک تقریر کرتے ہیں تو ہزارہا مسلمان اس تقریر کو "سُننے" کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ مجالس میں جان دینے کے وعدے پر ہاتھ اٹھواتے ہیں تو ہزاروں کا پورا مجمع ہاتھ اٹھا دیتا ہے اور معلوم

ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر کے تین سو تیرہ[۳۱۳] جانبازوں کی اب کیا حقیقت ہے۔ لیکن مسلمان لیڈر بلکہ بڑے پائے کے پیروں اور مولویوں پر اپنی لیڈری کی حقیقت جس قدر مسجد شہید گنج کے قضیئے میں کھُلی اَور کہیں واضح نہ ہوئی۔ سکھوں کی کئی برس کی منظم قوم اپنے امیر کی آواز پر ایک رات اور ایک دن میں پانچ ہزار کی تعداد میں مسجد کے گرداگرد مُسلّح اَور باوردی آ جمع ہوئی، اُنہوں نے انگریز کے ہوتے ہوئے کرپان کی نوک سے مسجد کو گرایا، انگریز جھوٹے منہ سے "مت کرو مت کرو" ہی کہتے رہے۔ مسلمان بیچارے پانچہزار کی بجائے پانچ رضاکار پیدا نہ کرسکے جو کسی کے حکم پر جان حاضر کریں۔ لیڈر جیلخانوں میں گئے تو تماشا اَور خراب ہوگیا۔ سب کے سب بے پیر رہ گئے اور جس نے جس طرف چاہا کھینچا تانی کی۔ راولپنڈی میں "امیرِ ملت" ایک سچ مچ کے پیر کو بنایا گیا جو لاکھوں مُریدوں کی افواہ رکھتا تھا اور عُمر کے لحاظ سے بھی پیر تھا۔ اِس سے بہتر انتخاب اُس وقت مشکل تھا۔ اُس نے قوم کو منظم اور قوم میں صرف امیر کی کسر فرض کرکے "منتخب" ہوتے ہی "دس لاکھ رضاکار، اور دس لاکھ روپیہ!" کا اُنگلی کے اشارے سے اعلان کیا اور گھر بیٹھ رہا۔ اعلان کے بعد جب دس رضاکار، دس مرید، اور دس روپیہ جمع نہ ہوئے تو مسلمان کو احساس ہوا کہ بڑے سے بڑے پیر کی کیا حقیقت ہے! اس کے لاکھوں مُرید کہاں رہتے ہیں، اُن مریدوں کی اپنے پیر سے "عقیدت" کیا معنے ہیں؟ میرا یقین ہے کہ اگر پیر جماعت علی کے مرید فی الحقیقت ایک لاکھ تو خیر دس ہزار ہی ہوتے تو آج انگریزی کی حکومت صرف بمبئی کے گرداگرد رہ جاتی!

ضمناً مجھے الزام دیا گیا ہے کہ محترم پیر جماعت علی کے امیرِ ملت ہونے کی تجویز میں نے کی تھی

اُور میں نے ہی اپنے زور سے یہ انتخاب کرایا تھا۔ یہ درست ہے لیکن میں پیر موصوف کی پیری کی حقیقت سے اُس وقت نا آشنا نہ تھا اور ان سے بہتر وہاں پر آدمی نہ تھا۔ میں نے اُس وقت بھی علے الاعلان اُن کو کہہ دیا کہ قوم کا آپ کو امیرِ ملّت تسلیم کر لینا مبارک چیز ہے لیکن بزرگی کے باوجود آپ کے پاس اِس وقت دس آدمی نہیں جن کو آپ اپنے حکم کے ماتحت کہہ سکیں یا جو مسئلہ شہید گنج کو طے کر سکیں۔ آپ گوشے سے نکل کر دربدر کوچہ بکوچہ پھریں اپنے آپ کو مسلمانوں میں ذلیل و رُسوا کریں، جس قدر آپ رُسوا اور بےعزت ہونگے اُسی قدر سچے رضا کار آپ کو ملیں گے انگلیوں کے اشاروں سے سپاہی پیدا نہیں ہوتے۔ محترم پیر نے رسوائی گوارا نہ کی اور "امیرِ ملّت" بنے رہے ایک آدمی اُن کو صحیح معنوں میں دوست نہ ملا، اُلٹا اس ہنگامے میں اُن کے پاس ہر دم بیٹھنے والے لوگ بگڑ گئے۔ وُہ بیچارے اپنے مددگار تلاش کرنے کی فکر میں ایک اعلان صبح کو نکالتے شام کو دوسرے کے کہنے پر اُس کی تردید کر دیتے، اگلے دن پھر کوئی اس کے علاوہ اَور اعلان کر دیتے۔ خاکسار تحریک سے بھی انہوں نے یہی سلوک کیا۔ پہلے بڑے زور شور سے تحریک کی تعریف کی، پھر مخالفوں کی شہ پر مجھے کافر کہا، پھر معذرت کا تار اور خط بھیجکر کہا کہ آپ کی شمولیت فلاں جلسے میں ضروری ہے۔ میں نے زیادہ تر مصلحت اور سلامتی اسی میں سمجھی کہ کافر بنا رہوں!

الغرض مسلمانوں کے لیڈروں کی شان یہ ہے کہ اُن کے پاس کام کے دس آدمی نہیں، لیکن نمائش یہ ہے کہ جب تک لیڈر ہزاروں کا جلوس اپنے ساتھ اور پھولوں کے ہار اپنی گردن میں نہ دیکھ لے اس کو اپنی لیڈری پسند نہیں آتی۔ یہ "ہزاروں اور لاکھوں" آدمی مختلف ترغیبوں سے اکٹھے کئے جاتے ہیں، کئی طرح کی دماغی اور ذہنی عیاشیاں سامنے رکھی جاتی

ہیں، چند لمحوں کے لئے یہ بٹیروں کے جھنڈ کے جھنڈ اُن کے فرضی جال میں آپھنستے ہیں اور ذرا جال اُٹھتا ہے تو جھنڈ کے جھنڈ بن کر اُڑ جاتے ہیں۔ کوئی شخص اُن کے حکم کی پرکاہ کے برابر پروا نہیں کرتا۔ کسی کو اِن کے تحت میں دس دن رہنا پسند نہیں۔ لوگ مزا لینے کے لئے اِن کی تقریریں سننے کے لئے آتے ہیں، جب تک ناچ پار رہتا ہے جزاک اللہ اور اللہ اکبر کہتے ہیں، جب چندہ کرنے کا وقت آتا ہے سب کے سب اُٹھ جاتے ہیں اور لیڈر مُنہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔ اب اس تمام پاکھنڈ سے جو لیڈروں نے مچا رکھا ہے اِن کی یہ حقیقت رہ گئی ہے کہ یہ ایک جلسہ اپنی لیڈری کے زور پر نہیں کر سکتے۔ جہاں جمعہ کی نماز کسی جامع مسجد میں ہوئی جلسے کا اعلان کر دیا۔ یہ ستم ظریف اِس جمعہ پڑھنے والی مخلوق کو اپنا جلوس تصور کر لیتے ہیں، پانچسو نمازی نماز کے لئے جمع ہو تو اعلان کرتے ہیں کہ "دس ہزار مسلمانوں کا سمندر ٹھاٹیں مار رہا تھا" اور فلاں کی تقریر سُننے کے لئے جمع ہُوا تھا، "نعرۂ تکبیر" اور اللہ اکبر کہنے والے لوگ اُجرت پر مقرر کرتے ہیں، پھولوں کے ہاروں کی قیمت اپنی گرہ سے دیتے ہیں اور مخلوق سے بہ زور اور بإکراہ اپنی تقریروں پر نعرے مرواتے ہیں۔ آج جمعہ کی نماز کی یہ شان رہ گئی ہے کہ کوئی نمازی وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ جامع مسجد میں جمعہ کا فریضہ ادا کرنے کی نیت سے گیا تھا یا کسی لیڈر کی تقریر سننے کے لئے، لیڈروں نے اپنی شان کو بڑھانے کا اوزار جمعہ کی نماز کو بنا لیا ہے اور اب ایک لیڈر چند لمحوں کے لئے بھی نِری اپنی تقریر کے زور پر مسلمانوں کو جمع نہیں کر سکتا۔!

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بڑے محترم لیڈر کو ایک جلوس میں جب کئی سو قدم تک کسی نے پھولوں کے ہار نہ پہنائے تو اُس کے ایک قریبی دوست نے پھولوں کا ایک ٹوکرا

اپنی گرہ سے خریدا لیڈر کے گلے میں یہ ٹوکرا سب کا سب ڈال دیا۔ تب مخلوق کی طرف سے دھڑا دھڑ ہار آنے شروع ہوئے! اس فریب میں چونکہ میں رازدار تھا وہ لیڈر شرم کے مارے موٹر میں اُٹھ اُٹھ کر میرے گلے میں ہار ڈالتا تاکہ میں بھی اس جھوٹی عزت کا کوئی حصہ بطور رشوت لے لوں اور مطمئن ہوجاؤں۔ اس نے دس ہار میری گردن میں بار بار ڈالے ہونگے۔ وہ باصرار ڈالتا جاتا اور میری انگلیاں خود بخود ان کے دھاگوں کو توڑ کر پھینکتی جاتیں۔ بالآخر اس نے سمجھ لیا کہ میں اس رشوت کو پسند نہیں کرتا!

دیکھنا یہ ہے کہ آیا اس فرضی اور مصنوعی لیڈری سے قوم کی کوئی گتھی سلجھ سکتی ہے؟ مسئلہ شہید گنج تو خیر کوئی عقدہ بھی حل ہو سکتا ہے؟ جب لیڈر فرضی ہیں، قوم کا جمگھٹا فرضی ہے، پھولوں کے ہار مصنوعی ہیں، اللہ اکبر کے نعرے مصنوعی ہیں، جلسے اور جلوس دھکے سے بنائے ہوئے ہیں، وغیرہ وغیرہ تو صحیح طاقت کیونکر پیدا ہو سکتی ہے، ادنےٰ سے ادنےٰ قلعہ کیونکر فتح ہو سکتا ہے۔ ایسے جمگھٹے پیدا کرنا کیا قیمت رکھتا ہے۔ اس سے بہتر اور موثر تر میرے نزدیک گھوسیوں اور گھسیاروں، یا چوہڑوں، دھوبیوں اور پوربیوں کی پنچائتیں ہیں جو عین وقت پر اپنے چودھری کے کہے پر بغیر مقصد ظاہر کئے جمع ہو جاتی ہیں۔ ہر شخص چودھری کے کہے پر ناک میں نکیل ڈالے چلا آتا ہے، جو چودھری فیصلہ کرے بے چون و چرا مانتا ہے، حقہ پانی بند کر دیا جاتا ہے، تاوان وصول کئے جاتے ہیں، سزائیں دی جاتی ہیں، میں نے بارہا اخباروں میں پڑھا ہے کہ چوہڑوں کی ہڑتال پر ضلع کا ڈپٹی کمشنر بھاگا بھاگا آیا اور رات تک چوہڑوں کے چودھری کو مناتا رہا، کیا آجکل کے مسلمان لیڈر کی اتنی طاقت اور اس کے حکم میں اتنی قوت ہے کہ ڈپٹی کمشنر کی نیند ایک رات حرام کر دے۔ اگر یہ نہیں تو سب کانفرنسیں اور انجمنیں دھوکا ہیں، اس میں لیڈر کا اعلا ہو تو ہو، قوم بلند نہیں ہو سکتی۔ ابھی چند ماہ ہوئے

سیالکوٹ میں مسلمانوں کی ایک "کانفرنس" ہوئی۔ کانفرنس کو شاندار بنانے کے لئے گاؤں گاؤں میں ڈھنڈورے پٹوائے گئے کہ آؤ! دُور دُور سے چونکہ آدمیوں کا آنا محال تھا، اسلئے کوشش کی گئی کہ شہر اور گرد و اگرد کی مخلوق کو جوں توں حشرات الارض کی طرح پنڈال میں بھر دیا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ ایک لاکھ کا مجمع تھا۔ کہتے ہیں کہ پنڈال کا دسواں حصہ بھی نہ بھرا، لیکن دیہات میں ڈنکے کی چوٹ زمینداروں کو کہا گیا کہ تمہارے محصول معاف کرائے جائیں گے، تمہارے قرضوں کی ادائیگی کی صورت کی جائیگی، یہ کیا جائے گا، وہ کیا جائے گا، کھانا دیا جائے گا، تم کانفرنس میں آکر دیکھو کہ وہاں کیا رونق لگی ہے۔ اس میلے پر بہت سا روپیہ خرچ ہُوا ہوگا اور وہ سب قوم کا تھا، لیکن کیا اِس طرح پر قوم کو اکٹھا کر لینے سے قوم قوم بن سکتی ہے؟ کیا اس کا ادنٰے سا کونہ بھی ایک اِنچ بلند ہو سکتا ہے؟ کیا کسی جامع مسجد کے نمازیوں کو جو بے چارے نماز پڑھنے کی غرض سے آئے ہوں اور جن کو معلوم بھی نہ ہو کہ مسجد میں کیا ہوگا، چند گرم گرم تقریریں سُنا کر اور یہ کہہ کر کہ جو مسلمان ناموسِ رسولؐ پر جان دینا چاہتا ہے ہاتھ اُٹھائے، کیا اِن ترکیبوں سے جتھے اور جلوس تیار ہو سکتے ہیں؟ مسجد شہید گنج کے پچھلے مورچے میں جب جیلخانے جانے کے لئے کوئی نہ آیا، تو مسجد وزیر خان میں ایک بڑا شربت کا مٹکہ رکھ دیا گیا۔ جو شامت کا مارا شربت پی لیتا اُس کو جیل جانے پر مجبور کیا جاتا! کیا اس طرح پر انگریزوں کی دو سو سال سے تیار فوج یا سکھوں کے زرد پوش اور کرپان سے مسلح جتھوں کا مقابلہ ہو سکتا ہے؟ پنجاب میں سکھ قوم پچھلے بیس برس سے خاموش طور پر جتھا بندی میں لگی ہے، ایک ایک گاؤں میں سکھ سُورما، جاتے ہیں، اپنے بھائی بندوں کو ایک لڑی میں پروئے جانے کے لئے تیار کرتے ہیں، گرو کی تعلیم یاد کراتے ہیں۔ اُن کو کہتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر مقصد کے لئے تیار رہو،

جب بُلایا جائے فوراً چلے آؤ، کسی مال و اولاد کی پروا نہ کرو، ہر وقت مسلح رہو۔ یہ قضیہ میں[1] سال سے لگا ہے۔ سکھ نہیں پوچھتا کہ اس جتھابندی کا مقصد کیا ہے، کیا ان جتھوں کو بنانیوالا آگے چل کر گُرو ہونے کا دعوے تو نہ کریگا۔ سکھ کو اپنے گُرو کی تعلیم چونکہ ابھی یاد ہے اور پنجاب کی حکومت کا خواب ابھی اُس کے دماغ میں باقی ہے اِس لئے اِن میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی ہے کہ ایک رات اور دو دن کے اندر اندر پانچ ہزار آدمی ایک جگہ پر باوردی جمع ہو جاتے ہیں اور نہیں پوچھتے کہ کیوں بُلایا تھا! جائے شرم ہے کہ آج تیرہ سو پچاس برس کے بعد مسلمانوں کو جو کبھی دُنیا کے بڑے حصے کے مالک تھے، اُس قوم کی مثالیں دے کر شرم دلائی جائے جن کی دُنیا میں کُل تعداد چند لاکھ سے زیادہ نہیں، جو ابھی چند قرن گزریں مسلمان کی حکومت میں ایک عاجزانہ زندگی بسر کرتے تھے، جنھوں نے کبھی دنیا میں عالمگیری نہیں کی، جو صرف پنجاب کے صوبہ پر چند برس قابض رہے اور اپنی بے دماغی اور ناسمجھی کے باعث جلد ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ کیا مسلمان جیسی عالمگیر قوم کو سکھ کی مثال دے کر شرمانا بھلا لگتا ہے؟ لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو آج مسلمان حسرت سے کہیں گے کہ یا خدایا ہم میں صرف اسقدر تنظیم پیدا کردے جسقدر کہ آج سکھ قوم میں ہے!

دہلی کے اجتماع میں پچاس ہزار خاکسار سپاہیوں کے فوجی اجتماع کا اعلان کیا گیا تھا۔ پچاس ہزار آدمیوں کی بھیڑ پیدا کرنا مقصد نہ تھا۔ اگر میں صرف "جلسے کی رونق" چاہتا یا "جلوس کامیاب" بنانا چاہتا تو پچاس ہزار سے بہت زیادہ مخلوقِ خدا دہلی میں ہمارے اجتماع کو دیکھنے کے لئے آئی تھی، کیمپ کے اندر داخل کرلیتا اور قوم کو دھوکہ دیتا کہ دیکھو میرے گِرد اگرد کتنے آدمی ہیں یہ سب خاکسار تحریک میں شامل اور میرے "مرید" ہیں۔ چند آنوں کے ڈھنڈوروں اور معمولی

فریب کاری سے گرداگرد کے دیہات کے ہزاروں آدمیوں کو بُلا لیتا، دو چار اور فریب کرتا اور سب طرف واہ واہ ہوجاتی کہ "جلسہ بے مثال طور پر کامیاب" ہوا۔ ابھی چند ماہ ہوئے امرتسر اور لاہور کے مصنوعی جنگوں کے موقعہ پر صرف چند صد خاکسار سپاہی مظاہروں میں شامل تھے لیکن سالارِ اکبر امرتسر کی اطلاع ہے کہ قریباً ساٹھ ہزار پبلک تماشا دیکھنے بلکہ "جلسہ" میں شامل ہونے کے لئے آئی تھی اور صبح سے شام تک کیمپ کے باہر دھوپ میں کھڑی رہی۔ مسلمان کو اب ایک قرن کی فریب خوردگی کے بعد سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر دہلی کے اجتماع کے موقعہ پر پچاس ہزار خاکسار سپاہی جمع نہیں ہوئے، اگر رمضان، عید الفطر، کڑاکے کی سردی، اور اقتصادی بدحالی کی روکاوٹیں پچاس ہزار مسلمانوں کو ایک رنگ اور ایک لباس میں یکجا ایک آواز پر پہنچا نہیں سکیں تو ابھی اس کی مرفّہ الحالی اور فتح و ظفر کے دن بہت دُور ہیں۔ "ہنوز دہلی دور است" والا معاملہ ہے، ابھی اُس قرآنی خواب کی تعبیر کہ "مجھے جب دردِ دل سے بُلایا کرو گے تو جواب دونگا" اُدْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ تشنۂ تکمیل ہے! خاکسار تحریک کا نصب العین اِس وقت یہ ہے کہ قوم کے پچاس ہزار آدمیوں میں سپاہیانہ استعداد کے ساتھ ساتھ ایک موقعہ اور ایک آواز پر، صدہا دلفریب بُتوں اور روکاوٹوں کے باوجود، بغیر کسی ترغیب و مقصد کے، اپنی خرچ پر، صرف اللہ اور اُس کے رسولؐ کے لئے، اکٹھا جمع ہونے کی قابلیت پیدا ہو جائے۔ جبتک کم از کم یہ نہ ہوگا یاد رکھو فتح کی پہلی کرن نمودار نہ ہوگی۔ یاد رکھو کسی عنوان سے مسلمان کے دن نہ پھر سکیں گے یاد رکھو کبھی رحمتِ خدا نازل نہ ہوگی! رحمتِ خدا صرف اتحّاد اور اتحاد کا دُوسرا نام ہے، صرف خاموشی اور اطاعتِ امیر کا دوسرا نام ہے، صرف بےغرضی اور بے نفسی

کا دوسرا نام ہے، ہاں، سب بتوں کی بندگی سے ہٹ کر اللہ الواحد القہار سے لستگی کا دوسرا نام ہے۔ جو تو ییں اِس اتحاد، اِس خاموشی، اِس اطاعتِ امیر، اِس بے غرضی اور بے نفسی، اِس نفس کشی اور خدالستگی پر عمل کر رہی ہیں دیکھ لو کیا بخوف وخطر اور لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ کی مصداق ہیں، دیکھ لو لَهُمْ مَا يَشْتَهُوْنَ (ان کو جو کچھ چاہیں گے ملیگا) کی پیشگوئی اِن پر کیا صادق آ رہی ہے۔ جس شِدّت اور تکلیف سے وہ اپنے نفس کے بتوں کو توڑ کر خدائے ذوالجلال کے حکموں سے لَو لگائے بیٹھے ہیں اُسی تیزی سے بارانِ رحمت اُن پر برس رہا ہے، اسی محبّت سے خدا اُن کو دیکھ رہا ہے! خاکسار تحریک کے مخالفوں نے بغلیں بجا بجا کر کہا ہے کہ دہلی میں پچاس ہزار کی جگہ صرف پچاس خاکسار سپاہی جمع ہوئے تھے، دیکھو عنایت اللہ کِس قدر جھوٹا ہے، دیکھو قوم سے کِس قدر فریب کر رہا ہے۔ اچھا یہ درست سہی ہَں جھوٹا سہی لیکن اگر صرف پچاس خاکساروں کو دیکھ کر دشمن کا چہرہ حسد سے اس قدر سیاہ ہو گیا تو دیکھ لو کہ پچاس ہزار جمع ہو کر کیا ہو گا۔

خاکسار تحریک کے پیش نظر یہ ہے کہ جلد سے جلد پچاس ہزار مسلّح سپاہیوں کے منظر کو خدا کی بارگاہِ اجلال میں پیش کر دے اور پھر اللہ کی رحمت کو مسلمان کی جھونپڑی پر بزور نازل کرے!

دہلی کے اجتماع نے مجھے یقین دلایا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے اور جلد ہو سکتا ہے۔ مجھے تحریک کے مخلص کارکنوں نے آ آ کر کہا کہ "دہلی بہت دور ہے"، لاہور میں اجتماع کرو، ابھی وقت ہے، اجتماع کا مقام بلکہ تاریخیں بدل دو، دیکھو کس قدر رونق ہوتی ہے۔ مسلمان بدحال ہیں، ان کے پاس پیسہ نہیں، ایمان، یقین، سب کچھ ہو بھی گیا پیسہ کہاں سے لائینگے۔ میں یہی بات مسلمان پر

ثابت کرنا چاہتا تھا کہ "ہاں ابھی دہلی دور ہے" اور دہلی تک پہنچ گئے تو بیڑا پار ہوئے ہیں کیا کسر رہ جائیگی۔ ہیں فتح مکہ کے لاکھوں سے پیشتر بدر کے تین سو تیرہ کی انتظار میں تھا۔ یہ تین سو تیرہ پیدا نہ ہوتے تو مکہ کیونکر فتح ہوتا۔ دہلی اور مکہ میں بڑا فرق ہے اسی نسبت سے ایک حساب سے اللہ کا شکر ہے کہ دہلی میں بدر کے تین سو تیرہ پیدا ہو گئے۔ خاکسار سوچے کہ ابھی صحیح معنوں میں غزوۂ بدر کے تین سو تیرہ پیدا کرنے میں کتنی خطرناک منزلیں باقی ہیں!

یہ "پچاس ہزار کا اجتماع" جو آئندہ دسمبر میں دہلی میں پھر ہوگا اگر صحیح معنوں میں ہوگیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے پچاس ہزار سپاہی نہیں، پچاس ہزار گھر، پچاس ہزار خاندان نہیں پچاس ہزار قبیلے بلکہ پچاس ہزار فرقے ایک لڑی میں پرو دیئے گئے۔ ایک ایک خاکسار جو کڑاکے کی سردیوں میں بیلچہ اور وردی لے کر اللہ اور اس کے رسولؐ کے نام پر دہلی پہنچیگا ایک پورے خاندان کے سچے مسلمان ہو جانے کا ذمہ دار ہوگا۔ جسدن پچاس ہزار خاکسار اپنے اپنے گھروں سے ایک رنگ کا لباس پہنکر نکلنے لگے تمام ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان منظم ہو جائیں گے پچاس ہزار انسانوں کے دلوں کا موجزن دریا تمام قوم کی کھیتی کو سرسبز کر دیگا۔ فَانْظُرْ اِلٰی اٰثَارِ رَحْمَتِہٖ (دیکھ اللہ کی رحمت کی نشانیاں) کا سماں صاف بندھ جائیگا، دشمن سر پیٹے گا کہ اللہ اور رسولؐ کے صحیح خیال نے کیا خطرناک صورت پیدا کر دی، دوست پھر سمجھیگا کہ نفس کے بتوں کو توڑ کر خدا دوست کسطرح بن سکتا ہے، مولوی کو تیرہ سو سال پرانی توحید پھر نظر آجائے گی تا تذکرہ پر اعتراض کرنے والے کو پتہ لگیگا کہ تذکرہ میں کیا لکھا تھا، آمین اور رفع یدین پر بحث کرنے والا جھگڑالو اس عنوان کو دیکھکر سب بحثوں سے دست بردار ہوگا، اہل القرآن، اہل الحدیث، اہل فلاں، سب پھر

اہل خدا بن جائیں گے۔ پچاس ہزار کی بھیڑیں، پچاس ہزار کی کانفرنسیں، پچاس ہزار کی انجمنیں، پچاس ہزار کے میلے، مسلمانوں نے آجتک بہت پیدا کر دیئے، وہ آئے دن ہو رہے ہیں اور کئی چندہ خور لیڈروں کا پیٹ پال رہے ہیں، اب پچاس ہزار خاکسار سپاہیوں کا **بغیر چندہ کے اجتماع** درکار ہے! پچاس ہزار خدا کی طرف آئی ہوئی روحوں کا سب بتوں کو توڑ کر اللہ کے آگے ایک فرش خاک پہ سجدہ درکار ہے! اگر آئندہ سال یہ ہوگیا تو جان لو کہ ہندوستان کی تمام سرزمین مسلمان کے آگے آئندہ سال ہی سرنگون ہوگی!

لیکن پچھلے دسمبر کے اجتماع میں خاکسار سپاہیوں میں جس شئے کی کمی تھی، جن وجوہ سے وہ اپنی تمام قربانیوں کے باوجود "بدر کے تین سو تیرہ سپاہی" ہرگز نہ بن سکے، جو نقائص ان میں اور ان کے سالاروں میں روز روشن کی طرح عیاں تھے، جو کچھ انہوں نے کیا اور جو کرنے سے رہ گیا، ان تمام باتوں کا پول دن دہاڑے کھول کر رکھ دینا لازمی ہے۔ میں مسلمانوں میں ایک آہنین نظام پھر پیدا کرنے کا خواہاں ہوں اس لئے اپنے گھر کے عیبوں کو بے خطر ظاہر کرنا میرے لئے کچھ باعث حجاب نہیں۔ میں ایک آئندہ صحبت میں نام لے لے کر بتاؤں گا کہ خاکسار سپاھی کو کیا کچھ کرنا تھا کہ وہ دہلی کے اجتماع کو "فتح مکہ" کا صحیح معنوں میں پیش خیمہ بنا دیتا، اور اب اس سال کیا کرے کہ آئندہ اجتماع حتماً منزل مقصود پر پہنچانے والا ثابت ہو۔

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

اجتماعِ دہلی کے نتائج (۲)

گھر کا بھید

مطبوعہ "الاصلاح"

۱۳ / مارچ ۱۹۳۶ء مطابق ۱۹ / ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

پچھلے مقالہ افتتاحیہ میں میں نے واضح کر دیا تھا کہ موجودہ مسلمان رہنما قوم کے حق میں کس قدر بیچارہ اور ناکارہ ہو چکے ہیں، وہ اپنی لیڈری کو برقرار رکھنے کے لئے کیا بے فائدہ اور بے نتیجہ ہنگامے پیدا کرتے ہیں۔ قوم کس خطرناک نستی میں ہے کہ ابھر رہی ہے، دشمن کیا مطمئن ہے کہ مسلمان میں اب آخری سانس نہیں رہا۔ لیڈر جوں توں، کسی نہ کسی طرح، مداریوں اور مسخروں کی طرح چند لمحوں کے لئے ایک بھیڑ اپنے گرداگرد پیدا کر دیتے ہیں لیکن دس آدمی صحیح معنوں میں اپنے مطیع نہیں رکھتے۔ انگریز ہندوستان پر اپنی آہنی گرفت کو روز بروز مضبوط کر رہا ہے، دوسری قومیں اپنے پہلے ادتلخ تجربوں سے فائدہ اٹھا کر ہوش میں آ رہی ہیں کہ ٹھوس نظام پیدا کرنے کے سوا چارہ نہیں، مضبوط قوموں کا دوسری مضبوط قوموں سے اتحاد پیدا ہو رہا ہے، ایک سکھ قوم نے ہی پچھلے تیس برس کی کوشش کے بعد اپنے اندر وہ مستقل طاقت پیدا کر لی ہے جو قابلِ رشک ہے، مگر مسلمان ہیں کہ نمائش پسند لیڈروں کے چنگل

میں پھنسے ہیں۔ اِن نمائشوں میں وقت، روپیہ، عزم، طاقت، استقلال، قومی غیرت اور وجدان دردناک طور پر ضائع ہو رہے ہیں اور کوئی دن جاتا ہے کہ یا مسلمان قوم میں تھک تھک کر بالآخر کوئی حرکت باقی نہ رہے، یا قوم پر اِس نمائش کا فریب یکسر کھل جائے اور وہ سب "رہ نماؤں" سے باغی ہو کر اپنی راہ لے!

یہ سب کچھ جو اُوپر کہا گیا لیڈروں کی لیڈری کا پول تھا لیکن ابھی مسلمان قوم کے قوم ہونے کا پول کھول کر رکھ دینا باقی ہے۔ دہلی کے خاکساروں کے اجتماع کے متعلق اعلان تھا کہ پچاس ہزار خاکسار باوردی اور بابیلچہ دسمبر کی آخری تاریخوں میں آکر جمع ہوں چار برس تک بیسیوں سالاروں کو جو اِس تحریک میں شامل تھے درس دیا گیا تھا کہ قوم کو ایک قطار میں کھڑا کر دو، غریب اور امیر کا فرق مٹاؤ، مسلمان میں قوتِ عمل پیدا کرو، غفلتیں اور سستیاں دُور کرو، محلّہ وار تنظیم کرو، ایک انگلی کے اشارے پر مسلمان کو تیار ہو جانے کا سبق دو، اپنے شہر اور علاقے میں روزانہ مشق کر کے ثابت کر دو کہ تمہاری سرداری میں اتنے آدمی تمہارا حکم ماننے کیلئے تیار ہیں۔ ہم نے علاقوں کو محلّہ وار تقسیم کر کے ان پر علاقہ وار سردار مقرر کئے تھے۔ خاکساری کی شرط یہ تھی کہ خاکسار اپنے محلّہ کے سالاروں کی اور محلّہ کے سالار اپنے افسرِ بالا کی بے چون وچرا اطاعت کریں۔ اطاعت اور صرف اطاعت پر اِس تحریک کی بُنیاد رکھی۔ سرداروں کو کہا کہ اِدارۂ علیّہ کیطرف سے جو حکم ملے وہ بہرحال اور بہر نوع ماننا ہے خواہ اسمیں جان چلی جائے۔ وہ حکم مرگِ مفاجات ہے جس سے چارہ نہیں۔ تمہارا حکم چونکہ بے چون وچرا ماننے کیلئے کہا گیا ہے اسلئے تم بھی اِدارۂ علیّہ کا حکم بے چون وچرا مانو اور اِسکی تعمیل میں اپنی جانیں تک ہلاک کر دو! ایسی حالتیں پچاس ہزار خاکساروں کے دہلی میں جمع کرنے کا حکم خاکسار تحریک کے تمام چھوٹے بڑے افسروں بلکہ خاکساروں کے لئے بھی ایک سُننی اور بے چلنی

پھیلانے والا حکم ہونا چاہیئے تھا۔ اس حکم کے نافذ ہوتے ہی ہر خاکسار، ہر سالار، سر سالار، سالار اعلیٰ سالار اکبر، بلکہ ہر مسلمان کو سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ اگر دہلی میں پچاس ہزار خاکسار جمع نہ ہوئے تو تمام جگ میں خاکسار تحریک کی رسوائی ہوگی، ادارہ علیہ کی بے عزتی ہوگی، دشمن ہنسیں گے، غرض مند مسلمان جو تحریک کو کامیاب دیکھنا نہیں چاہتے بغلیں بجائینگے، عنایت اللہ المشرقی کا جس کو بدنام اور جگ رسوا کرنے کے طریقے دشمن نے ایک ہزار ایک ایجاد کر رکھے ہیں، منہ کالا ہو جائے گا، اس کو جھوٹا دغاباز فریبی کے القاب دیکر تحریک کو بدنام کیا جائیگا، سادہ لوح لوگوں کو کہا جائے گا کہ دیکھو عنایت اللہ کتنا بڑا بے ایمان نکلا کہ پچاس ہزار خاکساروں کے موجود ہونے کا دم بھرتا تھا، قوم کو کہتا تھا کہ اس کے پاس پچاس ہزار سپاہی تیار ہیں لیکن حقیقت میں اس کے پاس پچاس نہ تھے۔ ایسے فریبی اور دغاباز شخص کا کیا بھروسہ ہے کہ آگے چل کر قوم کی کشتی کو کس منجدھار میں غرق کردے!

یہی حال بعینہ ایک ہزار حاجیوں کے حج کے متعلق ہمارے سالاروں اور خاکساروں کا ہونا چاہیئے تھا۔ خاکسار کو سمجھنا چاہیئے تھا کہ "ایک ہزار نوجوانوں کا اب کے سال حج کے لئے جانا خاکسار تحریک کے پیش نظر ہے، تحریک کا قائد ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ایک ہزار مسلمان اب کے سال بیلچہ اور وردی کے ساتھ مکہ کی سرزمین میں مارچ کریں، ہمیں اس تحریک میں سبق دیا گیا ہے کہ حکم کی بے چون وچرا اطاعت ہو، ہمیں معلوم ہو یا نہ ہو کہ اس عجیب وغریب حکم میں کیا حکمت ہے، ہم اس کی لم کو سمجھیں یا نہ سمجھیں لیکن ہم خاکساروں یا کم از کم مسلمانوں میں سے ایک ہزار نوجوانوں کو اب کے سال ہر حالت میں تیار ہو جانا چاہیئے۔ ادارہ علیہ سے حکم نافذ

ہوتے ہی یہ ذمہ داری ہم پر عائد ہے۔ اب اسلام کی ناموس ہمارے ہاتھ میں ہے۔ پچاس ہزار خاکساروں کے اجتماع اور ایک ہزار حاجیوں کے حج کا اعلان ہزاروں اور لاکھوں تک اخبارات کے ذریعے سے اور زبانی پہنچ چکا، اب سب کی نظریں ہماری طرف لگی ہیں، عنایت اللہ المشرقی کی تمام شیخی کرکری ہو جائیگی اُس کی عزت خاک میں مل جائیگی اگر یہ باتیں بخیر و خوبی انجام نہ پائیں"۔

خاکساروں کا سالار چار برس کے روزانہ سبق کے باوجود اس راز کو نہ سمجھ سکا۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا ذہن مجھے آ آ کر کہتا تھا کہ پچاس ہزار خاکسار دہلی میں جمع نہ ہو سکیں گے۔ آپ کیا غضب کر رہے ہیں کہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ خاکساروں اور عام مسلمان دونوں میں جھوٹا ثابت کر رہے ہیں، یہ کیا پریشان ذہنی اور کیا دیوانہ پن ہے کہ اس کڑاکے کی سردی، رمضان کے مہینے اور عید الفطر کے دن اس عام مفلسی میں آپ مسلمانوں کے پچاس ہزار نوجوانوں سے اُمید کر رہے ہیں کہ دہلی آئیں اور چار دن اپنے خرچ پر دربدر پھر کر چلے جائیں۔ کئی بڑے بڑے ذہن والوں نے قریب ہو ہو کر کہا کہ ہوش میں آؤ، لوگ پہلے ہی کہتے ہیں کہ دو ہزار روپے کی سرکاری ملازمت کو چھوڑ کر بیلچہ کندھے پر رکھنا اور بازاروں میں لگے پھرنا دیوانہ پن نہیں تو اور کیا ہے، اب اس پچاس ہزار خاکساروں کے دہلی میں جمع ہونے کے بے خطر اعلان میں عقل و فرزانگی کی صاف موت ہے۔ مجھے ان تمام کرمفرماؤں اور اپنی دیوانگی کے معالجوں سے بحث نہ تھی میں صرف اپنے آپ کو اور بے غیرت اور زخمی کر کے خاکساروں اور سالاروں کے دلوں میں رنج پیدا کرنا چاہتا تھا، ان کے ذہنوں میں ٹیس اور تڑپ پیدا کرنی چاہتا تھا کہ دیکھو ہماری کم ہمتی، ہماری فرض ناشناسی ہماری حکم عدولی اور ناعاقبت اندیشی کے باعث ہماری تحریک کے قائد کی کیا رُسوائی ہوئی، اگر ہم صحیح

معنوں میں ادارہ علیہ کے حکم کو حکم سمجھ کر دن رات اس کی تعمیل میں لگ جاتے تو آج نہ صرف یہ کہ پچاس ہزار سپاہی دہلی میں جمع ہو جاتے، نہ صرف یہ کہ ایک ہزار حاجی دین اسلام کے مرکز میں مارچ کرتے نظر آتے بلکہ کئی سو برس کی مسلمانوں کی گتھی نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں سلجھ جاتی۔

پچاس ہزار خاکساروں کے جمع ہونے کے متعلق نہ محض یہ کہ بار بار اخبارات میں اعلان ہوتے رہے بلکہ میں نے سالار کو اپنے فرض کا احساس دلانے کے لئے خاکساروں کی تقسیم کی علاقہ وار فہرست "الاصلاح" میں شائع کردی۔ ہر سالار علاقہ کے نام کے سامنے خاکساروں کی تعداد درج کردی جس کو دہلی لانے کا اس کو حکم تھا۔ آبادی کے تناسب کے لحاظ سے کافی رعائیت کر کے اُن نوجوانوں کی تعداد مقرر کی جن کو افسر بالا چھ ماہ کی مسلسل سعی کے بعد اپنے اثر سے لاسکتا تھا' بشرطیکہ اس میں فرض کا احساس اور حکم کی تعمیل کا اضطراب ہوتا۔ افسر بالا کو چاہیئے تھا کہ فہرست شائع ہوتے ہی وہ اپنی تعداد کو پورا کرنے میں لگ جاتا۔ ادارہ علیہ نے ایک فرض اس پر عائد کیا تھا' وہ اپنے ماتحت افسروں پر اسی طرح فرائض عائد کرتا۔ ہر ماتحت سالار کو کہتا کہ تمہارے ذمے خاکساروں کی اس قدر تعداد مہیا کرنا ہے، تم اپنے علاقوں میں پھیل جاؤ' ہر خاکسار کو آمادہ کرو کہ وہ دہلی پہنچے اور قوم کے اس عظیم الشان اجتماع میں شامل ہو۔ غیر خاکساروں کو بھرتی کرو، اُن کو اس فوجی اجتماع کے فوائد بیان کرو۔ رمضان کے عذر کے متعلق بتلاؤ کہ مسلمان کو جہاد کا حکم اسی رمضان کے مہینے میں نازل ہوا تھا۔ عید الفطر کے عذر کے متعلق یاد دلاؤ کہ غزوۂ بدر رمضان کی سولھویں تاریخ کو شروع ہوا تھا اور لامحالہ عید الفطر تک یہ ہنگامہ رہا ہوگا، سردی کے عذر کے متعلق واضح کرو کہ قرن اول میں مسلمان گرمی کا عذر پیش کرتے تھے، قرآن حکیم نے ان کو بتلایا کہ "بہت اچھا گرمی کا عذر پیش کرتے ہو، جہنم کی آگ اس سے زیادہ

گرم ہوگی۔ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا (قرآن عظیم) مفلسی کے عذر کے متعلق مسلمانوں کو کہو کہ قرون اولیٰ کے مُسلمان غریب تھے اُن میں سے اکثر کے پاس دولت کے خزانے نہ تھے، وہ اسلام کی خاطر پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، جنگلوں سے لکڑیاں چُن چُن کر اپنا گذارہ کرتے تھے، تم اگر عید الفطر کے موقعہ پر اپنے گھر رہے تو آخر کچھ نہ کچھ خرچ کروگے، یہی خرچ اب کے سال اسلام کی راہ میں کرو، وغیرہ وغیرہ۔ الغرض خاکساروں کا سالار اگر صحیح معنوں میں تحریک کو سمجھتا تو آٹھ کروڑ مسلمانوں میں سے پچاس ہزار خاکسار سپاہیوں کو دہلی میں جمع کر لینا مشکل نہ تھا!

غرض یہ ہے کہ ابھی تک خاکسار تحریک میں باوجود اس کے صدہا مخلص سالار پیدا ہو چکے ہیں، سالاروں اور خاکساروں کو تحریک کا سپرٹ سمجھ نہیں آیا۔ سالاروں نے سمجھا تھا کہ "دہلی کا اجتماع" بھی ایک "جلسہ" کی طرح ہوگا، جس میں جو شخص چاہیگا اپنی مرضی سے شامل ہو جائیگا۔ جو جائے گا اپنے مزے کی خاطر جائیگا۔ وہاں پر اور جلسوں کی طرح مخلوق تماشے کے لئے جمع ہو جائیگی۔ "اس مخلوق کو جمع کرنے کی ترکیب خود عنایت اللہ نے سوچ لی ہوگی اور وہ اس تمام مخلوق کو اس جلسہ میں داخل کر لیگا۔ مسلمانوں کے ہاں جھوٹ تو بہت جلد ہضم ہو جاتا ہے، جہاں ایک ہزار آدمی اکٹھے ہو گئے اُن کے متعلق کہہ دینا کہ "ایک لاکھ آدمیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا" اپنے گھر کی بات ہے۔ اسلئے اگر دو تین ہزار خاکسار بھی دہلی پہنچ گئے تو ہمارا پیشوا خود اعلان کر دیگا کہ پچاس ہزار سے زیادہ تھے! اب ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اپنی مقررکردہ تعداد کو پورا کریں، وہاں اس ہنگامے میں جو دہلی میں ہوگا کسی کو کیا پتہ کہ کون شخص کتنے سپاہی لایا، سب باتیں ہضم ہو جائینگی۔ عنایت اللہ تھوڑے سے خاکسار بھی ہمارے ساتھ دیکھ کر خوش ہو جائیگا، وہ ہمارے عیبوں اور حکم عدولیوں کو بھلا کب ظاہر

کرسکتا ہے، یہ کبھی ہوسکتا ہے کہ ہمارا دل ظاہر کرے۔ ہم اُس کی خاطر تو یہ تکلیف اُٹھا رہے ہیں، اِس واسطے اگر تین ہزار کی جگہ ایک سَو آدمی بھی دے گئے تو بات بچ جائیگی۔ یہاں خاکسار تحریک میں جو آدمی کام کر رہا ہے، اُجرت تو کسی کو دی نہیں جاتی اِس لئے جو **جتنا مرضی ہے کام کرے** اُسی کے ساتھ ٹھیکہ تو کیا نہیں، سکھا شاہی انتظام ہے جتنا توفیق ہوئی کر لیا۔ "سالاروں کو ابھی تک سمجھ نہیں آیا کہ **خاکسار تحریک عنایت اللہ کی تحریک نہیں**، اِس میں عنایت اللہ کی روٹیوں اور پھولوں کے ہاروں کا سامان نہیں، یہ **خدا** اور خدا کے بعد اُس کے **رسولؐ** اور اس کے **اسلام** کی تحریک ہے۔ مسلمانوں کو پھر کئی سو برس کے بعد اپنے اصلی اور **بادشاہت دینے والے اسلام** کی طرف لانے کی مشکل ترین تحریک ہے۔ اِس میں جو شخص کام کر رہا ہے تحریک کو اپنا مذہب، اپنا شعار، اپنا خدا اور رسولؐ سے تعلق سمجھ کر کام کر رہا ہے، اِس میں جلسوں اور جلوسوں، انجمنوں اور کانفرنسوں کی صورت ہرگز نہیں پیدا ہو سکتی، اِس کو "کامیاب" بنانے کے لئے جلسوں اور جلوسوں والا فریب ہو نہیں سکتا، اس میں "جمعہ کے نمازیوں" کو ایک جگہ جمع دیکھ کر جلسہ کا رنگ جمایا نہیں جا سکتا، اِس میں مسلمانوں کی **سچی اور اصلی قوت**، ہاں مخالفین کو ملیا میٹ کر دینے والی طاقت کو کئی سَو برس کی مُردنی کے بعد پھر پیدا کرنا ہے، قوم کو دھوکہ دے کر کسی "جلسے" اور "کانفرنس" کو کامیاب بنانا ہرگز نہیں۔ سالاروں کو سمجھنا چاہیئے تھا کہ وہی شخص در اصل خاکسار سپاہی ہے جو عنایت اللہ المشرقی یا تحریک کے کسی افسر کے **مُنہ یا لحاظ کی خاطر** یا تحریک میں کسی **مزہ** لینے کی غرض سے، یا کسی **نفسانی راحت یا لذت** کو سامنے رکھ کر شامل نہیں ہوتا، بلکہ یہ سمجھ کر شامل ہوتا ہے کہ عنایت اللہ اپنی بپتا میں پھنسا ہے، میں **اپنی آخرت** کو سنوار رہا ہوں،

ہمارے علاقے کا افسر اپنی نجات کی فکر میں ہے، سب خاکساروں سالاروں کا تعلق براہِ راست خدا سے ہے، قرآن اور حدیث کے اُن حکموں سے ہے جو کئی سو برس چھپائے گئے اور چھپے رہے، عنایت اللہ المشرقی صرف اِس وقت اِس تحریک کا قائد ہے اپنی طاقت اور قوت کیمطابق اِس تحریک کو چلا رہا ہے جب عنایت اللہ سے بہتر چلانیوالا کوئی پیدا ہو گیا وُہ چلائیگا۔ ہم نہ اِس کی خاطر تحریک میں آئے ہیں، نہ اُس کی خاطر۔ نہ اِس سالار کے منہ کو دیکھکر تحریک میں شامل ہوئے نہ اُس کی خاطر۔ ہم تو جو افسر، جو سردار، جو حاکم مقرر ہوگا اُس کے اشاروں پر چلینگے، اگر ایک افسر کو علیحدہ کر دیا گیا اُس سے برگشتہ ہو جائیں گے، دوسرے کو مقرر کر دیا گیا اُس سے تعلق جوڑ لینگے۔ ہمارا مذہب تو حکم ماننا ہے۔ اِس کے سوا کسی کی خاطر کچھ کرنا نہیں۔ عنایت اللہ اگر اپنی روٹیوں کا سامان اور پھولوں کے ہار جمع کرنا چاہتا تو یہ سخت اور مشکل تحریک پیدا نہ کرتا، اِس کے لئے بہت سے آسان طریقے تھے جو ہم روزانہ دیکھ رہے ہیں، وہ اپنی پہلی شاندار ملازمت اور جنّت کو چھوڑ کر تکلیف کے جہنّم میں کیوں آتا، روٹیاں اور پھولوں کے ہار تو خدا نے اِس کو پہلے ہی دے رکھے تھے اِن کو کیوں چھوڑتا، اپنے گھر بار، دولت، فرزند و زن، سب کو قربان کیوں کرتا، وہ اپنا سب کچھ لُٹا چکا ہے اور جو باقی ہے لٹانے کا اعلان کر چکا ہے۔ یہ سب کچھ اُس نے اپنے خدا، اپنی نجات، اور اپنی آخرت کی خاطر کیا ہے ہم اگر کچھ کریں تو اس کی خاطر نہ کریں اپنی جان کی خاطر کریں۔

اگر سب سپاہی اور سالار اِس یقین پر کام کریں، اِس یقین کو دلوں کے اندر مضبوط کر کے خدا کی خاطر کام کرتے جائیں تو آج سب شیطانی وسوسے، سب ابلیسی غفلتیں، سب نفسانی عذرات

تمام جھوٹی تسلّیاں دُور ہوسکتی ہیں۔ سالار خود ایسا سپاہی بن کر بیسیوں دوسرے مسلمانوں کو اپنے رنگ میں رنگ سکتا ہے۔ اِدارہ علیّہ کے حکم کو سنکر دِن رات بے چین رہ سکتا ہے، اگر ادارہ کہے کہ بارہ سُو سپاہی لانے کا حکم تم کو مِلا ہے، تو بارہ سو ہی دہلی میں حاضر کر سکتا ہے۔ اِس حکم کو اپنی نجات کا ذریعہ، قوم اَور ملک کی خلاصی کا وسیلہ سمجھ کر دن رات مضطرب رہ سکتا ہے۔ جس دِن اُس نے تحریک کو رشید اللّٰہ والہ یا عبدالرحمٰن یا عنایت اللہ یا محمد شریف یا میاں محمّد کی تحریک سمجھی اُسی دِن سے اُس کی تمام تسلّیاں فنا ہو جائیں گی، یہ کام، یہ دردسری، یہ روز کے مارچ، یہ دن رات کی تکلیفیں، یہ خرچ اخراجات، یہ تیس تیس میل کے سفر، یہ بے مقصد اجتماع، یہ رات کو زمین پر بستر ے کبھی قائم نہیں رہ سکتے جب تک یہ سب خدا اور صرف خدا کے لئے نہ ہونگے۔ یاد رکھو اِس دنیا کی تاریخ میں اَور اِس زمین کے کسی کونے میں جب جب کوئی قوم اور ملک آزاد ہوا ہے، جب جب کسی قوم کے افراد نے برسوں اور قرنوں تک تکلیفیں سہ کر زور آور قوم کی پکڑ سے اپنے آپ کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر آزاد کرایا ہے، جب جب کسی قوم کے لوگوں نے میدانِ جنگ میں جانیں دے دے کر خون کی ندیاں بہائی ہیں اور لاشوں کے پشتوں کے پشتے لگا دیئے ہیں، خدا اور زمین و آسمان کے مالک کو سامنے رکھکر لگائے ہیں، جان دینے والے کو جان واپس کرنے کے خیال سے لگائے ہیں! زید، عمر، بکر کو سامنے رکھکر آج تک کوئی ملک آزاد نہیں ہوا، کوئی ایمان پیدا نہیں ہُوا، کوئی بھروسہ، کوئی توکّل، کوئی عزم، کوئی ارادہ ایسا پیدا نہیں ہوا کہ قوم کا بادا آدم بدل دے، اُس کی بگڑی بنا سکے، اُس کی گتھی سلجھا سکے! کانفرنسیں اور انجمنیں اسلئے آج تک تمہاری بگڑی نہ بنا سکیں کیونکہ سب شخصی تھیں، ذاتی نفع کی تھیں، اُن کی نیّت

کسی کی ذات کو فائدہ دینا تھا۔ بہتوں کو فائدہ نہ بھی لیکن محدود فائدہ دینا تھا کسی کی خاطر فائدہ دینا تھا۔ خاکسار تحریک بھی کبھی بلندی تک نہیں پہنچ سکتی جب تک سالار اور خاکسار کی نظر کسی انسان پر ہے۔ خدا کی ذات پر نظر رکھنے کے سوا کسی قوم کو فلاح آجتک نہیں مل سکی!

یاد رکھو قلعوں کو توڑ دینے والا ایمان خدا اور صرف خدا کی طرف تکنے سے پیدا ہوتا ہے! یاد رکھو خدا کے سب سے بڑے اور آخری رسول نے اپنا ایمان صرف خدا کی طرف تک کر پیدا کیا تھا، اپنے آپ کو فنا کر کے پیدا کیا تھا! اللہ کی راہ میں سخت سے سخت تکلیفیں اُٹھا کر پیدا کیا تھا! اپنے بدن پر اوجھ اور گندگی پھینکوا کر پیدا کیا تھا، اپنے دانت شہید کر کے اور اپنے مُنہ پر خون کے فوّارے اچھال کر پیدا کیا تھا، رسولِ خدا اپنی عمر میں اس قدر کمزور ہوگئے تھے کہ بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ تمام عمر کی تکلیفوں نے اُن کے جسم سے طاقت کا آخری قطرہ نچوڑ لیا تھا۔ قوم کے فکروں اور غموں نے وُہ پریشان کر دیا تھا کہ بدن کا صرف ڈھانچا باقی رہ گیا تھا۔ لوگوں اور قوم کو اُس رسول کی تکلیفوں کی کیا خبر تھی، وہ سمجھتے تھے کہ بھلا چنگا ہے، شکل و صورت درست ہے، چہرے کی رونق برقرار ہے۔ وہ کیا سمجھتے تھے کہ بدن اندر ہی اندر گُھل چکا ہے "لعلّک باخعٌ نفسک الّا یکونوا مؤمنین" کی قرآنی آواز پوری ہو چکی ہے۔ رازدار بیوی حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ رسولؐ کیوں بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ جواب مِلا کہ ہاں، اُس وقت سے بیٹھنا شروع کیا ہے جب کہ "لوگوں نے اُن کو چکنا چُور کر دیا" (حین حطمہُ النّاس)۔ خوش قسمتی سے ایسی حدیثیں ہم میں باقی ہیں یہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا اِس لیے تھا کہ اپنا ایمان خدا پر قائم ہو، ہاں اپنے ایمان کے ساتھ ساتھ دوسروں

٭ قرآن میں ہے " اے محمد تو تو اِس فکر میں کہ اِن لوگوں میں ایمان پیدا نہیں ہوتا اپنی جان بھی ہلاک کر مار یگا۔

میں ایمان پیدا ہو! ایمانِ خدا کو تنگ کر پیدا ہوتا ہے، جان کو ہلاک کر کے پیدا ہوتا ہے، رسوائے جہاں اور ذلیل ہو کر پیدا ہوتا ہے کسی مولوی یا مُلّا کے کلمہ دھرانے، کسی پنڈت یا مہنت کے منتر سے، یا کسی لیڈر، پیر یا مجاور پر نظر رکھ کر پیدا نہیں ہوتا۔ خاکسار تحریک کے سالار بھی کسی عنایت اللہ کی طرف تک کر ایمان پیدا نہیں کر سکتے، وہ خدا اور صرف خدا پر نظر رکھنے سے پیدا ہو گا۔ وہ اپنے سپاہیوں میں بھی ایمان اُس وقت تک پیدا نہ کر سکیں گے جب تک خود اپنی جان کو ہلاک نہ کر ینگے، آپ اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے تکلیفیں نہ سہیں گے۔ ایمان اور یقین کا پیدا کرنا کیا خالہ کا گھر ہے کہ کسی کے چھو منتر سے ہو سکے۔

یہ باتیں جو میں نے اوپر کہیں اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو تحریک کا سالار ہے۔ سالارِ محلہ سالارِ ادارہ، سر سالار، سالارِ اعلیٰ، سالارِ اکبر، وُہ سالار جن کی جماعتیں مَوجود نہیں، وہ سالار جو کبھی سالار تھے، وہ سالار جن کو فرمانِ عالی مِل چکا ہے، وہ جن کو نہیں مِلا، وہ جن کو حکمنامے کے ذریعے سے مقرر کیا گیا، وہ جن کے متعلق صرف اخبار میں اعلان کیا گیا، وہ جو کسی علاقے میں تحریک کے صرف موید ہیں، وہ جن کا نام "یوم امتحان" کی فہرست میں آ چکا ہے، وہ جن کے مراسلات "الاصلاح" میں چھپ چکے ہیں، وہ جن کے مراسلات نہیں چھپے وہ جو خاکسار تحریک میں غائبانہ دلچسپی لیتے ہیں، وہ جو تا حکم ثانی تحریک سے کسی جرم کی بنا پر نکال دیئے گئے ہیں، الغرض ہر ایک مسلمان جس کو تحریک سے لگاؤ ہے اور اپنے علاقہ میں دس آدمی ہی پیدا کر سکتا ہے، سب کے سب اس تنبیہ میں شامل ہیں یہ سب میرے نزدیک قوم کے سردار ہیں ان پر اسلام کیطرف سے فرض عائد تھا اور اب تحریک کیطرف سے فرض عاید ہے۔ وہ عمل شروع کریں اور دیکھیں کہ قوم کیونکر نہیں بنتی! عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

اجتماع دہلی کے نتائج (۳)

گھر کا بھید

مطبوعہ "الاصلاح"

۳ اپریل ۱۹۳۶ء مطابق ۱۱ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ

پچھلی صحبت میں میں نے سوچ کر کہا تھا کہ چار سال کی کوششِ اصلاح واتحاد کے بعد اجتماع دہلی کے اختتام پر خاکسار سپاہیوں کے نقائص واضح کرنا در اصل "مسلمان قوم کے قوم ہونے کا پول کھول کر رکھ دینا" اور قوم کے بنیادی نقائص واضح کرنا ہے۔ خاکسار سپاہی اس وقت بلا شک وشبہ مسلمان قوم کا بہترین حصہ ہے۔ جو شخص اس مشکل، تکلیف دہ اور بے غرض تحریک میں شامل ہے لاریب قوم کا بہترین فرد ہے۔ اس تحریک میں چندہ نہیں، اس لئے مطلب پرست اس کے پاس نہیں پھٹکتا۔ اس میں غرض نہیں اس لیے صرف بے غرض ادھر آتا ہے۔ اس میں ہنگامہ نہیں اس لئے ہنگامہ پسند لوگ اور قوم کے ناحقیقت شناس حکیم اس کو کچھ پسند نہیں کرتے، اس کے سامنے کوئی خواب آور سبز باغ اور لفظی آزادی کے فریب دہ خواب نہیں اس لئے صرف دُور اندیش، نکتہ شناس اور معاملہ فہم لوگ اس مشکل کو اختیار کرتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو مدِ نظر

رکھ کر یہ کہنا کچھ حقیقت سے دُور نہیں کہ خاکسار تحریک میں قوم کے اچھے سے اچھے اور مفید سے مفید لوگ چھن چھن کر آتے ہیں، جو داخل ہوتا ہے، کچھ سوچ سمجھ کر، کچھ دل سے تیار ہو کر، کچھ جان کو تکلیف دینے کے ارادے، کچھ روزانہ پروگرام کو صحیح سمجھ کر، کچھ چندہ نہ ہونے کو خلوص کا نشان جان کر، کچھ خاکساروں کی تکلیف، کچھ قائدِ تحریک کی رُسوائی دیکھ کر، کچھ سپاہیانہ شان اور فتح کی منزل کو نسبتاً قریب سمجھ کر آتا ہے۔ ایسے عمدہ اور ستھرے ہوئے لوگوں میں اگر کوئی نقص نظر آئیں تو اُن کی اصلاح فی الحقیقت تمام قوم کو بہتر کرنا ہے۔ اگر قوم کے ان افراد سے جو قوم کی جان ہیں یہ نقص رفع ہو گئے تو سمجھ لو کہ قوم کی ہوا پھر بندھ گئی۔ جو شخص خاکسار تحریک میں آئندہ داخل ہوگا اسی عمدہ ہوا میں پلے گا، اس کی پرورش اور نشو و نما اسی عمدہ ماحول میں ہوگی، خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ وہی رنگ پکڑیگا۔ وُہ باغبان کیا باغبان ہے جو پودے کے گلے سڑے حصّے سے تحمّل کر کے اس کو نہ کاٹے۔ اِس طرح باغ میں ایک پودا بھی تندرست پیدا نہ ہوگا۔ باغبان کا پہلا اور بڑا فرض یہ ہے کہ باغ کی تیاری کے ساتھ ساتھ اُن سب اشیاء کو بیدردی سے کاٹ کاٹ کر پھینکتا جائے جو باغ کے نشو و نما اور حُسن میں حائل ہیں!

دہلی کے اجتماع نے نہ صرف یہ ثابت کر دیا کہ "پچاس ہزار خاکساروں کے اجتماع" کی آواز ہمارے سالار صحیح طور پر سُن نہ سکے، نہ صرف یہ کہ اس صدا کے بعد کانوں نے دماغ، اور دماغ نے ہاتھ پاؤں کو کچھ صحیح حرکت نہ دی، نہ صرف یہ کہ ہمارے سالاروں نے ادارہ علیہ کے حکم کو مخول سمجھا اور باتوں میں ٹال دیا بلکہ یہ کہ ہمارے سالار کے دل میں چار سال کی مسلسل کوشش اور عمل کے باوجود وُہ ہٹ، وُہ ضد، وُہ قومی غیرت اور تقاضائے درد، وُہ فتح کی اُمنگ اور

شکست کی شرم پیدا نہیں ہوئی جو ہر زندہ قوم کے کس وناکس میں اُس وقت آموجُود ہوتی ہے جب قوم کوئی کام کرنے لگے۔ انگریز قوم میں ایک ارادے یا عمل کا اعلان ہوتا ہے۔ قوم کے ہر فرد میں سُننے کی طاقت اِس قدر موجود ہے کہ اِس عمل یا ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا حس آگ کی چنگاریوں کی طرح چٹخ چٹخ کر نکلتا ہے، ہر شخص اُس کام میں اپنا حِصّہ خود بخود مقرر کر لیتا ہے اور وہ کام "ہو جاتا ہے"۔ جنگِ عظیم کے دَوران میں حکومتِ برطانیہ کو کئی لاکھ دُوربینوں کی ضرورت پیش آئی۔ تمام مزدُور گولہ بارُود تیار کرنے میں مصروف تھے اِس لئے حکومت کے لئے نئی دُوربینیں تیار کرنا محال تھا محکمۂ جنگ نے اعلان کیا اور مُلکی اخبارات نے اِس آواز کو گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ قوم کی سُننے اور دیکھنے کی حِسّ اِس قدر تیز تھی کہ چند دِنوں کے اندر اندر لوگوں نے اپنی ذاتی دُوربینیں محکمۂ جنگ کے حوالے کر کے تعداد پُوری کر دی۔ سوچو کہ اِس قوم کے دِل کس قدر نرم تھے، سوچو کہ ہر فرد میں کس قدر قومی غیرت تھی، سوچو کہ ہر شخص نے اپنا فرض کیونکر خود بخود پہچانا اور کس خوبی سے ادا کیا، اگر ہر شخص یہ سمجھتا کہ "محکمۂ جنگ نے اعلان کیا ہے وہ خود دُوربینیں جمع کرتا پھریگا، ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اُٹھلی میں سر دیں، جب کوئی مانگنے آئیگا یا دینے پر مجبور کریگا تو ناچار دے دیں گے، وغیرہ وغیرہ" تو کیا ایک دُوربین بھی جمع ہو سکتی۔ نہیں انگریز قوم زندہ تھی، قوم کی زندگی یہ ہے کہ آنکھیں کُھلی ہوں، کان کھڑے ہوں، دِل نرم ہوں، ہاتھ پاؤں، آنکھ کان اور دِل کے اشاروں پر ہر وقت تیار رہیں۔ زندہ قوم کے افراد بالعموم یا اِس قدر بصیرت رکھتے ہیں کہ جو مفید کام سامنے آئے فرض سمجھ کر کر دیتے ہیں یا اُن کے دِل اِس قدر نرم ہوتے ہیں کہ آنکھوں پر پٹّی باندھ کر جو حکم ملے کر گذرتے ہیں اور نہیں پُوچھتے کہ اِس حُکم میں کیا حِکمت تھی، اِس تجویز کا ہمیں "مقصد" تبلایا جائے، "آپ کی اس میں غرض وغایت کیا ہے"؟

بدبخت وہ قوم ہے جو عمل سے گریز کرنے کے بہانے ڈھونڈنے کے لئے ہر تجویز پر چوں اور چرا کرتی رہے ۔ خاکساروں کے سالار اگر قساوتِ قلب ، نافرمانی اور بصیرت کی کمی میں مُبتلا نہیں تو کم از کم یہ ضرور ہے کہ پچاس ہزار خاکساروں کو دہلی میں جمع کر دینے کی ہمّت ، پچاس ہزار سپاہیوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کر دینے کی ضِدّ ، قوم کو کامیاب کر دینے کی ہٹ ، ادارۂ علیہّ کو بلند کر دینے کا عزم اُن میں موجود نہیں ۔ یاد رکھّو ادارہ قوم کو کسی دھوکے میں مُبتلا نہیں کر سکتا ، وہ قوم کے کارکنوں کا جسقدر عمل ہوگا صاف ظاہر کر دیگا ، قوم کے افراد کی ہمّت کا بے لاگ موازنہ کریگا ، قوم کے افراد سے عمل کرائیگا ، اور خود صرف حکم دیگا ، ادارہ سے یہ توقع رکھنا کہ وُہ اپنی عزّت بچانے کی خاطر پچاس ہزار نکمّوں کی ایک بھیڑ اپنے فریب سے پیدا کر دے گا ، عبث ہے ۔ آئندہ دسمبر میں پھر پچاس ہزار سپاہیوں کے دہلی میں جمع ہونے کا حکم دیا گیا ہے ، یہ حکم غالباً ہر سال بلکہ سال میں کئی دفعہ اور ہمیشہ دیا جائے گا لیکن پچاس ہزار سپاہیوں کے جمع ہو جانے کا ادارہ علیہّ کی طرف سے اعلان فی الحقیقت اُسی دن ہوگا جب پچاس ہزار قواعد دان سپاہی ، خاکی وردی میں اور بیلچہ سے لیس ، اپنی ہٹ ، اپنی ضِد اور اپنے عزم سے ادارہ علیہّ کے حکم کی لاج رکھنے کے لئے نہیں ، خدا ، خدا کے رسولؐ اور خدا کے اسلام کی عزّت کی خاطر ایک مرکز پر جمع ہو گئے ! اُس دن میرے مُنہ سے یہ کہنا سجیگا کہ قوم زندہ ہے اَب اگلا قدم اُٹھانے میں مضائقہ نہیں !

کامیابی کا یہ عظیم الشان اور قابلِ رشک مرحلہ ابھی تک اس لئے طے نہیں ہُوا کہ ہمارے سالار ابھی تک اُس بلند قومی اخلاق کے مالک نہیں بنے جو قوم کو زندہ کر دینے کے لئے ازبس ضروری ہے ۔ پشاور کے سالاروں میں میاں محمّد اِس فہم و فراست کا مالک ہے کہ حکومتِ سرحد

اُس کے برجستہ عمل سے ایک مدّت تک پریشان رہی ہے۔ الٰہ بخش ضیاء کی نے الجملہ نقصان بخش حکومت کے بعد پشاور کے خاکساروں کا شیرازہ میاں محمّد نے باندھنے کی کوشش کی، بہت سے ماتحت سالاروں میں تحریک کی مذہبی رُوح پھُونکی لیکن فوجی اجتماع کی بجائے تحریک کو "مذہبی علما" کی ایک مجلس بنانا شروع کیا! ان مجالس میں خدمتِ خلق، اطاعتِ امیر، اتحّاد، مساوات، اُخوّت پر بحثیں ہوتی تھیں، کام اور عمل نہ ہوتا تھا، خاموش طور پر پیری اور مُریدی ہوتی تھی، جرنیلی اور سپاہگری نہ ہوتی تھی، قرآن کی آئتیں پڑھیں اور تشریح کی جاتی تھیں، قرآن کیا جاتا نہ تھا، نتیجہ یہ ہُوا کہ سپاہی سپاہی نہ رہے، خاکساروں میں خاموشی اور اطاعت کے عنصر کی بجائے دماغی عیاشی آنے لگی، اس مرض کا لازمی نتیجہ بے عملی اور نظام کی کمزوری میں ظاہر ہوا۔ دانشمند خاں، نظیر احمد، عبدالوکیل، عبدالعزیز وغیرہ سالار معمولی ذاتی رنجشوں پر بگڑ بیٹھے، بزرگ شاہ ان "عیاشوں" کی مجلس کا صدر بنا رہا کئی سالار مثلاً کریم بخش، غلام حسن وغیرہ بے عمل ہو گئے، ایک دو سالاروں نے جن کا نام یاد نہیں رہا مشکوک رویّہ اختیار کیا اور حکومت کی خفیہ پولیس کو مدد دیتے رہے۔ بعض سالار جن کی ذاتی رنجشیں اُن کو چین نہ لینے دیتی تھیں ادارہ علیہؒ کو ایک دوسرے کے خلاف اپنی برتری جتلانے کے لئے لکھتے رہے، حکومت چونکہ سرحد کے خطوط کو جو میرے نام آتے تھے سنسر کرتی تھی، ان خطوط کو دیکھ دیکھ کر مسکراتی رہی اور مطمئن تھی کہ خاکسار لڑ رہے ہیں۔ بالآخر اُس نے خوب کمزوری کی حالت میں ان سب کو نوٹس دیئے کہ فلاں "قانون امنِ عامہ" کی فلاں دفعہ کے مطابق تحریک سے الگ ہو جاؤ۔ خاکساروں کی اس پریشان صف میں اس نوٹس سے کھلبلی مچ گئی، سالار دُم دبا کر اپنے اپنے سوراخوں میں گھُس گئے اور میدان صاف ہو گیا۔ حکومت خوش ہے کہ تیرہ سو پچاس

برس کے اسلام اور صرف اسیّ برس کی غلامی کے بعد، دُنیا کو فتح کرنے والا مسلمان اور سرحد کا پٹھان اِس قدر کمزور ہوگیا ہے کہ ایک کاغذ پر لکھے ہُوئے چار حرف اور انگلی کی ادنی سی حرکت اِس کے بنائے ہُوئے آشیانے کو تتر بتر کرنے کے لئے کافی ہے!

اِس وقت پشاور کی حالت قدرے بہتر ہے۔ بہُت سے سالار سمجھ رہے ہیں کہ برکت اتحاد اور اُخوّت میں ہے، ادارہ علیہ کو ایک دوسرے کے خلاف لکھنے میں کچھ فائدہ نہیں، اپنی ہنسی کرانا ہے، ادارہ اِن شکایات کو سُنکر ٹس سے مس نہیں ہوتا، وہ سب شکائیتں ہمارے نامۂ اعمال کو خراب کر رہی ہیں، جس دِن "لوٹ کی تقسیم" کا وقت آیا یہ سب ہمارے اپنے ہاتھ کے لکھے ہُوئے کاغذات ہمارے برخلاف گواہی دینگے، ہم پچھتائینگے کہ ہم نے یہ خطوط کیوں لکھے تھے! بہتر یہ ہے کہ تمام ذاتی کاوشوں کو چھوڑ دیا جائے، اِسلام میں کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا نہیں، بڑا صرف اِس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ نظام قائم رہے، جو "بڑا" مقرر ہوگیا ہے اس کا حکم ماننا سب سے بڑی نیکی اور سب سے بڑا اسلام ہے۔ جو بڑا بن کر پھر "چھوٹا" ہوگیا ہے اُس کی کچھ بے عزتی نہیں ہُوئی، وُہ "بڑا" اِسلام کی خاطر تھا اور اب "چھوٹا" اِسلام کی خاطر ہے۔ یہ "بڑائی" اور "چھُٹائی" دونوں فرضی ہیں اور اِس لئے اختیار کی گئی ہیں کہ نظام پیدا ہو کر قوم کو اصلی بڑائی ملے۔ جس دن اصلی بڑائی مِل گئی ادارہ کو اپنی نیکیاں جتلانے میں مضائقہ نہ ہوگا۔ ابھی پیشِ نظر صرف یہ ہے کہ سب "بڑے" اور "چھوٹے" جوں توں مِل مِلا کر خاکساروں کی کثرت اس قدر کر دیں کہ ہر دُشمن کے اوسان خطا ہو جائیں۔

پشاور میں حکومت سرحد نے خاکساروں پر یہ بندش عائد کی تھی کہ میونسپل کمیٹی کی حدود کے اندر بیک وقت ڈھائی سو سے زیادہ باوردی اور با بیلچہ خاکسار سپاہیانہ قواعد رات کے وقت نہ کریں۔

حکومت کے نزدیک طبعاً یہ تعداد ایک نہایت حقیر تعداد تھی اور وہ سمجھتی تھی کہ اس تعداد کے ہونے سے اُس کا تختہ اُلٹ نہیں سکتا۔ پشاور کے سالار اگر فی الحقیقت بیدار مغز ہوتے تو اسلامی غیرت اور پٹھانی ضد سے ہی اس تعداد کو پورا کر کے حکومت پر ثابت کر دیتے کہ پشاور کے اندر ڈھائی سو خاکسار کی بیک وقت سپاہیانہ قواعد کی "تیک گمانی" کا سامان صوبہ سرحد کے اندر آسانی سے موجود ہے۔ روزانہ نئے ڈھائی سو خاکساروں کی قواعد دکھلا کر تمام پشاور کو سپاہی بنا دیتے۔ حکومت کو معلوم ہو جاتا کہ ڈھائی سو خاکساروں کی شرط بڑی سخت شرط ہے کیونکہ دس ہزار خاکساروں میں سے صرف ڈھائی سو کو قواعد کرنے کی اجازت دی ہے۔ اب حکومت اس دھینگا مشتی کو جو ہوئی دیکھ کر سمجھتی ہے کہ تین سال کے اندر ایک رات کے لئے بھی ڈھائی سو خاکسار بھی قواعد کرتے نظر نہیں آئے۔ ہم نے بڑی نرم شرطیں کیں۔ مسلمان مٹ چکے ہیں اور ہمارا اندازہ غلط تھا کہ ڈھائی سو فوراً پیدا کر دیں گے۔ وہ تو اپنی بے سروسامانی میں سو سوا سو سے زیادہ خاکسار بھی بیک وقت پیدا نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک مسلمان ہرگز نہیں مٹے۔ آج اگر ہمارے پشاور کے سالار یک جان و یک زبان ہو جائیں تو آج پشاور میں خاکساروں کی تعداد دس ہزار ہو سکتی ہے۔ حکومت سے مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ ڈھائی سو کی تعداد کو بڑھا کر پانچسو کر دے تاکہ سب کو کم از کم بیس دن میں ایک دفعہ قواعد کرنے کا موقعہ ملے۔

اسی راولپنڈی کیمپ کے اعلان کے دوران میں پشاور کے سالاروں کے متعلق مجھے ایک اور حیرت انگیز انکشاف ہوا ہے جس کی مثال خاکسار تحریک میں اور کہیں نہ تھی۔ پشاور سے پچھلے کئی دنوں سے پہلی آواز اٹھی ہے کہ "عالم" سالار "عامل سردار" سے بہتر ہے، "پڑھا ہوا" "اَن پڑھ" سے بہتر

ہے دولتمند غریب سے افضل ہے، خاکسار تحریک کی بڑی فضیلت میرے نزدیک یہ ہے کہ اُس نے چند برس کے اندر بڑے اور چھوٹے، امیر اور غریب، عالم اور جاہل کے تفرقے کو عملاً مٹا دیا ہے۔ اسی فضیلت کو پشاور کے بعض نکتہ نافہم لوگ مجھے خط لکھ لکھ کر مٹانا چاہتے ہیں۔ قریب تین برس ہوئے محترم عبدالرحمن قریشی جواب امرتسر کے سالارِ اکبر اور "صاحب نشان" ہیں† مجھے ملے اور امرتسر میں خاکسار تحریک کو چلانے کی اجازت چاہی۔ اُس وقت اُن کی عمر سولہ برس ہوگی اور آٹھویں جماعت کے طالب علم تھے۔ میں ان سے ناواقف تھا اور اس نوجوان کی جرأت دیکھ کر حیرت زدہ ہوگیا۔ میں نے پہلے دن پس و پیش کی اور اُن کو ٹال دیا۔ وُہ اگلے دن پھر آئے اور باصرار کہا کہ ان کو اجازت دی جائے۔ میں نے ان کے ماتھے پر عمل کا نُور دیکھ کر اجازت دے دی اور معاً خیال آیا کہ اگر محمد بن قاسم سترہ سال کی عمر میں سندھ کو فتح کر سکتا تھا تو کیا وجہ ہے کہ عبدالرحمن امرتسر کو فتح نہ کرے۔ اس تقرری کو مسعود احمد بی۔ ایس۔ سی سالارِ اکبر لاہور نے ناپسند کیا اور حقارت آمیز لہجے میں کہا کہ "یہ بچہ" کیا کریگا۔ مجھے مردم شناسی نہیں آتی" میں نے پھر محمد بن قاسم کی مثال دی اور اپنی بات پر اڑا رہا۔ آج اس "بچے" نے اپنے زورِ عمل سے، اپنی نکتہ شناسی اور تحریک کی رُوح کو سمجھنے سے، اپنی کامل اطاعت اور سچی دُوربینی سے، اپنے بے مثال تدبر اور معاملہ فہمی سے، اپنے حیرت انگیز طاقتِ نظم و نسق سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مسلمانوں کی شکستہ قوم کی ریت میں ابھی رہنماؤں کے جواہر ریزے باقی ہیں۔ محترم حافظ محمد اسلم جیراجپوری، مشہور مفسر قرآن نے بھی اس سالار کے برجستہ عمل کو دیکھ کر اس کو محمد بن قاسم سے تشبیہ دی ہے۔ اجتماعِ دہلی کے موقعہ پر عین اُس وقت جب کہ اسلامی بادشاہوں کی غائبانہ سلامی کا عظیم الشان مظاہرہ سُرخ عَلَم کے سائے اور تلوار سے زیادہ روشن

† یہ ایک خطاب ہے جو ادارۂ علیہ کی طرف سے خاکسار تحریک کے عمدہ کارکن کو ملتا ہے۔

بلبلوں کی چمک میں ہو رہا تھا، کئی سو شہر اور باہر کے بڑے بڑے ممتاز اصحاب کرسیوں پر بطور مہمان بیٹھے تھے، اور کم از کم تیس ہزار آدمیوں کا مجمع طبیہ کالج کی گراؤنڈ کے گرداگرد دُور کھڑا اس منظر کو دم بخود دیکھ رہا تھا مجھ سے یہ غلطی سرزد ہوئی کہ میں بلا اجازت† خاکسار سپاہیوں کی قطاریں آکر کچھ پوچھنے لگا اور پوچھتے پوچھتے اور باتوں میں مصروف ہو گیا۔ کمان اُس وقت عبدالرحمٰن کے ہاتھ میں تھی اور نظارہ نہایت لرزہ خیز تھا یہی وہ عبدالرحمٰن تھا جس نے مجھے اُس روز میری غلطی پر اس مجمع میں دُرّے لگانے کی جراُت کی۔ میں فوراً دُرّے کھا کر صف سے پیچھے ہٹ گیا اور خاموش اپنی کرسی پہ آبیٹھا۔ دو خاکسار سپاہی مجھے دُرّے کھاتے دیکھ کر قطاریں کھڑے بیہوش ہو کر گر گئے، اُن کو سٹریچروں پر لٹا کر ہسپتال پہنچایا گیا اور کئی گھنٹوں کے بعد ہوش آیا۔ کیا ان اوصاف کے عبدالرحمٰن کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ وُہ عنایت اللہ سے کم درجے کا شخص ہے کیونکہ ابھی صرف اُس نے دس جماعتیں پاس کی ہیں اور عُمر میں عنایت اللہ سے چھوٹا ہے۔

کیا علم الدین شہید، عبدالقیوم شہید، عبدالرشید شہید سے جنہیں آج زبانِ خلق بیک آواز غازی کہہ کر پکارتی ہے، جنھوں نے ناموسِ رسولؐ پر اپنی زندگیاں پروانہ وار قربان کر کے ہمیشہ کے لئے تمام مسلمان قوم کو خود دار ثابت کر دیا، ہم آج اس لئے نفرت کریں کہ یہ لوگ اَن پڑھ تھے، غریب باپوں کے بیٹے تھے، پُوری پانچ نمازیں نہ پڑھتے تھے "نامناسب اخلاق" کے مالک تھے، یہ تھے، وُہ تھے، نہیں حدیث شریف میں لکھا ہے۔ کہ نیکیاں برائیوں کو ملیا میٹ کر دیتی ہیں، اس لئے ان شہدائے اسلام کی ایک جانبازی کے عوض ان کی تمام برائیاں، نہیں اُمّتِ اسلام کی شرمندہ کر دینے والی برائیاں مِٹ گئیں۔ ان میں سے ایک ایک بے شک خدا، رسول، اسلام

† اس وقت تمام قطاریں "بآرام" کی حالت میں تھیں اور بجے "اجازت" کی از روئے قواعد ضرورت بھی نہ تھی۔

اور اُمتِ اسلام کی نگاہوں میں اُن ہزار در ہزار عمامہ پوش مولویوں اور "نماز گذار" اور پرہیزگار جُبّہ پوش علماؤں سے کروڑ گنا افضل ہے جو تمام عمر رسُول کے نام کو انگوٹھوں پر رکھ کر چُومتے رہے جن کی نمازوں اور تسبیحوں میں دِن رات یہ دعوے تھے کہ وُہ خدا اور رسُول کے نام لیوا ہیں، اُس کے سچے اُمتی ہیں، اللہ سے ڈرنے والے ہیں، جن کا ادّعا تھا کہ وُہ اُمت کی کشتی کے سچے رہنما ہیں۔ غازی علم الدین ایک چھوٹی سی غریب اور حقیر جان کو اسلام کی راہ میں قربان کر کے ساٹھ کروڑ اُمت کی غیرت کو بچا گیا اور یہ ہزاروں "عالم" تمام عمر کی تسبیح گردانیوں، نماز گذاریوں، گوشہ نشینیوں اور فریب کاریوں کے باوجود کچھ نہ کر سکے!

غرض یہ ہے کہ ادارہ علیّہ کے نزدیک، نہیں اسلام کے اندر، عالم، جاہل، امیر غریب، چھوٹے بڑے، مولوی غیر مولوی سب برابر ہیں۔ فضیلت اُس کو ہے جس کا عمل سب سے زیادہ ہے، بزرگی اُس کو ہے جو خدا سے ڈرتا ہے، اُس کے بے پناہ اور اٹل قانون کو دیکھ کر سب سے زیادہ عامل ہے، باتیں کرنے والوں، نام جپنے والوں، قرآن کی آیتوں کو پڑھ کر بال کی کھال نکالنے والے نکتہ شناسوں کی فضیلت ہمارے ہاں بلکہ کسی کے ہاں کچھ نہیں۔ اس وقت پشاور میں ہمارا سردار عبدالعزیز سرسالار ہے۔ جب تک سالار مذکور عمل کے میدان میں عمدہ کام کر رہا ہے کوئی نگاہ اُس کو نفرت سے نہیں دیکھ سکتی!

اگلے مقالہ اِفتتاحیہ میں مَیں علاولپور، سلوہ اور لاہور کے سالاروں کی بُرائیاں ذکر کرونگا۔

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

انقلاب کے نازک لمحات

اسلامی تنظیم اور اصلاح کا نادر موقع

مطبوعہ "الاصلاح"

۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء ـــــ مطابق ـــــ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ

ادارۂ الاصلاح نے فرمائش کی ہے کہ محرّم کے موقع پر میں بھی کچھ لکھوں عید ہو یا محرّم میرا پیغام مسلمانوں کی طرف ایک ہی ہے کہ اے مسلمانو تمہاری غلامی کو کئی قرن گزر چکے ۔ غلامی اور اسلام ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ غلامی سے نکلنے کی کئی نامراد اور پھسپھسی تدبیریں تمہارے چارہ فرماؤں نے پچھلے پچاس برس میں کیں ، کئی ہنگامے پیدا کئے ، شعلۂ خس سے زیادہ ان ہنگاموں کو فروغ نہ ہوا ، کئی عظیم الشان مقاصد تمہارے سامنے رکھ کر تم کو بھڑکایا گیا مگر کامیابی کا زیتون تمہارے چراغ میں نہ تھا اسلئے کچھ نہ بنا اب صرف تمہارے دیئے کی بتّی جل رہی ہے اور ڈر ہے کہ اس چراغ کے جلنے کا سامان ہمیشہ کے لئے ختم نہ ہو جائے۔ اس بنا پر اب بڑے بڑے مقصدوں کو حاصل کرنے اور انگریزوں کو ہندوستان سے پھونکیں مار مار کر نکال دینے کے خواب دیکھنے کی بجائے بے مقصد تنظیم پیدا کرو۔ خاکسار تحریک میں شامل ہو جاؤ ، تنظیم اور اتحاد ہی کو کچھ دیر تک

اپنا "مقصد" سمجھ لو۔ آپس میں محبّت اور ایک آواز پر عمل کرنے کو ہی اپنی "غرض" سمجھو۔ اسلام کے معنے صرف مطیع ہونا ہے۔ اسی اطاعت و فرمانبرداری کو سر دست "غرض و مقصد" بنا لو دہلی کے بانکوں کی طرح اپنی انجمنوں اور تحریکوں کے شاندار نام رکھنے اور سنسنی پیدا کرنے والے اغراض و مقاصد پیش کرنے کے بغیر تمہیں کوئی تحریک پسند نہیں آتی کیا آٹھ کروڑ مسلمانوں کا فرمانبردار ہو جانا کچھ کم شاندار مقصد ہے کیا کسی قوم میں اخوت اور محبّت کا قائم ہو جانا کم سنسنی پیدا کر سکتا ہے، کیا آٹھ کروڑ میں سے آٹھ لاکھ ہی کا سپاہی بن جانا چھوٹی سی غرض ہے؟ کیا "خاکسار" نام رکھ کر "شاہسوار" بننے کی تیاری کرنا کچھ کم شاندار شئے ہے؟ تمھاری "فوجیں" اور تمہارے کرایہ کے والنٹئر آئے دن کسی "غرض" کو سامنے رکھ کر ایک رات کے اندر اندر بن جاتے ہیں اور جب غرض حاصل نہ ہوئی اور دشمن سے شکست کھائی تتر بتر ہو جاتے ہیں کیا "بے غرض" اور بے مقصد سپاہیوں کی ایک ہمیشہ کی فوج بنانا کچھ "کم غرض و مقصد" ہے! جس شخص کو کسی خاص غرض کے لئے سپاہی بناؤ گے وہ صرف اسی غرض کو سامنے رکھ کر اپنی خدمات پیش کریگا لیکن سپاہی کو سپاہی بننے کی غرض پیش کرنا اس کو ہر غرض اور ہر مقصد کے لئے تیار کرنا ہے ایسا سپاہی ہر دم تیار رہیگا۔ ایک شکست کھانے کے بعد دوسرے حملے کے لئے تیار ہو گا۔ ایک فتح کے بعد دوسری فتح کی طرف خود بخود رخ کریگا کیا اسلام میں سپاہیانہ زندگی کو اپنی زندگی کی غرض و غایت بنا لینا تمہاری پچھلی شاندار روایات کی تاریخ کے خلاف ہے؟

میں تمہیں کہتا ہوں غرض چھوڑ دو، بے غرض اور بے مقصد بن جاؤ۔ غرض صرف سپاہیانہ زندگی رکھو، غرض صرف ایک آواز کی اطاعت اور اتحاد رکھو، کسی سے مت پوچھو کہ خاکسار

تحریک میں اطاعت اور اتحاد کس غرض و مطلب کے لئے ہے، ایسا سوال تمہاری سُخن فہمی، تمہاری نکتہ شناسی، تمہاری عظیم الشان سیاست، تمہاری شاندار تاریخ کی روایات کے خلاف ہے۔ اِسلام اِتّحاد اور اطاعت کا دوسرا نام ہے۔ یہ اطاعت اور اتّحاد ہی تمہارا تیرہ سو برس کا مذہب ہے، اِس کو مذہب سمجھ کر اپنے آپ کو ایک لڑی میں پروئے جاؤ اپنے اپنے عقیدوں پر مضبوطی سے قائم رہو سب مسلمان ہو تو ایک ہو اور نیک ہو، سب فرقوں کی عزّت کرو، سب رہنماؤں کا احترام کرو، دُشمن تم سب کو صِرف مسلمان سمجھتا ہے اور حملہ کے وقت صِرف مسلمانوں پر حملہ کرتا ہے۔ اِس لئے اُس کی خاطر اور اُس کے سامنے صِرف مسلمان بنے رہو۔ جس دن اطاعت اور اتّحاد پیدا ہوگیا تمہاری تاریخ کا نیا ورق خود بخود کھُل جائیگا، تمہیں "غرض و مطلب" خود بخود معلوم ہو جائیگا، نہیں تمہاری سیاست خود بخود پیدا ہو جائیگی۔ سیاست قوّت کا دُوسرا نام ہے جب قوّت نہیں تو تمہاری سیاست مجذُوب کی بڑ ہے!

خاکسار تحریک یہ ہے کہ محلّہ وار جماعتیں پیدا کرو۔ دس آدمیوں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے حکم ماننے کا سلیقہ سکھاؤ، اُن کو پابندیٔ وقت کا درس دو۔ خود اُس محلّے کے سردار بنو، اُن میں آواز پر جمع ہو جانے کی حِس پیدا کرو، اِن کو جب بُلاؤ بُلانے کی غرض نہ بتاؤ اور جمع ہو جانے پر جو غرض مناسب سمجھو سامنے رکھدو، اُن کو بلاؤ تاکہ بُلانے پر جمع ہو جانے کو ہی اِسلام سمجھیں۔ رسُولِ خُدا صلعم نے اِسلام کی تعریف اِنَّمَا هُوَ السَّمْعُ وَالطَّاعَة کی تھی یعنی اسلام صِرف حکم کو سُننا اور اُس کی تعمیل کرنا ہے اِس لئے مسلمان میں پھر یہ خیال پیدا کرو کہ جمع ہو کر ہر مقصد کے لئے تیار ہو جانا اسلام ہے، جمع ہو کر صرف مارچ کرنا بھی اِسلام ہے کیونکہ فوجی طاقت پیدا

ہوتی ہے، سالار کے کہے پر صرف اکٹھے ہو جانا اور پھر کچھ نہ کرنا اسلام ہے کیونکہ قوت کا اندازہ لگتا ہے، سردار کے حکم پر دس قدم چلنا بھی اسلام ہے، آسمان کے نیچے فرشِ زمین پر سونا بھی اسلام ہے، سردی کا مقابلہ کر کے ایک آواز پر اکٹھے ہو جانا اسلام ہے، گرمی کی تپش میں میلوں مارچ کرنا اسلام ہے، ماں باپ، بھائی بہن، زن و فرزند، جاہ و دولت سب کی محبتوں کو چھوڑ اور سب بُتوں کو توڑ کر بے غرض اکٹھے ہو جانا اسلام ہے، برسوں اور مہینوں تک صرف ایک ہی حکم مانتے رہنا اور برابر مارچ کرتے رہنا بھی اسلام ہے، یہ سب اس لئے کہ یہ سب عمل قوم کو طاقت ور کرتے ہیں، اس میں جنگی قوت پیدا کرتے ہیں! اسلام کا پیشوا کہہ گیا ہے کہ "جہاد کی ایک رات ستر برس کے نماز روزے سے" افضل "ہے"، مسلمان ایک دوسرے کو مضبوط کرتا ہے"، "اللہ کی فوج دُنیا میں غالب ہے"، وغیرہ وغیرہ۔ یہ وقت میرے نزدیک چند در چند وجوہ اور اتفاقاتِ حسنہ کے باعث ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے خاص طور پر سنبھل جانے اور اجتماعی طور پر اصلاح پذیر ہونے کا وقت ہے۔ اس وقت مسلمان کا پرانا اور زہر آلود تخیّل کہ خدا مسلمانوں کا ہر حال دوست ہے اور بہتری کے سامان خود بخود پیدا کر دیگا بدل چکا ہے، مسلمان سمجھ چکے ہیں کہ جب تک ہم اپنی حالت آپ نہ بدلیں گے خدا ہماری حالت نہ بدلیگا۔ اُدھر مسلمان رہنماؤں نے پچھلے پچاس برس میں اپنی اصلاح کے کئی نسخے آزمائے اور بیکار ثابت ہوئے، اب تخیّل یہ ہے کہ بے شمار انجمنوں، مجلسوں، جلسوں، جلوسوں، کانفرنسوں، لیگوں، لاتعداد لیڈروں اور واعظوں کا ہم میں ہونا ہمارے درد کی دوا نہیں۔ یہ انجمنیں اور یہ لیڈر صرف انتشار اور تفرقہ پیدا کر گئے ہیں اور قوم کو ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکے۔ آج مسلمان اور قوموں کی دیکھا دیکھی ایک

مرکزی نظام چاہتا ہے، سب لیڈر گردی کے خلاف ہے، سب قسم کی مذہبی اور سیاسی فرقہ بندیوں سے متنفر ہے، خود غرض رہنماؤں اور چندہ خور انجمنوں سے بھاگتا ہے، اخبارات اور تمام وسائلِ نشر و تبلیغ سے اُمیدوار ہے کہ سب ایک مرکز پر جمع ہو جائیں اور مِل کر قوم کی کشتی کو چلائیں۔ مسلمان پچھلے پچاس برس میں کئی ہنگامی تحریکوں میں شامل ہوئے۔ انہوں نے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ چندہ دیا، ہزاروں کی تعداد میں ہجرت کی، ہزاروں کانفرنسیں منعقد کیں، لاکھوں ریزولیوشن پاس کئے، ہزاروں قید ہو گئے، صدہا شہید ہوئے۔ اب عام تخیّل یہ ہے کہ یہ ہنگامی جوش بھی نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔ اب جوش کو سینوں میں قید رکھ کر مستقل اور نتیجہ خیز حرکت پیدا کرنا زیادہ مفید ہے۔ قوم میں صحیح حرکت یہ ہے کہ سب بے غرض ہوں، کوئی چندہ نہ ہو، قوم کی بڑھتی ہوئی طاقت آنکھوں کو دکھائی دے، تمام قوم کے افراد میں اصلاحِ نفس پیدا ہو، اتحاد کی بنا نفس کی درستی پر ہو، ہنگامے سے اور سطحی جوش دلا کر کچھ نہ کیا جائے۔

غدر کے مسلمانوں نے سرسیّد علیہ الرحمۃ کی سرکردگی میں انگریزوں سے "دوستی" پیدا کی تھی اور انتظار یہ تھا کہ شاید اسی طرح قوت کے آثار ظاہر ہوں۔ اب واضح ہو گیا ہے کہ یہ دوستی بے معنی تھی۔ انگریز کسی کے نہیں۔ حاکم اور محکوم کی دوستی مہمل شے ہے اور اس پر تکیہ کرنا ہوا پر تکیہ کرنا ہے۔ یہ تخیّل اب مِٹ چکا ہے اور انگریزوں کے پچھلے پچاس برس کے داخلی اور خارجی عمل نے مسلمانوں کو کم از کم انگریز شناس ضرور بنا دیا ہے۔

ادھر کانگریس کی ناکامی نے پچھلے چند برسوں سے مسلمان کی آنکھیں کھول دی ہیں کہ کانگریس کا آزادی حاصل کرنے کا زنانہ تخیّل قطعاً غلط ہے۔ عورتوں کی طرح چرخہ کاتنے، شور مچانے،

رُوٹھ جانے، بھُوک ہڑتال کرنے، کمرے کے اندر قید ہو جانے، آپ مار کھانے اور کسی کو نہ مارنے سے ستّر کروڑ آدمی مِل کر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ وُہی اسلامی فلسفہ "مرو اور مارو" دینِ فطرت ہے، اِس کے سوا کوئی فلسفہ قابلِ عمل نہیں۔

آج اِس تمام اِنقلاب کا لازمی نتیجہ خاکسار تحریک ہے۔ اِس کا منشا یہ ہے کہ ایک مرکز ہو، ایک آواز ہو، مساوات ہو، سپاہیانہ تنظیم ہو، کوئی چندہ نہ ہو، جو شخص جان حاضر کرے وہی اپنے آپ پر مال خرچ کرے، سب کارکن بے غرض ہوں، سب کا عقیدہ اپنا اپنا ہو، سب اپنی اپنی اصلاح کریں، سب سپاہی بنیں، اللہ کی راہ میں تکلیفیں سہنے کی مشق کریں۔ جو تکلیفیں سہیں بغیر اُجرت کے سہیں، سب کی آپس میں مُحبّت ہو، کوئی بڑا کوئی چھوٹا نہ ہو، کوئی پھُولوں کے ہار نہ ہوں، کوئی جوشیلی تقریریں نہ ہوں، کوئی ریزولیوشن نہ ہوں، کوئی عہدے نہ ہوں، کوئی دماغی عیاشی نہ ہو، صرف عمل ہو، جنگی اور فوجی عمل ہو، کسی ہمسایہ طاقت سے مخالفت نہ ہو، سب کی خدمت اور بے مزد خدمت ہو، رُوحانیّت کا ماحول ہو، دُنیا میں غالب ہونے کا نصبُ العین اور اِس نصب العین تک پہنچنے کے لئے عملی تیّاری ہو!

خاکسار تحریک پچھلے چار سال میں تمام ہندوستان میں مستقل طور پر پھیل رہی ہے۔ مسلمانوں کے لئے اپنی اِصلاح اور تنظیم کا نادر موقع ہے۔ ہندوستان کا کوئی بڑا شہر قصبہ اور قریہ اس کے عاملین یا معاونین سے خالی نہیں۔ آیندہ دس برس میں اندازہ ہے کہ ہر چھوٹے اور بڑے شہر میں ہزارہا اِسلام کے جانباز سپاہی صرف سپاہیانہ تنظیم کو اپنا مقصد سمجھ کر اِسلام کی خاطر ہر مقصد کی حمایت کے لئے تیار ہوں گے۔ اِس وقت پیشِ نظر صرف یہ ہے کہ تکلیف اُٹھانے والے، اللہ کی راہ

میں جان و مال دینے والے لوگ ایک لڑی میں پرو دیئے جائیں، لڑی میں پرو دیا جانا ہی مذہب اسلام سمجھا جائے۔ مسلمانوں میں پھر کئی سو برس کے بعد خیال کا یہ انقلاب پیدا کر دیا جائے کہ جمع ہو جانا اسلام ہے، آپس میں بھائی بھائی ہونا اسلام ہے، سپاہی ہونا اسلام ہے، برسوں تک سپاہیانہ تکلیفیں بغیر کسی مقصد حاصل کرنے کے اٹھانا بھی اسلام ہے۔

اس تحریک کا ایک نہایت عظیم الشان مرکزی کیمپ جس نے مخالفوں کے چہرے سیاہ کر دیئے تھے پچھلے دسمبر میں دہلی میں ہوا تھا۔ اس کیمپ کے اندر وہ سیاسی طاقت موجود تھی جو مسلمانوں کی پچھلے پچاس برس کی دس ہزار بنائی ہوئی انجمنوں میں نہ تھی۔ اس میں بیس بیس لاکھ روپے کی جائیدادوں والے مسلمانوں سے لے کر چار آنہ روزانہ کمانے والے مزدور تک سب ایک قطار میں شامل تھے، سب بیلچہ اٹھائے ہوئے تھے، سب زمین پر سوتے تھے، سب خدا کی طرف تکنے والے تھے۔ اب کے سال کے اخیر میں ایک مرکزی کیمپ پچاس ہزار خاکساروں کا پھر دہلی میں ہوگا† اور چھ مقامی کیمپ‡ مختلف صوبوں میں ہونگے۔ اب ۱۰، ۱۱، ۱۲ اپریل کو شہر راولپنڈی میں صوبہ سرحد اور گردونواح کے خاکسار سپاہیوں کا ایک عظیم الشان کیمپ محترم عبدالعزیز سرکردگی میں ہو رہا ہے۔ میں سب قریب کے مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ اس کیمپ میں خاکی قمیص اور خاکی پاجامہ پہن کر شامل ہوں اور اپنی آنکھ سے دیکھیں کہ ایک پیسہ چندہ لئے بغیر قوم کیا بن رہی ہے!

۳۰ مارچ ۱۹۳۶ء

عنایت اللہ خان المشرقی

† اس کیمپ کی بجائے ہندوستان کے تمام جانبازوں اور افسران بالا کا ایک کیمپ ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۳۷ء کو دہلی میں ہونے والا ہے۔
‡ چھ کی بجائے کم از کم ایک سو مقامی کیمپ ۱۹۳۶ء میں ہوئے۔

مقالہ افتتاحیہ

مسلمانوں کی تنظیم اور اصلاح کا بے نظیر موقع ہے

"مطبوعہ الاصلاح"

۱۵ مئی ۱۹۳۶ء مطابق ۲۴ صفر ۱۳۵۵ھ

۱۹۳۲ء میں روزنامہ "جمہور" لاہور نے ۸ مئی کی اشاعت میں علامہ مشرقی کا ایک بصیرت افروز مکتوب اصلاح و تنظیم کے متعلق شائع کیا تھا۔ چار سال کی مدت کے بعد آج اسی خط کو اسی عنوان کے ساتھ "الاصلاح" میں بطور مقالہ افتتاحیہ درج کیا جاتا ہے۔ ناظرین اندازہ لگائیں کہ علامہ مشرقی کی کئی سال پہلے کی تحریر آج کیسی صحیح اور درست ثابت ہو رہی ہے اور آج تک خان مشرقی بدستور اپنے قول پر قائم ہے۔ "مدیر عربی الاصلاح"

علامہ عنایت اللہ خان مشرقی کا بصیرت افروز مکتوب

میرے نزدیک چند در چند وجوہ اور اتفاقاتِ حسنہ کے باعث یہ وقت ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے خاص طور پر سنبھل جانے اور اجتماعی طور پر اصلاح پذیر ہونے کا وقت ہے۔ گزشتہ نصف صدی سے ملکی، خارجی، سیاسی، مذہبی اور اجتماعی انقلابات نے مسلمانوں کی ذہنیت اس خوشگوار طریقہ پر بدل دی ہے کہ اب وہ عملی اصلاح کو نہ صرف قوم بلکہ اپنے نفس کے لئے ضروری سمجھنا ہے۔ مسلمانوں کا کسی زمانے میں یہ خیال کہ "خدا اُن کا بہرحال دوست ہے اور بہتری کے سب سامان اِن کے لئے خود پیدا کر دیگا" دس برس سے مسلسل بدل رہا ہے۔ عام مسلمانوں کا مذہبی کبر و غرور کہ ہم باوجود ہزار در ہزار درماندگیوں اور کمزوریوں کے "خیر امّت" ہیں اور دنیاوی بہتری کے سامان خود بخود عنقریب پیدا ہو کر رہیں گے، اکثر ٹوٹ چکا ہے۔ امّت کے افراد میں یہ رعونت کہ

دُنیاوی زبون حالی کے باوجود ہم اچھے ہیں اور مسلمانوں میں کسی نقص کا اقرار گویا اسلام میں نقص کا اقرار ہے اکثر بے بنیاد ثابت ہوئی ہے۔ آج اوسط مسلمان کے دل میں جو خیال جاگزیں ہو رہا ہے یہ ہے کہ اس کائنات میں بہتری کی بنیاد سعی و عمل پر ہے۔ خدا کسی خاص قوم کا دوست نہیں وہ صرف اُنہیں کا ہے جو کوشش کر رہے ہیں۔ دُنیاوی انعام اُنہیں کو یقیناً ملتے ہیں۔ بلکہ کیا عجب ہے کہ (العیاذ باللہ) آخرت بھی اُنہیں کی دُرست ہو۔ جب ہمارے متعلق خُدا کا سلوک اِس دُنیا میں یہ ہے تو خُدا کے اِس سلوک کو آخر کار بدل دینے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ خُدا اُسی وقت بدلے گا جب ہم اپنی حالت آپ بدلنے کی سعی کریں۔

خیالات میں تبدیلی

یہ وُہ تغیّر ہے جو مسلمانوں کے ہر طبقے میں قطعاً پیدا ہو چکا ہے اور نہایت مُبارک تغیّر ہے اِن خیالات میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ مُسلمانوں نے پچھلے پچاس برس میں اپنی اصلاح کے کئی نسخے آزمائے لیکن اِن آزمائشوں کے دَوران میں جو تبدیلی عالمِ خیال میں واقع ہوئی ہے وہ بھی نہایت نتیجہ خیز ہے۔ اوسط مسلمان آج نامحسُوس طور پر اِس بات پہ قائم ہو رہا ہے کہ بے شمار انجمنوں، مجلسوں، جلسوں، جلوسوں، کانفرنسوں، لیگوں، یا لاتعداد لیڈروں، واعظوں، خادموں، داعیوں وغیرہ وغیرہ کا علیحدہ علیحدہ ہم میں ہونا ہمارے دَرد کی اصلی دوا نہیں۔ یہ انجمنیں اور یہ لیڈر اپنے اپنے خلوص اور سعی و عمل کے باوجود بحیثیتِ مجموعی صرف اِنتشار پیدا کر گئے ہیں اور قوم کا بہت سا وقت اور اِس کی بے مثال طاقتیں ایک نقطۂ نظر سے اِسطرح ضائع ہو رہی ہیں۔

مرکزی نظام کی اشد ضرورت

مسلمان اِس سے پہلے کبھی غلام نہ ہُوئے تھے۔ غلامی کی حالت میں ہندوؤں سے (جو غلامی میں خوشحال بننا پہلے سے سیکھے ہُوئے تھے) مقابلہ آن پڑا۔ اس غیر مساوی جدّوجہد میں مسلمان پر اب بالآخر یہ واضح ہوگیا ہے کہ غلام قوم میں بھی مرکزی نظام کا ہونا اشد ضروری ہے۔ مسلمانوں نے ایسے نظام بنانے کی پھُسپھُسی اور بیکار کوششیں بھی کچھ مُدّت ہوئی کیں لیکن ان تمام تجربوں کے بعد آج اوسط مسلمان اِس بات پر جم رہا ہے کہ قوم میں ایک آواز کا ہونا ازبس ضرُوری ہے۔ اُس کا ایک مرکز ہونا ضروری ہے۔ اُس کا ایک نظام، ایک حاکمِ ناطق، ایک امیر ہونا ضروری ہے۔ امیر، مرکز، آواز اور اتّحاد کے بدوں کوئی قوم طاقتور بن نہیں سکتی اور مسلمانوں کو جلد سے جلد یہ صوُرت پیدا کردینی چاہیئے۔

اخبارات کی فرض ناشناسی

مسلمانوں کے اخبارات اوّل اوّل اصلاحی رنگ میں ظاہر ہُوئے تھے۔ اُن کے مدیر اکثر مصلح اور ریفارمر تھے۔ اصلاحی رنگ کے بعد شدہ شدہ سیاسی بلکہ تجارتی رنگ پیدا ہُوا اور مسلمانوں میں ان اخبارات کی کشاکش کے باعث مذہبی فرقوں کے عِلاوہ سیاسی فرقے پیدا ہوگئے۔ ایک دوسرے سے ناحق اُلجھنا، اُمّت کے مرثیے لکھنا، قوم کی فرضی کمزوریاں ظاہر کرتے کرتے اس کو اور کمزور کرنا، کسی نہ کسی شخص کی پگڑی اُچھالتے رہنا ہر اخبار کا طُغرائے امتیاز ہوگیا۔ اِس مہلک اور

مسلسل تعلیم نے قوم کا مذاق اور اخلاق دردناک طور پر بگاڑ دیا۔ لیڈری صرف ایک دکانداری رہ گئی۔ اشتہاری دوافروشوں کی طرح سب رہ نما اپنے اپنے اشتہار میں مصروف رہے۔ آج اِس تخریبِ نفس اور ناروا حرکت کا ردِّعمل یہ ہے کہ اوسط مسلمان ایسے اخباروں سے طبعاً بیزار ہوتا گیا ہے۔ وہ آج اصلاح اور تعمیر چاہتا ہے۔ فساد، شکست اور تخریب نہیں چاہتا۔ عالمِ خیال میں یہ تبدیلی ایک نہایت مبارک تبدیلی ہے اور اس کے نتائج بالکل واضح ہیں۔

مسلمانوں میں حیاتِ تازہ

الغرض قوم کی نفسیات کا صحیح مطالعہ اِس وقت یہ ہے :۔

اوّل۔ سعی وعمل کی طرف عام رغبت اور عام بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ خُدا کے چہیتے ہونے کا تخیل اکثر دُور ہو چکا ہے۔ انجمنوں اور خادمانِ قوم سے جو علیحدہ علیحدہ کام کر رہے ہیں عام مایوسی ہے۔ ایک مرکز، ایک آواز اور ایک نظام کی عام خواہش ہے۔ مذہبی اور سیاسی فرقہ بندیوں کے باعث جو انتشار قوم میں ہے اُس کا عام افسوس ہے۔ مُلّاؤں کی قدر و قیمت اور کم نظر مولویوں کے وعظ کا وُہ اثر جو پہلے تھا اکثر نہیں رہا۔ یہ تخیّل کہ مُسلمان کی دُنیا بھی درست ہونی چاہیئے، عام طور پر مانا جا چکا ہے۔

دوئم: مسلمانوں نے ہندوؤں سے تقابل کے بعد دیکھ لیا ہے کہ خود طاقتور ہونا ازبس ضروری ہے۔ وہ ہندوؤں سے ایک مُدّت تک تعاون کر کے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کمزور اور طاقتور کا جوڑ مشکل ہے بلکہ کوئی تعاون دیرپا نہیں رہ سکتا جبتک کہ دونوں طرف صحیح زور نہ ہو۔

اصلاحِ نفس

سوئم:۔ مسلمان پے در پے کئی ہنگامی تحریکوں میں شامل ہوئے۔ اُنہوں نے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ چندہ دیا۔ ہزاروں کی تعداد میں ہجرت کر گئے۔ ہزاروں کانفرنسیں منعقد کیں۔ لاکھوں ریزولیوشن پاس کئے۔ ہزاروں قید ہوگئے۔ صدہا شہید ہوگئے۔ اب عام تخیّل یہ ہے کہ یہ ہنگامی جوش بھی کچھ بہت نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔ جوش کو سینوں میں قید رکھ کر مستقل اور نتیجہ خیز حرکت پیدا کرنا زیادہ مفید ہے۔ فتحمند اور غالب قوموں کے کیریکٹر کو اپنے اندر پیدا کرنا اور اصلاحِ نفس کی طرف متوجہ ہونا زیادہ مفید ہے۔ جب دائمی اتحاد اور دائمی طاقت پیدا ہو جائے گی۔ نتائج لامحالہ مستقل اور دیرپا ہوں گے۔

انگریزوں سے دوستی کا نتیجہ

چہارم:۔ غدر کے بعد مسلمانوں نے انگریزوں سے "دوستی" پیدا کی تھی، اور انتظار یہ تھی کہ شاید اسی طرح یہ بیل منڈھے چڑھے۔ اب واضح ہوگیا ہے کہ یہ "دوستی" بے معنی تھی۔ انگریز کسی کے نہیں۔ حاکم محکوم کی "دوستی" مہمل شئے ہے۔ انگریزوں کو یہ یاد نہیں کہ اُنہوں نے ہندوستان کن سے لیا تھا، اور یہ لوگ کیونکر کئی سو برس تک ایسی تکلیف دہ حکومت کرنے میں کامیاب رہے۔ سرسیّد علیہ الرحمۃ کا پھیلایا ہوا تخیّل کہ گورے چٹّے انگریز مسلمانوں کے دوست بلکہ اُن کی رہی سہی سلطنتوں کے "محافظ" ہیں، آج مٹ چکا ہے اور انگریزوں کے پچھلے پچاس برس کے داخلی اور خارجی عمل نے

مسلمانوں کو کم از کم انگریز شناس بنا دیا ہے۔

کانگرس کے انتقامی حربے

متذکرہ صدر امور کے علاوہ جو بات اس وقت مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے قابلِ لحاظ ہے، یہ ہے کہ کانگرس جو ہندوستان کی واحد مقتدر سیاسی جماعت ہے، اس وقت آزادی کی خواہش کے متعلق انتہائی کوشش کے آخری لمحوں سے گزر رہی ہے۔ مسٹر گاندھی نے آزادی کو حاصل کرنے کے لئے سول نافرمانی، پکٹنگ، ترکِ موالات، عدم تشدّد وغیرہ کے قدرے انوکھے اور ہندوانہ ذہنیت سے تر اور حربے ہندوستان کے سامنے پیش کئے تھے۔ ان کی تبلیغ کما حقّہٗ کی گئی۔ اور چونکہ یہ سب کے سب انتقامی حربے تھے، عوام میں سرعت سے پھیل گئے۔ ان تمام ہتھیاروں کی متفقہ طاقت سے بھی آزادی حاصل نہیں ہوئی، اور نہ آئندہ اُمید ہے کہ انگریز ان کے اشتعال سے اپنا بوریہ بستر اُٹھا لے جائینگے۔ بہر نوع کانگرس کی افسوسناک ناکامی سے مسلمان کے دل میں رفتہ رفتہ ایک نیا خیال جاگزیں ہو رہا ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے یہ ڈھنگ غلط ہیں۔ شیطانی جذبات کو مشتعل کر کے کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ادھر ہندوؤں اور مسلمانوں کی روز افزوں کشیدگی جو انہی انتقامی جذبات کو فروغ دینے کی وجہ سے ہے، اس خیال کو اور بھی مضبوط کر رہی ہے کہ آزادی کی گرانبہا نعمت کا اس نامکمل ہندو فلسفہ کے ذریعہ سے حاصل کرنا مشکل ہے۔

اسلامی فلسفہ

اسلامی فلسفہ لازوال، اٹل اور مکمّل ہے۔ اس کی بنیاد روحانیت، محبّت، بلاواسطہ عمل الٰہی حکومت

اور خوفِ خدا پر ہے اس لئے آزادی اور بادشاہت کا کوئی فلسفہ اس حکمت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ وجہ ہے کہ مسلمانوں کے دل اس روحانیت کی طرف پھر مائل ہو رہے ہیں۔ مہاتما گاندھی کی روائتی عظمت مسلمان کے دل سے محو ہو رہی ہے۔ ہوشمند مسلمان قرآنی تعلیم کی افضلیت کا پھر قائل ہو رہا ہے اور عجب نہیں کہ آئندہ چند برسوں میں پھر اس حکمت پر عمل پیرا ہو جائے۔ الغرض اس تمام ہنگامہ آرائی سے جو کانگرس نے پچھلے کئی سالوں سے کی ہے مسلمان کے دل میں یہ تغیر پیدا ہوا ہے کہ مہاتما گاندھی اُن کے مذہبی تو خیر، سیاسی رہنما بھی نہیں بن سکتے۔ بلکہ مجھے خوف ہے کہ مسلمانوں کا کانگرس کی آئندہ جدّوجہد میں من حیث الجماعت شامل ہونا اب قریب قریب ناممکن ہو گیا ہے۔

مایوسی کے بعد عزم

الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی ذہنیت اس وقت مائل بہ اصلاح ہے۔ پے در پے ناکامیوں اور تجربوں کے بُرے مگر حق بجانب سلوک نے مسلمان کے اندر اپنے آپ کو بہتر بنانے کی تیاریاں پیدا کر دی ہیں۔ ہنگامی مظاہروں سے جو اُس کی جماعت کو بالآخر اور بھی کمزور کر دیتے ہیں، وہ تھک چکا ہے۔ نتائج دیکھنے کے لئے اس کی آنکھیں ترس رہی ہیں۔ اسلام کی قرونِ اولیٰ والی تعلیم کی طرف جس نے اس کو ظفرمند کر دیا تھا، رغبت پیدا ہو چکی ہے۔ پچھلے تجربوں سے جو اُس نے خود کئے یا اور قوموں کے ذریعے سے اُس کے سامنے ہوئے وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ غلامی کی آہنی زنجیروں کا کاٹنا آتشبازی چلا کر نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ دنیاوی جہنم ہے جس کی بابت خدا نے مَا ھُمْ بِخَارِجِیْنَ مِنَ النَّارِ[*] کہا ہے۔ پس جب اس آگ سے نکلنا مشکل ہی

[*] یعنی وہ لوگ اس جہنم کی آگ سے نہ نکل سکیں گے۔

تو نکلنے کی ترکیب بھی دوسری ہونی چاہیئے۔ ملک اور سلطنت تو پہلے سے نکل گئے اب سر چھپانے کے مکان اور بکرا کمانے کی زمینیں بھی ہاتھوں سے جلد جلد نکل رہی ہیں۔ جب زمین کی وراثت کسی معنوں میں نہیں رہی تو لامحالہ اِس پوری آٹھ کروڑ قوم کو یہاں سے نکلنا پڑیگا۔ اُدھر "ہجرت" کا انجام مسلمان دیکھ چکا ہے اور سمجھتا ہے کہ ہندوستان سے باہر بھی اُس کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ اب مسلمان کے دل میں مایوسی نہیں بلکہ مُستعدی اور تیّاری ہے۔

خاکسار بننے کے لئے اپیل

مسلمانوں کی قلبی کیفیّت کا یہ وُہ صحیح خاکہ ہے جو مجھے پچھلے آٹھ برس کی مُدّت میں اُن بیس ہزار خطوط کی وساطت سے مِلا ہے جو تذکرہ کے ضمن میں پہنچتے رہے۔ اِس آمادگی اور تیّاری کی حالت میں ہوشمند مسلمانوں کے لئے سوچنے کا کھُلا موقع ہے۔ مَیں نے نزاکتِ وقت کو دیکھ کر بخوف وخطر اعلان کر دیا ہے کہ سب کے سب خاکسار بن جاؤ۔ اپنے اپنے علاقوں میں ایک ایک امیر کے ماتحت نمازِ مغرب سے دو گھنٹہ پہلے روزانہ اکٹّھا ہونے والی جماعت تیار کرو۔ اُس وقت خاکی لباس پہنو۔ آدھ گھنٹہ تک سپاہیانہ قواعد کرو کہ فاروقِ اعظم کا مسلمانوں کو پہلا سبق ہے۔ سپاہیوں کی طرح بیلچہ ہاتھوں میں پکڑو۔ کہ سرورِ کائنات نے خود اُٹھایا تھا۔ تمہارا غرور ٹوٹے گا۔ تو کچھ آگے بھی کر سکوگے۔ زنانہ شرم حوصلے سے اُتار کر پھینک دو۔ یہ خیال دُور کر دو کہ بڑا ہو کر اِس ذلیل ہتھیار کو کیوں اُٹھاؤں۔ شرم کو بالائے طاق رکھوگے تو مردِ میدان بن جاؤگے۔ تم میں مردانہ اخلاق پھر پیدا ہوگا۔ عزم اور عصبیّت پیدا ہوگی۔ بڑے اور چھوٹے ایک قطار میں کھڑے ہو کر ایک ہو جائینگے۔ قدموں کو

ہلا کر چلنے کے بعد تمہارے دِل خود بخود دِل جائینگے۔ سپاہیانہ قواعد کے بعد خدا کو پھر دلوں میں بسانے اور روحانیت کو اجتماعی طور پر پھر جلد از جلد پیدا کرنے کی غرض سے ایک گھنٹہ روزانہ خدا کی سب مخلوق کی خدمت کرو۔ انسان کی خدمت کرو۔ حیوان کی خدمت کرو۔ نباتات کی خدمت کرو۔ خدا ربّ العالمین ہے اُس کے عالم کی خدمت کرو۔ اکٹھے ہو کر خدمت کروگے تو روحانیت بجلی کی سُرعت سے پیدا ہوگی۔ فرداً فرداً یہ نتائج ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔ خدمتِ خلق کے بعد نمازِ مغرب یکجا پڑھ لو یعنی خدا کا کام کرنے کے بعد خُدا کا سلام بھی کرو۔ یہ خُدا کو بہت ہی پیارا لگیگا اور وُہ احکم الحاکمین جلدی راضی ہو جائیگا۔ ہم تم سے روپیہ کا چندہ نہیں لیتے۔ چوبیس گھنٹہ میں صرف دو گھنٹہ وقت کا روزانہ چندہ دو۔ روپیہ اگرچہ فضلِ خُدا بھی ہے مگر عام طور پر ایک پلیدی اور گندگی ہے جو روحانیت کو تباہ کر دیتی ہے۔ روپیہ کی ضرورت صرف اُس وقت ہوگی جب تم روحانیت میں شرابور ہو جاؤگے اور کوئی اہم کام درپیش ہوگا۔

پروگرام

خاکساروں کا پروگرام یہ ہے اور کئی برس کے خاموش غور و فکر کا نتیجہ ہے۔ اِس میں ہندوستانی مسلمان کی ہر مشکل کا حل موجود ہے اور اِس سے زیادہ نتیجہ خیز انقلاب انگیز اور آسان پروگرام میرے نزدیک ممکن نہیں۔ مذہبی رہنماؤں مولویوں اور علمائے دین سے میں کہونگا کہ اِس پروگرام پر کم از کم پانچ برس کے لئے مُتفق ہو جاؤ۔ اِس کی پیہم اشاعت اور تبلیغ اپنی مسجدوں میں اپنے منبروں پر، محلّوں اور شہروں میں کرو۔ اِس پر خود عمل کرو۔ اور عمل پیدا کراؤ۔ اِس میں کوئی ایسی بات نہیں جو

کسی مسلمان کے عقیدے کے خلاف ہو۔ اس میں کسی مسلمان کو مذہبی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کچھ مدت کے لئے اس کو نہ صرف چلنے دو۔ بلکہ آنکھیں میچکر اس کے موید بن جاؤ۔ اس میں کوئی بات ایسی ہرگز نہیں جو تمہارے مفاد کے خلاف ہو۔ خاکسار کی کسی شخص یا فرقہ کے ذاتی عقیدوں سے کچھ بحث نہیں۔

اسی طرح اسلامی انجمنوں یا مجلسوں اور اُن کے رہنماؤں سے میں کہونگا کہ مسلمان اس وقت ایک مرکزی نظام کے قیام کی طرف مائل ہے۔ اس سے بہتر وقت ایسے نظام کے پیدا کرنے کا اب تک نہیں آیا۔ اس لئے طاقت کو پیدا کرنے میں ہر ممکن سہولت بہم پہنچاؤ۔ خاکساروں کی حرکت کی کسی دوسری حرکت سے مخالفت نہیں اور اس کو فروغ دینے سے تمہیں اپنی ضرورتوں کے لئے بھی تیار سپاہی ملتے ہیں اس پروگرام پر عمل کرنے سے لامحالہ قوم میں عام مستعدی پیدا ہوگی۔ خاکسار جو کام بھی کرینگے اُس میں استقلال موجود ہوگا۔ اطاعت اور انقیاد کا جذبہ موجود ہوگا پس قوم میں اگر نظام قائم ہوگیا تو سب کو فائدہ ہے۔ خاکسار کو کسی دوسرے خاکسار کے سیاسی عقائد سے کوئی پرخاش نہیں۔ اس لئے اس حرکت کا کسی دوسری حرکت کے مقاصد میں تداخل نہیں۔

اخبار نویسوں کا فرض

اسلامی اخبارات اور رسائل قوم کو بہتر بنانے بلکہ اُس کی آئندہ قسمت کا فیصلہ کرنے میں بہت کچھ مدد دے سکتے ہیں اُن کے کارکنوں اور مدیروں سے کہونگا کہ نزاکت وقت کو پیش نظر

رکھو۔ اخبار کو محض تجارتی حیثیت سے مت چلاؤ، قوم کی نفسی کیفیت کو جو اُوپر پیش کی گئی ہے، سامنے رکھ کر قوم کی رہ نمائی کرو۔ تمہارے اخبار کے کالموں سے جو آواز نکلے صرف اتحاد کی آواز ہو۔ اتحادِ عمل کی آواز ہو، نظم و نسق کی آواز ہو، بے خطر تقدم اور باہمی تعاون کی آواز ہو۔ فرقہ بندی اور شر انگیزی کی تعلیم کو یکسر خیرباد کہہ دو۔ تمہارا اخبار کسی رہ نما یا حرکت کے خلاف نہ ہو، اپنے سب لیڈروں کی خوبیاں ظاہر کرو۔ اُن کی واماندگیوں سے چشم پوشی کرو اور اُن کو ایک دوسرے سے ٹکرا کر نئے سیاسی فرقے نہ پیدا کرو۔ قوم کی خوبیاں ظاہر کر کے دِلوں اور جگروں کے اندر نیا دورانِ خون پیدا کر دو۔ قوم کے مرثیے نہ پڑھو۔ قوم کو شاعر نہ بناؤ۔ کسی کی پگڑی نہ اُچھالو۔ کسی فرد پر ذاتی حملے نہ کرو۔ وُہ بات لکھو جس سے قوم مُضطرب ہو کر آگے بڑھے اور دُشمن مرعوب ہو کر جُھکے۔ اِس وقت بعض اتفاقاتِ نادرہ ایسے ہیں کہ قوم میں تمہاری مُتفقہ آواز سے یکجہتی پیدا ہو سکتی ہے، اِسلئے اِس موقعہ کو غنیمت سمجھو۔ قوم میں بالیدگی اور نمونہ کا جذبہ اِس وقت خوش قسمتی سے بارِ دِگر ظاہر ہُوا ہے۔ اِس جذبہ کو کُچل دو گے تو ایک ہزار برس تک شاید ایسے اتفاقات پھر پیدا نہ ہوں۔ یہ جذبہ کروڑوں روپیہ کی قربانیوں، کئی برس کے تجربوں، ہزاروں نفوس کی جانبازیوں، صدہا حادثوں، پیہم شکستوں، برسوں کی مایوسیوں، برسوں کے انتظاروں، حریف کی غلط کاریوں کے بعد پیدا ہُوا ہے۔ اِس لئے اِس سے فائدہ اُٹھا کر قوم کو ایک کر دو۔ سب کو خاکسار بننے کی تعلیم دو، قوم کے ایک ایک مُتنفس سے عمل کا حصّہ مانگو۔ اِن کو تیار سپاہی اور سچے مجاہد بنا دو۔ اِن میں استقلال کے جذبات پیدا کرو۔ اطاعت اور انقیاد کی تعلیم دو، رُوحانیت کی تعلیم دو۔ سب سے مسامحت اور رواداری اور اپنے نفس پر احتساب کی تعلیم دو، ہندو، مسلمان، انگریز، سِکھ، پارسی، عیسائی

الغرض کسی سے نفرت یا انتقام لینے کی تعلیم نہ دو۔ یاد رکھو کہ الٰہی حکومت دلوں پر قائم کرنے سے قوم طاقتور بن سکتی ہے۔ شیطانی جذبات بھڑکانے سے طاقت عمل کا کمزور ہوجانا اٹل ہے۔ ان انتقامی کارروائیوں کا حشر تم کانگرس تحریک میں دیکھ چکے ہو۔ گھر میں فساد پیدا ہوگیا اور باہر سے بھی کچھ نہ بنا۔

عامۃ المسلمین سے اپیل

مسلمانوں سے براہِ راست میں یہ کہونگا کہ نظام پیدا کرنے کی خواہش ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ صرف خواہش اور انتظار کرتے رہو، یا دوسروں کی طرف دیکھو کہ وُہ کیا کرتے ہیں۔ نظام آج پیدا ہوسکتا ہے اگر آج سے عمل شروع کردو۔ سب سے پہلے تمام فرقہ بندی کی بحثوں کو چھوڑ دو۔ مذہبی فرقہ بندی کی تمام تحریکوں سے الگ ہوجاؤ، سیاسی فرقہ بندی کی تمام اُلجھنوں سے اجتناب کرو، کسی لیڈر کو بُرا نہ کہو، کسی انجمن کے مخالف نہ بنو، اپنے اپنے عقیدے اپنے پاس رکھو، دوسرں کو اپنے فرقہ میں لانے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ سب فرقوں کی مشترک خاکساروں کی جماعت اپنے اپنے محلہ میں تیار کرو، اپنے علاقہ میں جسکی اسلامی آبادی قریباً دس ہزار ہونی چاہیئے، ایک سالار بناؤ۔ اس جماعت اور سالار کو مرکز سے وابستہ کرو۔ روزانہ دو گھنٹہ وقت نکالو، اور خاکساروں کے پروگرام پر حرف بحرف عمل کرو۔ یہ کروگے تو نظام پیدا ہوجائیگا۔ کچھ نہ کروگے تو کچھ نہیں ہوگا۔ قوم ایثار، استقلال، روزانہ عمل کرنے سے بنتی ہے، باتیں کرنے اور آہیں نکالنے سے نہیں بنتی۔ خاکساروں کی حرکت تم میں یگانگت، استقلال، روحانیت، آپس میں محبت، سپاہیانہ خاموشی اور مجاہدانہ رُوح پیدا کرنے کے لئے ہے۔ یہ خاصیتیں پیدا ہوگئیں تو مشین گنوں اور ہوائی جہازوں کے بغیر تمہاری فتح

ہے۔ تم میں کئی بےمثال لیڈر پیدا ہوئے ان میں ایک نہیں کئی ایسے ہیں جو مہاتما گاندھی سے بہتر قابلیت اور ایثار اُن سے بہتر دماغ اور اخلاقی جرأت رکھتے ہیں مگر تم نے اُن کو اس لئے قبول نہ کیا کہ تمہاری زمین درست نہیں پس روزانہ تکلیف اُٹھا کر، روزانہ سپاہیانہ قواعد کر کے، روزانہ خدمت خلق کر کے، روزانہ یکجا نماز پڑھ کر اپنے دلوں کی زمین درست کرو، سالار کی اطاعت کرتے رہو گے تو دلوں میں قبولیت کا مادہ پیدا ہوگا، دلوں کے مسام کھل جائینگے، شرح صدر ہوگا، سمع و اطاعت پیدا ہوگی۔ اتنی تکلیف اُٹھانے کے بغیر قلوب کی درستی محال ہے، رحمتِ ایزدی کا موسلا دھار مینہ برسنا محال ہے۔

تفرقہ پرداز اخبارات کا مطالعہ

اخباروں اور رسالوں کے متعلق میں کہونگا کہ اُن اخباروں کو یکسر خریدنا چھوڑ دو جن میں مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑایا جاتا ہے، جن میں فرقہ بندی کی تعلیم ہے، جن میں کسی لیڈر کی پگڑی اُچھالی گئی ہے، جن میں قوم کی مرثیہ خوانی ہے، جن میں کسی پیر، کسی مولوی، کسی عالم یا کسی رہنما الغرض کسی شخص پر ذاتی حملے کئے گئے ہیں یہ اسلئے کہ ایسی چٹ پٹی تحریریں اور شیطنت سے بھری ہوئی دماغی عیاشی دلوں کو سیاہ کر دیتی ہے، نہ صرف ان کا لکھنے والا اپنے ابلیسی جذبات مشتعل کرتا رہتا ہے بلکہ پڑھنے والوں میں بھی بہیمی خصائل اور درندگی پیدا کر دیتا ہے۔ ایسے اخبار کے رویّہ کو تبدیل کرنے کا بہترین طریق یہ ہے کہ اُس کو خریدنا فوراً بند کر دیا جائے جب بکری کم ہوگئی خود راہِ راست پر آجائے گا۔ دوبارہ ایسے اخبار کو مت خریدو جب تک کہ رویّہ قطعاً درست نہ ہو جائے۔

عنایت اللہ خان المشرقی

مقالہ افتتاحیہ

اسلام کی عسکری زندگی

مطبوعہ "الاصلاح"

۲۹ مئی ۱۹۳۶ء مطابق ۶ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

الحمد للہ العظیم ○ القوی العزیز الذی یستاثر القوۃ والعزۃ لقوم یعملون ○ والصلوۃ والسلام علی النبی العربی الامی الذی قانا بقران انزل اللہ علی قوم یعلمون ○ والصلوۃ علی من یعلم ثم یعمل وبشرہ بثواب کریم ○ فی الدنیا وفی الاخرۃ فھو من المکرمین۔

قوموں کا زوال اور جمود

مسلمانو! تم پچھلے کم از کم تین سو برس سے بھولتے گئے ہو کہ اسلام کی فاتحانہ زندگی کی بنیاد کیا تھی! تم نے بھلا دیا کہ اسلام کیا تھا اور کیوں دنیا میں غالب تھا؟ اٹھارہویں صدی کے شروع میں تمہاری ہوا ہندوستان میں اکھڑی لیکن تم نے نہ سمجھا کہ تمہارے بارہ سو برس پہلے کے اسلام سے کیا چیز کم ہو گئی؟ قومیں جب گرنے لگتی ہیں تو اس کے افراد پر اسی قطع کی بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ گرنے والے سمجھتے ہیں کہ ابھرے ہوئے ہیں۔ مرض الموت کا مریض بھی صحت یاب ہونے

کی آس لگائے رکھتا ہے، مرض اُس کے جسم کے ڈھنچر کو کھائے جاتا ہے لیکن اُمید بندھی رہتی ہے کہ حکیم کی دوا اس کا مقابلہ کریگی، لیکن گرتی ہوئی قوم، اپنی مرض سے باخبر ہونا تو درکنار، صحت اور طاقت کے نشہ میں سرشار ہوتی ہے۔ اُسے دوا اور علاج کی نہیں سُوجھتی۔ وُہ سمجھتی ہے کہ اُس کا صفحۂ ہستی سے مٹ جانا ناممکن ہے۔ اُس کا مقابلہ کوئی خدائی طاقت نہیں کرسکتی، اس کی ہر چال اور ہر چلن ٹھیک ہے۔ روما کی عالم آرا سلطنت کو زوال اُس روز سے شروع ہُوا جب روما کے شہر اور روما کی سلطنت کو "غیر فانی" قرار دیا گیا، جب روما کے رہنے والے اپنی طاقت کے نشے میں بیہوش ہونے لگے، جب طاقت کا احساس غرُور اور دھوکہ میں تبدیل ہوگیا! ہاں مرض الموت کے مریض کی آس درُست اس لئے ہے کہ وُہ اپنی مرض کا مقابلہ حکیم، علاج، اور دوا سے کررہا ہے لیکن گرتی ہوئی قوم کی آس ایک نرا دھوکہ اور فریب محض ہے کیونکہ اس کو اپنے مرض کی مُطلق خبر نہیں، وہ اپنے مرض کو آسان سمجھ رہی ہے، حکیم اور علاج کی پروا نہیں کرتی اور دوا کی روک ٹوک کے بغیر ہلاکت کے جہنم کی طرف اپنے ہاتھوں گھسٹ رہی ہے!

اِصلاح یافتہ اور دُرست ہونے کے فریب نے مسلمانو! تم کو تین سو برس تک مدہوش رکھا۔ تم نے اس اثنا میں کچھ اپنی حالت کی طرف نہ دیکھا کہ کیا سے کیا بنتے گئے، کچھ اپنے نفس کا جائزہ نہ لیا کہ کیا کیا اور غلا تارہا؟ بالآخر جب سلطنت کا زوال اٹل ہوگیا اور قضا و قدر کے کارکنوں نے ہندوستان کی بادشاہت کا انعام تم سے مکمّل طور پر چھین لیا تو تمہیں اپنی اصلاح محسُوس ہوئی پہلی آواز آنے لگی کہ مسلمانو! "درست" ہوجاؤ۔ اپنی "چال" اور اپنا "چلن" ٹھیک کرو، اپنا "اسلام" درُست کرو، "پکّے مسلمان" بن جاؤ، خدا تمہارے رویّے سے ناراض ہے، اُس کو پھر راضی کرنے

کی تدابیر اختیار کرو، خدا کا مسلمان سے بہتری کا وعدہ ہے۔

مُصلحین کی غلط تدابیر

لیکن اس سو برس کی مدہوشی اور خوابِ غفلت نے آہستہ آہستہ تمہارا باوا آدم اس قدر بدل دیا تھا کہ تمہیں اور تمہارے مصلحوں کو تمہاری اگلی مسلمانی کی تصویر کچھ یاد نہ رہی تھی۔ اس وقت تک کچھ معلوم نہ رہا تھا کہ "درست" ہونا کیا شے ہے، "پکے مسلمان" بننے کے کیا معنی ہیں۔ "اسلام کو درست" کرنے کا کیا مطلب ہے۔ مسلمان میں اس وقت تک یہ تخیل مٹ چکا تھا کہ دنیا میں غالب بن کر رہنا ہی اسلام ہے۔ اسلام صرف چند رسوم کا مجموعہ رہ گیا تھا۔ سعی و عمل کی جگہ قسمت اور تقدیر نے لے لی تھی۔ اتحادِ عمل کی ہوا اکھڑ چکی تھی۔ جہد و عمل توکل کے غلط مفہوم سے بدل چکا تھا۔ نظم و نسق اور اطاعتِ امیر کا تخیل ذہنوں سے قطعاً سرک گیا تھا۔ غلامی کی زنجیروں نے بلند نظری مفقود کر دی تھی۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، سب کے سب عالم انگیز اعمالِ اجتماعی اور سیاسی سطح سے گر کر انفرادی اور شخصی افعال بن چکے تھے، دین اور سیاست کے میدان الگ الگ ہو چکے تھے، مولوی اور "عالمِ دین" نے سلطنت کو مسلمان کے ہاتھ سے چھنتی دیکھ کر اور اپنے زعم میں مذہب کو بربادی سے بچانے کے لئے دلوں میں غلط ڈال دیا تھا کہ "دنیا" یعنی سلطنت مُردار شے ہے اور اس کا طالب کُتّا ہے عیش کوشی اور تغافل، بزدلی اور نامرادی، بے خبری اور جہالت نے مسلمانوں کی بود و باش، شکل و شباہت بلکہ وضع قطع میں وہ عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا تھا کہ مسلمان کے پاس تلوار بلکہ کسی لازمۂ طاقت کا ہونا اس کی مذہبی آن کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ الغرض

اِس دِگرگوں حالت میں قومی مُصلح جوق در جوق نُمودار ہوئے۔ اُمّت کے یہ حکیم تاریخ خوان ضرور ہونگے مگر تاریخ دان ہرگز نہ تھے۔ انگریز کی چالوں سے ناواقف، انگریز کی زبان سے نابلد، انگریز کے چلن اور طبیعت سے بے خبر، المختصر نہ دوا کے ماہر، نہ زہر سے آشنا، نہ مریض کے نبّاض، نہ مرض کی خبر۔ اُنھوں نے اُمّتِ اِسلام کو پہلی بلندی پر پہنچانے کے کئی عِلاج تجویز کئے۔ کسی نے دعاؤں اور عقیدوں کو درُست رکھنے پر زور دیا۔ کسی نے دینِ اسلام کے متعلق بحثوں اور مناظروں، فرقہ بندیوں اور آپس میں کُفر کے فتووں کو عرُوج حاصل کرنے کا باعث سمجھا۔ کسی نے کہا کہ مسلمان کو پہلے عرُوج پر پہنچانے کے لئے اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم ضروری ہے۔ کسی نے نظام پیدا کرنے کی عبث خواہش میں انجمن سازی تجویز کی۔ کئی ایک قوم کی مستقل مرثیہ خوانی میں لگ گئے کہ قوم کے جذبات اُبھریں کئی ایک نے چندہ جمع کرنا زوالِ قوم کا علاج سمجھا۔ ایک طبقہ عورتوں میں اسکولی تعلیم نہ ہونے کو باعثِ زوال سمجھتا رہا۔ کچھ رہنما انگریزی ملازمتوں کے حصول کو کامیابی کی کلید بتاتے رہے، کچھ انگریزی طرزِ معاش اختیار کرنے کے دِلدادہ ہو گئے، کچھ اصلاحِ رُسوم میں مشغول ہو گئے۔ الغرض سلطنت کے زوال کے بعد قوم کو عرُوج پر پہنچانے کی تجویزیں اسقدر نارسا اور پھُسپھُسی تھیں، کہ قوم آجتک غلبہ کی کسی منزل تک پھر نہ پہنچ سکی۔ ہندوستانی مسلمانوں کا زوال آج دوسو برس کی اسلام فراموشی اور قریباً سو برس کی غلط تدبیروں کے بعد اِس قدر دردناک اور مکمل ہو چکا ہے کہ اب حکیموں اور چارہ گروں سے مؤدبانہ طور پر رخصت ہو کر مریض کو خود اُس اصلی اور نبوی اِسلام کی طرف رجُوع ہونے کی ضرُورت ہے جس نے تیئس برس کے اندر اندر عرب جیسی اُجڈ اور کُفر و نفاق سے بھری ہوئی قوم کو دنیا کے ایک بڑے حِصّے پر غالب آنے کا اہل بنا دیا تھا۔

مسلمان کی اصلاح مذہب کیطرف رجوع سے ہے

مسلمانو! ہادیٔ اسلام کا قول ہے کہ "آگے چل کر اسلام کی گری ہوئی اُمت اُنہی باتوں پر عمل کرکے پھر اُبھر سکے گی جن پر چل کر میرے وقت کے لوگ اُبھرے تھے"۔ یہ حدیث اس امر کی تسکین ہے کہ **مسلمان کا علاج صرف اسلام ہے**۔ قرونِ اُولیٰ کے کافروں نے جب تک کفر نہ چھوڑا اُبھر نہ سکے، اور جب تک آج کے مسلمان کفر چھوڑ کر پھر اسلام اختیار نہ کرینگے، اُبھر نہ سکیں گے۔ لیکن بڑا جھگڑا اسباب پر ہے کہ اس "پھر اسلام اختیار کرنے" کے کیا معنی ہیں؟ آج مسلمان، کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور نام عبد الرحمٰن ہوتے ہوئے اس بات سے انکاری ہے کہ وہ اپنے کفر کے باعث گر رہا ہے۔ اُس کو آج کافر اسلام کہنا اُس کے تن بدن میں آگ لگا دیتا ہے۔ اُسکو معلوم نہیں رہا کہ تین سو برس پہلے اسلام کے اِن پانچ رکنوں کا رنگ اور تھا۔ ان کی باندھی ہوئی ہوا اور تھی، اُس کلمۂ شہادت میں خُدا کے خُدا ہونے کی گواہی ہر دم اور صاف نظر آتی تھی، اُس نماز، اُس روزے، اُس حج، اُس زکوٰۃ میں مسلمانوں کی شیرازہ بندی اور اجتماعی قوّت کو ایک نظام میں لانے کی وہ عظیم الشان طاقت عیاں تھی کہ کالجوں اور سکولوں، انجمنوں اور مرثیہ خوانیوں، چندوں اور عقائد پر فرقہ بندیوں، بحثوں اور مناظروں کے نہ ہوتے ہوئے مسلمان ہندوستان کی وسیع سلطنت کے مالک تھے، اُس عظیم الشان حکومت کے ہر شعبے کو حُسنِ تدبیر اور خوبیٔ انتظام سے خود سنبھالتے تھے، آج اگر مسلمان ایک انجمن، ایک کالج، ایک سکول، ایک عقیدہ، ایک بحث کو سنبھالنے اور اپنے پسند کردہ ایک علاج کو بروئے کار لانے کے قابل نہیں رہا تو اسکی

وجہ یہ ہے کہ وُہ تین سَو برس پہلے کے اسلام کی صحیح تصویر کو جو ہندوستان میں نظر آتی تھی بھُول چکا ہے!

دینِ اسلام سپاہیانہ زندگی کے مترادف ہے

مسلمانو! اگر تم اپنی آنکھ سے پٹّی ہٹا کر غور کرو، تو سمجھ سکتے ہو کہ ہمارے باپ دادا نے اگر دُنیا میں ایک ہزار برس تک دھڑلّے سے بادشاہت کی، اگر ہمارے آباؤ اجداد نے ہزاروں میل سے آکر ہندوستان کی سلطنت پر کئی حملوں کے بعد قبضہ کیا، اگر قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے بارہ برس میں چھتّیس۳۶ ہزار شہر اور قلعے فتح کئے، اگر دینِ اسلام کے پہلے دعویدار بلاناغہ ایک دن میں نَو نَو شہر اور قلعے فتح کیا کرتے تھے، تو اُس اسلام اور آجکل کے اسلام میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا۔ غور کرو کہ کیا سلطنتوں کو فتح کرنا ہاتھوں اور پیروں کے بے پناہ اور متواتر عمل کے بغیر ہو سکتا ہے؟ کیا بہادری، بیخوفی، آپس میں کامل مُحبّت، سردار کی مکمّل فرمانبرداری، تلوار چلانے کے ہُنر میں کمال، ہزاروں میل کے پیدل سفر برداشت کرنے کی قابلیّت، بھُوک اور پیاس پر صبر، میدانِ جنگ میں مارنے اور مرنے کی تمنّا، الغرض **مکمّل سپاہیانہ قابلیّت** حاصل کئے بغیر ہمارے باپ دادا چھوٹے سے چھوٹا قلعہ فتح کر سکتے تھے؟ کیا اُس زمانہ کے مسلمانوں کو ادنیٰ سی فرصت بھی کسی عقیدے پر بحث کرنے یا کسی انجمن اور سکول بنانے کے لئے ملتی تھی؟ کیا عرب جب تک دُنیا کو زیر نگیں کرتے رہے کسی کالج یا سکول یا یونیورسٹی سے پڑھ پڑھ کر فتح کرتے رہے؟ کیا یہ سب کے سب سپاہی جنھوں نے دُنیا کی حکومتیں زیر و زبر کر دیں، پانچ نمازیں نہیں پڑھتے تھے، تیس روزے نہیں

رکھتے تھے، حج کو نہ جاتے تھے، زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے، کیا ان کو اپنی روزی کی فکر نہیں تھی، کیا ان کی تجارتیں نہ ہوتی تھیں، کیا وہ سب کے سب بیویاں بچے، باپ بھائی، عزیز و اقارب نہ رکھتے تھے، کیا ان کی "مجبوریاں" اور مصروفیتیں نہ ہوتی تھیں۔ کیا ان سب فرائض کے ادا کر لینے کے بعد ان کا دن رات کا عمل یہ نہ تھا کہ تلوار ہاتھ میں لے کر اللہ کی زمین پر قبضہ کریں۔ کیا خاوند سے بیوی کی اس طرح کی محبت ہوتی تھی جو آج کل ہے۔ کیا بیٹا اس طرح باپ کو گلے لگائے رکھتا تھا جیسا کہ آج ہر گھر میں ہے۔ کیا مسلمانوں کی کروڑوں روپیہ کی تجارتیں اُن کو اس طرح اپاہج اور ناکارہ کر دیتی تھیں، جس طرح کہ آجکل ایک چھوٹی سی دُکان مسلمان کو کر دیتی ہے۔ کیا مسلمانوں کی اپنی لاکھوں روپیہ کی جائداد اُس کے اعضاء کو اس طرح شل کر دیتی تھی جس طرح کہ ایک روپے کی محبت آج اوسط مسلمان کو کر دیتی ہے، نہیں کیا اُس وقت کے مسلمان نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اپنے اسلام پر اسی طرح مطمئن اور مغرور (یعنی دھوکا کھائے ہوئے) تھے جس طرح کہ آجکل کے مسلمان ہیں، نہیں کیا اسی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا عملی نتیجہ سپاہیانہ زندگی نہ تھا، کیا نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اسی سپاہیانہ اور فاتحانہ زندگی کو پیدا کرنے کے اوزار نہ تھے۔ کیا ہر مسلمان نماز پڑھنے کے بعد یہ نہ سمجھتا تھا کہ خدا مسلمانوں کو ایک صف میں کھڑا کر کے سپاہی بنانا چاہتا ہے، اپنے آگے جھکا کر غیر اللہ سے باغی کرنا چاہتا ہے، اپنا سجدہ کرا کر بیوی اور بچوں، مکانوں اور باغیچوں، بوریوں اور چیتھڑوں کے آگے سجدہ کرانا نہیں چاہتا، نماز میں یکساں حرکتیں کرا کر سب کو یک عمل اور متحد کرنا چاہتا ہے۔ کیا روزہ رکھ کر مسلمان اُس وقت نہ سمجھتا تھا کہ یہ روزہ رکھنے کی عادت کسی قلعہ فتح کرنے کے دن کام آئیگی، زکوٰۃ دینے کے وقت یہ نہ جانتا تھا کہ یہ روپیہ

تلواروں اور توپوں پر خرچ ہو گا، ج جاتے وقت یہ نہ جانتا تھا کہ دُنیا کے تمام مسلمانوں کی کانفرنس پر عام مسلمانوں کی کسی بگڑی کو بنانے، مسلمانوں کی عالمگیر شوکت کا اندازہ کرنے، یا کفر کے خلاف کسی بڑی سازش میں شریک ہونے کے لئے جا رہا ہوں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے والد اٹھارہ برس تلوار لے کر گھر سے کئی سو میل دُور اسلام کی لڑائیاں لڑتے رہے۔ مالکؒ رخصت کے وقت کوئی دس بارہ[۱۲] برس کے ہونگے۔ اس اٹھارہ برس کی مُدت میں ماں کی تربیت اور تعلیم نے حضرتؒ کو بغداد کا قاضی القضاۃ کر دیا۔ اٹھارہ برس کے بعد اس کے مجاہد والد نے گھر پہنچنے سے پہلے جمعہ کی نماز بغداد کی جامع مسجد میں پڑھی۔ قاضی القضاۃ کا جلال دیکھا کہ ہزاروں آدمیوں کا مجمع اُس کے گرد دم بخود بیٹھا تھا لیکن خبر نہ تھی کہ مالکؒ اُس کا بیٹا ہے۔ نماز ادا کر کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ بیوی نے اٹھارہ برس تک خاوند کو دیکھا نہ تھا، اس لئے دروازے کی دَرز سے نہ پہچان سکی۔ بالآخر خاوند نے کئی پتے دے کر بیوی کو دروازہ کھولنے پر راضی کیا۔ کچھ دیر بعد پُوچھا کہ مالک کہاں ہے۔ ماں نے فخر سے یہ جواب دیا کہ کیا نماز جمعہ ادا نہیں کی، اور کیا اپنے قاضی القضاۃ بیٹے کے جلال کو دیکھ کر نہیں آئے۔ باپ سُن کر ششدر رہ گیا۔ واپس مسجد میں گیا، اور جب گھنٹوں کے بعد لوگوں کا ہجوم کم ہُوا، رعب وجلال سے خوف کھاتے ہوئے بیٹے سے بغلگیر ہُوا اور دونوں آبدیدہ ہو گئے۔!

اسلام کا پہلا نقشہ

مسلمانو! اس ایک خاندان کی زندگی پر غور کرو کہ مسلمان کسی زمانے میں کیا تھے؟ سوچو کہ باپ کو

اس کے سوا دھن نہ تھی کہ اپنی زندگی تلوار کے جہاد میں صرف کرے۔ ماں ایسی حوصلہ مند تھی کہ خاوند کی غیر حاضری کو ۱۸ برس تک محسوس نہ کیا۔ اس پائے اِس درجے اور دھڑلّے کی عورت تھی کہ بیٹے کو بہترین مقام تک پہنچا دیا۔ باپ کو اسلام کے مقابلہ میں بیٹے کی کچھ پروا نہ تھی۔ ماں کی عظمت، اُس کی عِفّت اور پاکدامنی، اُس کی اولاد کے متعلق فرض شناسی، اُس کا خاوند کی غیر حاضری میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا، اُس کا خاوند کی راہ میں روک نہ ہونا، بیٹے کا باپ کی غیر حاضری میں ماں کے حکم کے تابع رہنا، الغرض ایک ہزار برس پہلے کے اسلام کی ایک تصویر اس چھوٹے سے قِصّے سے عیاں ہے۔ باپ کا عمل، ماں کا عمل، بیٹے کا عمل سب کچھ اس چھوٹی سی تصویر سے ظاہر ہے۔ آج یہ افسانہ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا تخیّل بگڑ چکا ہے۔ مسلمانی کی تصویر کسی کو یاد نہیں رہی۔ مسلمانی آج اس میں ہے کہ باپ، ماں، بیٹا سب کے سب ایک دوسرے کی نامناسب مُحبّت میں پھنسکر تمام اعضاء کو شل کر دیں۔ قوم کے لئے کوئی مفید کام نہ کر سکے، سب کے سب مُردار "دنیا" کے پیچھے کُتّوں کی طرح لگ جائیں تاکہ سلطنت، حکومت اور غلبے کا آخری نشان مِٹ جائے۔ "دُنیا" فی الحقیقت مُردار ہے کیونکہ اس کا طلب کرنے والا بیکار ہو کر مُردہ ہو جاتا ہے۔ قوم کو مُردہ کر دیتا ہے۔ مسلمان آج دُنیا کا طالب اس قدر ہے کہ ایک چیتھڑے اور بوریے کی مُحبّت، بیوی اور بچّے کا ایک چھوٹا سا عذر، نفس کا ایک ادنیٰ سا "بہانہ" اُس کے تمام اعضاء کو حرکت سے روک دیتا ہے۔ مُسلمان کو دُنیا کی سلطنت آج اس لئے نہیں ملتی کہ وُہ دُنیا کا طالب بیحد ہے۔ چوبیس گھنٹے اس مُردار کی طلب میں ہے۔ دُنیا اُسی قوم کو مِلا کرتی ہے جو دُنیا کی عاشق نہ ہو۔ زندہ قومیں زندہ اسی لئے ہیں کہ اُن میں خُدا کے تکلیف دِہ حکموں کے سوا کسی شئے کی مُحبّت نہیں ہوتی۔

ان میں مال و دولت، فرزند و زن، جاہ و غرض کے بُت اکثر نہیں ہوتے۔ وُہ صرف خدا کو" مانتی" ہیں۔ خدا کے سِوا کسی کے حکموں کو نہیں مانتی۔ قرآن نے صاف کہہ دیا تھا کہ مسلمانو! تمھارے مال اور اولاد صرف ایک فتنہ ہیں۔ ہم انہیں دے کر آزماتے ہیں کہ تم اِن کی محبّت میں کسقدر پھنستے ہو۔ ورنہ یاد رکھو کہ ہم دُنیا میں عروج اُسی قوم کو دیں گے جو اِن کی محکوم نہ ہو۔ میری محکوم، میری غلام اور میرے تابع فرمان بن کر رہے!

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی سپاہیانہ زندگی

الغرض جُوں جُوں اسلام کی تلاش میں پیچھے ہٹتے جاؤ گے مسلمان کی سپاہیانہ زندگی دین اسلام کا سب سے بڑا جُز نظر آئیگا۔ مسلمان کے متعلق معلوم ہو گا کہ سر سے پاؤں تک ہر وقت کسا رہتا تھا۔ تلوار اُس کے زیبِ بدن رہتی، قرآن اُس کی بغل میں ہوتا تھا۔ خدا کے سوا سب شئے اُس کے سامنے ہیچ اور ناقابلِ اطاعت تھی، کسی ماسوا سے لگاؤ نہ تھا، تمام مسلمانوں سے خدا واسطے کی محبّت تھی، ہر ایک پر نیک گمان تھا، مال، اولاد، ماں، باپ، زن و زر سے صرف اِس لگاؤ رہا تھا کہ قوم کی ترقی کے راستے میں حائل نہ ہو۔ نفس کو ادنیٰ سا آرام نہ دیتا تھا، محنت اور مشقّت کا عادی تھا۔ حیا سے غیر اور غیر کے مال پر آنکھ نہ اُٹھاتا تھا، اپنی جان کو اسلام کی حفاظت کے بالمقابل بے قدر و قیمت سمجھتا تھا۔ بادشاہت اور حکومت اُس کی تھی، اس لئے شاہ نظر اور شاہ کرم ہُوا کرتا تھا۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو تمام دُنیا سے جنگ کرنے کے اوزار سمجھتا تھا۔ تمام دُنیا کی حکومت حاصل کرنا اُس کے پیشِ نظر تھا۔ یہ وہ سبق تھا جو ہادیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسّلام

اور اُس کے لائے ہوئے قرآن نے مسلمان کو براہِ راست دیا یہی خدائے عظیم کے آخری رسُول کی تیئس برس کی مکّی اور مدنی زندگی کا ماحصل تھا یہی اُسوۂ رسول تھا۔ یہی مذہب اور دین تھا۔ اسی مذہب، چلن اور اخلاق کے پیدا کرنے کے لئے رسولِ خدا بھیجے گئے تھے۔ قرآن نے صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں اعلان کر دیا تھا کہ رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر صرف† اس غرض و غایت کے لئے بھیجا گیا کہ اس دین کو تمام دُنیا کے دینوں پر غالب کر دے، خواہ یہ روئے زمین پر چھا جانا کافروں کو بُرا کیوں نہ لگے: هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ کیا قرآنِ کریم کی اس نصّ صریح کے بعد دینِ اسلام کی ماہیّت کے متعلق کوئی شک باقی رہ سکتا ہے؟

قرآن کی صحیح تعلیم

اگر یوم میلاد النّبی کو دُنیا کے آخری پیغمبرؐ کی سیرت پر کوئی غور و خوض نتیجہ خیز ہو سکتا ہے تو مسلمانو! اس امر پر غور کرو کہ اس پیغمبرؐ کی تعلیم کیا تھی؟ اس کا لایا ہُوا مذہب کیا تھا؟ مذہب ہر انسان کا تمام زندگی کا لگاؤ ہے، ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی، بُدھ وغیرہ وغیرہ سب اسی اُلجھن اور معمّے میں اپنی زندگیاں گذار رہے ہیں کہ اُن کا مذہب سچّا ہے۔ سب کے سب اسی فرضی اطمینان میں ہیں کہ جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں۔ لیکن مسلمانو! تمہارے پیغمبرؐ کی سیرت کا ایک ایک لفظ واضح ہے، تمہارے پیغمبرؐ کا چھوٹے سے چھوٹا عمل تاریخ کے ورق پر صاف لکھا ہے تمہارے سامنے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی عملی زندگی روشن حروف میں لکھی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ مسلمان

† قرآن حکیم میں رسُولِ خدا کو دُنیا میں بھیجنے کی غرض و غایت دینِ خدا کو دُنیا کے تمام دینوں پر غالب کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کہی گئی۔

اپنے پیغمبرؐ کے وصال کے بعد تمام دُنیا پر چھا گئے۔ اُن کا منتہا کئی سو برس تک یہی رہا کہ دُنیا کی تمام اقوام پر غالب آجائیں۔ تمہارے قرآن کے ایک ایک ورق پر صاف لکھا ہے کہ "مومن وُہی ہیں جو اپنا مال اور اپنی جان جہاد بالسّیف کرنے کے لئے تیار رکھتے ہیں۔" تمہارے قرآن میں جنّت حاصل کرنے کی صاف شرط دشمن سے میدانِ جنگ میں لڑنا ہے۔ تمہارے پیغمبرؐ نے اپنی زندگی میں دشمنوں سے کئی غزوے کئے۔ اِن غزوں میں وُہ بذاتِ خود شریک ہوئے۔ میدان میں خود سب سے آگے رہتے قرآنِ کریم نے میدانِ جنگ میں شریک نہ ہونے اور عذر کرنے والوں کو جہنّم کی دھمکیاں دیں۔ ایمان والوں کی تعریف صاف الفاظ میں کر دی کہ "اللہ نے میدانِ جنگ میں لڑنے کو مومنوں کے ایمان کا کافی ثبوت قرار دیا ہے" (کفی اللہ المومنین القتال)۔ تین چوتھائی کے قریب قرآن جہاد بالسّیف اور فتح و ظفر کے مذاکروں سے پُر ہے۔ تمہارے نبیؐ کا قول ہے کہ "میدانِ جنگ میں ایک رات بسر کرنا ستّر برس کی عبادت کے برابر ہے۔" کیا قرآن، حدیث اور تاریخ اسلام کی اِن صریح شہادتوں کے بعد تم اپنے مذہب کو معمّہ سمجھتے ہو، دینِ اسلام کے متعلق دِلوں میں شک پیدا کرتے ہو کہ وہ کیا تھا۔ مذہب کے متعلّق اختلاف رائے کر کے فرقہ بندیاں پیدا کرتے ہو۔ مذہب سے انسان کی دِلچسپی صرف اس لئے ہے کہ اِس پر چل کر موت کے بعد جنّت ملے اور جہنّم کی آگ سے نجات ہو۔ جب قرآن کے اندر صاف لکھا ہے کہ جنّت اُسی صورت میں مِل سکتا ہے کہ میدانِ جنگ میں جانیں دو اور جہنّم اُس بدبخت کے لئے ہے جو میدانِ جنگ میں جانے سے عذر کرتا رہا تو کیا پھر مذہب اِسلام سپاہیانہ زندگی اختیار کرنے اور اُس کو تمام عمر نباہنے کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے؟ کیا دینِ اِسلام کے سچّے اور عالم آرا ہونے کا یہ کھُلا ثبوت نہیں کہ جب سے اِنسان پیدا ہوا ہے فتح اُسی

قوم کی رہی ہے جس نے سب سے بہتر اور منظّم تر سپاہیانہ زندگی اختیار کی۔ خدا اُسی قوم کے ساتھ رہا جس نے مجاہدانہ وطیرہ اختیار کیا۔ ذلّ و مسکنت اسی قوم پر لیس دی گئی جس کی جنگی طاقتیں مفقود ہو گئیں۔ کیا دین اسلام اور سپاہیانہ زندگی کے ہم معنی ہونے کی یہ روشن دلیل نہیں کہ جب سے مسلمانوں نے سپاہیانہ زندگی چھوڑ دی، جب سے مذہب کو سپاہیانہ زندگی سے اور دین کو دُنیا سے الگ کر دیا خدا مسلمانوں سے ناراض ہو گیا۔ خدا نے بیدریغ مسلمانوں سے سلطنتیں چھین چھین کر دوسری جنگی قوموں کے سپرد کر دیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سپاہیانہ زندگی کا چھوڑ دینا دینِ اسلام کو چھوڑ دینے کے مترادف ہے؟

مولویوں کی تحریفِ دین

مسلمانو! بصیرت کی آنکھیں کھولو، تمہارے پیشوایان دین نے پچھلے کئی سو برس سے صحیح اسلام کو مشکل سمجھ کر آسان اسلام اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے! اب اس مذہب پر چلکر نہ کوئی دُنیوی ثواب مل سکتا ہے، نہ اُخروی نجات۔ تمہارے قرآن کا ایک ایک ورق جہاد اور عمل سے پُر ہے۔ سُورتوں کی سورتیں ہیں جن میں قتال اور میدانِ جنگ میں پیٹھ نہ پھیرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ مومنوں کے متعلق کہا ہے کہ "اللہ نے جنت کے بدلے اُن کی جان اور اُن کا مال خرید لیا ہے۔ تو کیا ان الٰہی تصریحات کے بعد مولویوں کی مومن کی تعریف تمہارے دل کو تسلی دے سکتی ہے؟ کیا اللہ کے اپنے کلام کے ہوتے ہوئے خدا روزِ قیامت کو مولویوں کی سند پر تمہیں مومن قرار دے سکتا ہے؟ کیا یہ سند اُس روزِ جزا و سزا کو کوئی کام آسکتی ہے؟ رسولِ خدا خود

اپنی بیٹیؓ کو تنبیہ کرتا ہے کہ "روزِ جزا کو میری شفاعت پر بھروسہ نہ کرنا"۔ اپنے متعلق قرآن میں کہتا ہے کہ "مجھے یہ معلوم نہیں کہ روزِ جزا کو میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا" اور تم مولوی کی غلط سند پر کہ اسلام صرف چند مسائلِ شرعی، وضع قطع، عقیدوں، قولوں یا حد سے حد چند عبادتوں کا مجموعہ ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہو۔ یاد رکھو کہ اگر مذہب اختیار کرنے کا مدعا روزِ آخرت کو نجات ہے تو تم ان آسان اور حسبِ پسند باتوں کے کر لینے سے خدا کی نظروں میں مسلمان نہیں بن سکتے، روزِ آخرت کو اس کرتوت پر کچھ نہیں مل سکتا۔ تم صحابہ کرام سے زیادہ خدا کے لاڈلے نہیں، غزوۂ احد میں جب بعض صحابہؓ نے کمزوری دکھلائی اور مورچہ چھوڑ کر چلتے بنے تو خدا نے قرآن میں اس سختی سے دھتکارا کہ اس دھتکار کو یاد کر کے برسوں تک حضرت عمرؓ روتے رہے! جب خود صحابۂ کرامؓ بلکہ رسولِ کریم کو اللہ کے احکام ٹالنے کی مجال نہیں تو تم اور تمہارے مولوی کس باغ کی مولی ہیں کہ اپنی سند پر خدا کے قرآن میں تحریف پیدا کریں۔ اپنے عقائد وضع کر کے عقیدوں پر لفظی طور پر قائم رہنے کو اسلام سمجھیں۔ یاد رکھو کہ تمام قرآن کے طول و عرض میں "عقیدے" کا لفظ کہیں موجود نہیں† نہ اس کا کوئی مشتق موجود ہے۔ قرآن میں صرف ایمان اور عمل صالح کے الفاظ ہیں اور جو معنی ان الفاظ کے ہو سکتے ہیں، ایک دنیا جانتی ہے۔

قرونِ اولیٰ کا مسکلِ اسلام

مسلمانو! یومِ میلاد النبیؐ کو دینِ اسلام سمجھنے کی تقریب بناؤ، نبی کی ولادت کی سالگرہ کا یہ مطلب ہے کہ نبیؐ کو سمجھو۔ نبیؐ نے تیئس برس تکلیفیں جھیل جھیل کر جو کچھ عرب کی کافر اور منافق قوم میں پیدا کر دیا

† بلکہ قرآن میں "مولوی" کا لفظ بھی موجود نہیں۔

تھا اُس کو نہ بھُولو۔ نبیؐ نے آٹھ برس مسلسل کوشش کے بعد صرف چالیس مَرد اور پندرہ عورتیں مسلمان کی تھیں اِس کو نہ بھُولو، نبیؐ نے گیارہ برس کی شبانہ روز محنت کے بعد صِرف چند مسلمان مدینہ کی طرف ہجرت کے لئے تیّار کئے تھے، اِس کو نہ بھُولو۔ نبیؐ نے تمام عمر رنج اور محنت میں کاٹ کر صرف چار یار پیدا کئے تھے، اِس کو نہ بھُولو، نبیؐ کی مُدت العمر تکلیفوں، اور زہرہ گداز محنتوں کے باوجُود اُس کی وفات کے عین بعد ہی سارا عرب نبیؐ سے برگشتہ اور دینِ اسلام سے مُرتد ہو گیا تھا۔ اِس کو نہ بھُولو۔ نبیؐ کی وفات کے تیس برس بعد ہی عالمِ اسلام میں دین سے برگشتگی اور فرقہ بندی شروع ہو گئی تھی، اِس کو نہ بھُولو۔ جب دُنیا کے سب سے بڑے انسانؐ کی تعلیم کو دُنیا نے اس مشکل سے مانا اور اِس مشکل سے اختیار کیا، تو کیا دینِ اسلام ہمارے مُلاؤں کی بنائی ہوئی کوئی آسان چیز ہو سکتی ہے؟ کیا ہندوستان کے آٹھ کروڑ یا دنیا کے ساٹھ کروڑ مسلمان صرف مسلمان کے گھر پیدا ہو کر مسلمان بن سکتے ہیں؟ دینِ اسلام یہ تھا کہ مسلمانوں کا جابر اور تُند خُو جرنیل عمرؓ مدینہ میں امیر المومنین ہے۔ امیر المومنین ہونے کے باوجُود کھجُور کے درخت کے نیچے سخت تپش میں کھجُور کی چٹائی پر بیٹھا ہے، جسم پر لیٹنے کے باعث بدّھیاں پڑی ہیں، ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں نے چیتھڑوں کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواروں اور کُند نیزوں سے مدینہ سے ڈیڑھ ہزار میل دُور، دارا، جمشید اور کیقباد کی سلطنت پر حملہ کیا ہوا ہے۔ روزانہ اُونٹنی سوار قاصد اور برق رفتار عرب گھوڑوں کے شہسوار مخبر، فاروقِ اعظمؓ کے حضور میں میدانِ جنگ کی خبریں دینے اور فوجوں کی تقسیم کے احکام لینے کے لئے پہنچتے ہیں نقشۂ جنگ زمین پر پڑا ہے۔ عمرؓ نمازِ ظہر جلد جلد ادا کرنے کے بعد اِس فکر میں ہے کہ شاہِ ایران یزدجرد کو ہتھکڑی لگانے کے لئے فلاں بیس ہزار فوج کس طرف سے روانہ کی جائے، قاصد

امیر المومنینؓ کے جلال کے سامنے دم بخود حکم کا منتظر کھڑا ہے۔ عمرؓ ڈیڑھ ہزار میل دور بیٹھے حکم دیتا ہے کہ "بیس ہزار کے فلاں دستے کو فلاں فلاں راستے سے فلاں مقام پر فوراً منتقل کرکے ہلّہ بول دیا جائے۔" غور کا مقام ہے کہ یہ حکم پہنچتا ہے اور کالے کوسوں دُور اس کی تعمیل اس طرح ہوتی ہے کہ گویا عمرؓ میدانِ جنگ میں کھڑا گھور رہا ہے۔ دینِ اسلام یہ تھا کہ اسی جنگ کے دوران میں قاصد نے اطلاع دی کہ مسلمانوں کے سالارِ اعظم سعدؓ بن ابی وقاص نے ملاقاتیوں کے ہجوم سے گھبرا کر یا شاید اپنے وقار کو زیادہ کرنے کے لئے اپنے کچی اینٹوں کے گھر کے آگے کچی اینٹوں کی ڈیوڑھی بنوالی ہے تاکہ لوگ اس میں آکر ملاقات کے لئے انتظار کریں۔ ایک خبر تھی کہ سعدؓ کے بدن پر ریشمی کرتہ نظر آتا ہے، فاروقِ اعظم کا چہرہ ان خبروں کو سُنکر تمتما اُٹھتا ہے۔ عین وسطِ جنگ میں (اور دراں حالیکہ ایران ابھی مکمل طور پر فتح نہ ہوا تھا) قاصد کو حکم ملا کہ سعدؓ کی گردن میں اُس کا عمامہ ڈال کر مدینہ حاضر کرو! میرے چھوٹے سے دماغ میں کئی برس تک نہ سعدؓ کا جرم، نہ عمرؓ کا حکم، نہ اُس کی سزا کی نوعیت سمجھ میں آئی، میں سر پٹا تا رہا کہ الٰہی! اس چھوٹے سے جرم پر اتنے بڑے جرنیل کو یہ توہین آمیز سزا اور سزا عین اُس وقت جبکہ ایران میں مسلمانوں کی ایک لاکھ بیس ہزار فوج موجود تھی، اور ادنے سی سختی بھی دو ہزار میل دُور فاروقِ اعظمؓ سے تمام مسلمانوں کی بغاوت کا پیش خیمہ ہو سکتی تھی۔ کئی برس کی سوچ بچار کے بعد اس ہوشربا نتیجے پر پہنچا کہ اُس وقت مسلمان مسلمان تھے۔ پنجاب اور ہندوستان کے فتنہ ساز اور ناکارہ مسلمان نہ تھے۔ مسلمانوں میں نظامِ خدا کو پیشِ نظر رکھ کر پیدا ہوا تھا مسلمان کا خُدا اور صرف خدا حاکم تھا۔ عمرؓ اور سعدؓ حاکم نہ تھے، عمرؓ اگر حکم دیتا تھا تو خُدا کے لئے، اور سعدؓ اگر تعمیل کرتا تھا تو خُدا کے لئے، مُسلمان اگر دم بخود رہتے تھے، تو اللہ کی رسّی کو

پکڑ کر آجتک اسلام کے موجودہ تخیل کو دماغ سے قطعاً علیحدہ نہ کیا۔ یہ واقعہ قطعاً سمجھ نہ آیا الغرض دینِ اسلام یہ تھا اور اس شان سے صفحۂ وجود پر چمکا کہ دماغ کی آنکھوں کو چکا چوند کر گیا!

دینِ اسلام اور اطاعتِ امیر

مولوی تمہیں یہ کہکر ٹال دیتا ہے کہ یہ سب اگلے وقتوں کی کہانیاں ہیں اور معاذاللہ صحابہ کرام کی ہم پلگی کا دعویٰ کیسے ہو سکتا ہے۔ مسلمانو! سوچو اگر نبیؐ کریم کا لایا ہوا مذہب یہ کچھ نہ تھا، اور نرے چند عقیدے رکھ کر اور مسئلے مسائل پڑھ کر جان کا چھٹکارا ہو سکتا تھا تو صحابۂ کرامؓ کو کیا پڑی تھی کہ اس مشکل مذہب پر چلیں۔ سعدؓ کو کیا پڑی تھی کہ بے چون و چرا اپنے امیر کا حکم مانتا۔ ایک لاکھ بیس[2] ہزار فوج کو کیا مجبوری تھی کہ فاروقِ اعظمؓ کا حکم دم بخود سنتی اور اپنے جرنیل کی انتہائی رسوائی اس معمولی جرم پر گوارا کرتی کہ اس نے ریشمی کرتہ پہن لیا ہے۔ آج عام مسلمان صرف پانچ نمازیں پڑھ کر اور شرعی ڈاڑھی رکھ کر تمام باقی مسلمانوں سے بپھرا پھرتا ہے اور کسی دوسرے شخص کے اسلام کو خاطر میں نہیں لاتا۔ صرف چند سطحی باتیں کر کے باقی سارے قرآن پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ سوچو کہ اس وقت کے سب مسلمان نمازیں بھی پڑھتے تھے پھر کیا اشد شدید مجبوری تھی کہ سب کے سب عمرؓ کے حکم کو سنکر لرز گئے! کیا نفس تپلا کر دیا تھا کہ سعدؓ نے اتنے رسوا کن حکم کے آگے گردن جھکا دی۔ حضرت عمرؓ کے خالد بن ولیدؓ کو عین میدانِ جنگ میں معزول کرنے کا واقعہ مشہور تاریخی واقعہ ہے۔ مسلمانوں کے سالارِ اعظم خالدؓ کو خدا کی رحمت اس پر ہو! کیا مجبوری تھی کہ میدانِ جنگ سر کر لینے کے فوراً بعد ہی اپنی کمان ابو عبیدہؓ کو دے دی۔ خود سپاہیوں کی

قطار میں شامل ہوگیا۔ اپنے نفس کو خدا اور اسلام کی خاطر اس قدر تپلا کر دیا کہ آج دُنیا اس تہوّر اور شجاعت پہ دنگ ہے۔ نہیں صاف نتیجہ یہ ہے کہ اُس وقت امیر کی کامل اطاعت دین اسلام کا سب سے ضروری حصّہ سمجھا جاتا تھا۔ نہیں دین اسلام کا دُوسرا نام تھا، ہر مسلمان کی گھُٹّی میں رسُولِ خداؐ کی تیئیس برس کی تعلیم نے یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر مسلمان بننا چاہتے ہو تو جو حکم ملے کرو، بہرحال خاموش رہو۔ نظام میں فساد پیدا نہ کرو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب اس لئے ہیں کہ تم میں یہ بلند اخلاق پیدا ہو جائے!

خاکسار تحریک میں عملی مشکلات

آج خاکسار تحریک چار برس سے جاری ہے۔ میں دربدر ایک ایک محلّے میں پھرتا رہا ہوں۔ ایک ایک تیس مار خان کے پاؤں کے نیچے اپنا سر رکھ کر اُس کو آمادہ کرتا ہوں کہ خدا اور رسُول کے واسطے مسلمانوں کی قطار اپنے محلّے میں کھڑی کرو، وُہ میری منّتوں کو دیکھ کر کچھ دیر کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے جب تک منّتیں کرتا ہوں کھڑا رہتا ہے، جب کسی اور طرف چلا جاتا ہوں ناراض ہو جاتا ہے۔ اس سعی میں لگا رہتا ہے کہ جھوٹ سچ میرا کوئی عیب نکال کر میرا مُنہ کالا کرے، اور جماعت سے نِکل کر چلتا بنے۔ خاکسار تحریک میں مَیں بھی طبعاً یہ چاہتا ہُوں کہ سعدؓ اور خالدؓ (خواہ وُہ ادنےٰ درجے کے ہی ہوں) پیدا ہوں، اسلئے بعض پُرانے اور گرم سرد دیدہ سالاروں پر کچھ سختی کرنے کا ارادہ کرتا ہوں، اِدھر میری سختی ہوئی اور اُدھر یہ سالار اور خاکسار واویلا مچا دیتے ہیں، اور شرمناک الزام مجھ پر لگا کر میرا منہ کالا کرتے ہیں۔ لاہور کے ایک پُرانے سالار نے ابھی ابھی مجھ پہ وہ شرمناک اور بڑا جھُوٹ

الزام لگایا اور اُس کی تشہیر کی کہ میں اُس کے مُوجدِ فسادِ نفس کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ اِس لئے کہ اِس سالار کو نماز کے وقت کی پابندی کے لئے سختی سے کہا تھا۔ الغرض یہ مسلمان کا اخلاق اور یہ آج کل کا اسلام ہے۔ خاکسار تحریک میں کئی برس منجھ کر بھی ابھی ہمارے سالار نہیں سمجھے کہ اسلام کیا ہے۔ مجھ میں حوصلہ اس لئے ہے کہ "باہمیں مردمان بباید ساخت" کو پیشِ نظر رکھ کر چلا چلتا ہوں۔ خدا تیئس برس نہ سہی پچاس برس کے بعد ضرور کچھ نہ کچھ بنا کر رہیگا۔

قرآن کا اصلی اور نبوی اِسلام

الغرض مسلمانو! اگر اِس دُنیا میں اپنی گزشتہ عظمت اور بادشاہت کو پھر لینا چاہتے ہو، اگر آگے چل کر روزِ قیامت کو کسی قسم کے ادنےٰ ثواب کے منتظر ہو، تو قرآن کو خود دیکھ کر نئے سرے سے مسلمان بنو۔ قرآن خوش قسمتی سے وُہ کتاب ہے جس کا آج تک ایک حرف نہیں بدلا۔ معمُولی سا اُردو ترجمہ لو جس پر کسی مولوی یا مُلّا، کسی مفسّر یا محدّث کی کوئی حاشیہ آرائی نہ ہوئی ہو۔ صرف اس بات کو مدِنظر رکھو کہ قرآن حکموں کی کتاب ہے، عقیدوں اور مناظروں کی کتاب نہیں۔ اس کا ہر حکم اللہ کی طرف سے ہے۔ اس لئے ہر حکم دُوسرے ہر حکم کے برابر ہے۔ اس میں صرف نماز اور روزے حج اور زکوٰۃ ہی کا حکم نہیں بلکہ بہت سے اور حکم ایسے ہیں جو ان سے بدرجہا ضروری ہیں۔ اسمیں بیسیوں احکام ایسے ہیں جن کے نہ کرنے کی سزا جہنّم ہے، جن کے کرنے کی جزا جنّت ہے۔ جتنی سخت سزا ہے اُتنا ہی ضروری حکم ہے۔ اور اُس جرم سے اُتنا ہی بچتے رہنا صحیح مسلمانی ہے۔ تمہیں قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہو جائیگا کہ اس میں نہ کسی ڈاڑھی کا ذکر ہے، نہ لمبی ڈاڑھی کا،

نہ چھوٹی کا، نہ مُونچھوں کو تراشنے کا، نہ ڈھیلے اور استنجا کا، نہ ٹخنوں کے اُوپر پاجاموں کا، نہ تہجد کا، نہ گیارہویں شریف کا، نہ مُردے پر قرآن پڑھنے کا، نہ مولوی کو کفن کی چادر دینے کا، نہ شب برات کے حلوے کا، نہ عاشورے کی حلیم کا، نہ عید کی روٹیوں اور سُویّوں کا! اس میں جہاد میں جم کر لڑنے کی جزا جنّت لکھی ہے۔ اللہ کی راہ میں جان و مال لڑا دینے کی جزا جنّت ہے آپس میں مُحبّت اور اتحادِ عمل کی جزا جنّت ہے۔ اِسلام کی خاطر ترکِ وطن اور ھجرت کرنے کی جزا جنّت ہے۔ خُدا کے سِوا کسی غیر اللہ کے محکوم نہ بنتے (یعنی شرک نہ کرنے) کی جزا جنّت ہے، اپنے امیر کی کامل فرماں برداری کی جزا جنّت ہے۔ دُنیا میں غالب اور سردار بن کر رہنے کی جزا جنّت ہے۔ دین میں فرقہ بندی اور نفاق پیدا کرنے کی سزا جہنّم ہے۔ نفاق پیدا کرنیوالوں کے متعلق لکھا ہے کہ جہنّم کے سب سے نچلے درجے میں ہونگے، میدانِ جنگ سے بھاگ جاتے اور پیٹھ پھیرنے کی سزا جہنّم ہے، میدانِ جنگ میں جانے کے متعلق عذر کرنے والوں کی سزا جہنّم ہے۔ جنگ کے وقت گرمی اور سردی کا عذر کرنیوالوں کی سزا جہنّم ہے۔ جنّت کے متعلّق صاف لکھّا ہے کہ صرف اُن کو مِل سکتا ہے جو جہاد بالسیف کرتے ہیں۔ اپنے امیر کی نافرمانی کرنیوالوں کی سزا جہنّم لکھی ہے، امیر کے حکم کو نہ ماننے والی قوم کو بدترین حیوان لکھا ہے۔ شرک کرنیوالوں کی سزا جہنّم ہے۔ علم والوں کی جزا جنّت ہے۔ جاہلوں کی سزا جہنّم لکھی ہے۔ جو یومِ آخرت پر یقین کر کے نیک عمل نہ کریں اُن کی سزا جہنّم ہے۔ جنّت اور جہنّم انتہائی جزا یا انتہائی سزا ہے۔ کم درجے کے جُرموں یا نیکیوں کی سزائیں اور انعام ان مذکورہ بالا سزاؤں یا جزاؤں سے زیادہ حیرت انگیز ہیں مثلاً زنا کی سزا صرف سو کوڑے لکھی ہے شراب پینے کی سزا کچھ نہیں لکھی، صرف لکھا ہے کہ "اس سے بچتے رہو۔ یہ شیطانی گندگی ہے۔ اس کا گناہ

اِسکے نفع سے زیادہ ہے"، جو شخص کبھی نماز قضا کر دے اُسکی کوئی سزا نہیں، جو حج نہ کرے اُس کیمتعلق کچھ نہیں لکھا۔ جو مالِ حرام کھائے اُس کو کبیرہ گُناہ کا مرتکب کہاہے۔ گویا اُسکے لئے جہنّم ہے۔ مالِ یتیم کھانیوالوں کی سزا جہنّم ہے۔ گویا یتیم خانے چلانیوالے پیشہ ور لوگوں کیلئے جہنّم ہے۔ چندہ خور لیڈروں اور کونسلوں کی شہ دیکر قوم سے روپیہ بٹورنے والے حرام خوروں کی سزا جہنّم ہے۔ مالِ حرام کھانے والوں کی سزا جہنّم ہے۔ گویا انجمنیں چلانیوالے پیشہ وروں کی سزا جہنّم ہے۔ کہہ کر پھر نہ کرنیوالے کو گناہِ کبیرہ کا مرتکب کہاہے۔ اسکی سزا بھی جہنّم ہے۔ الغرض قرآن میں جسطرف بھی نظر کروگے مولویانہ اسلام ہرگز نہ پاؤگے، صرف عملی اسلام پاؤگے، قومی اور اجتماعی گناہوں کی سزا جہنّم پاؤگے، شخصی اور انفرادی گناہوں کی سزا ہلکی پاؤگے، میدانِ جنگ میں بُزدلی سے بھاگنے کی سزا شدید پاؤگے۔ امیر کی نافرمانی پر خُدا کو بڑا ناراض اور بعید انتقام لینے والا پاؤگے، قرآن میں یہ لکھا پاؤگے کہ جس قوم نے قرآن کے ایک حصّہ پر عمل کیا اور دُوسرے حصّے سے بھاگی اُسکی سزا اس دُنیا میں رُسوائی اور آگے چل کر جہنّم ہے، یہ اس لئے کہ خُدا کے سب حکم یکساں طور پر ضرُوری ہیں۔ زنا سے بچنا، شراب نہ پینا، نماز پڑھتے رہنا بھی اُسی قدر ضرُوری ہے جس قدر کہ میدانِ جنگ میں بہادری سے لڑنا۔ خواہ ان چھوٹے چھوٹے جُرموں کی سزا تھوڑی ہو، الغرض قرآن کو اوّل سے آخر تک بچشمِ خود دیکھوگے اور کسی مولوی مُلّا سے نہ پُوچھوگے کہ اسلام کیا ہے، تو مسلمانو! تم کو صاف نظر آجائے گا کہ اسلام **صرف** اور **صرف سپاہیانہ زندگی کا دُوسرا نام ہے**! اس مذہب کو پیشِ نظر رکھ کر سب کے سب خاکسار تحریک میں شامل ہوجاؤ، پھر دیکھو تمہاری دنیوی اور اخروی نجات کیونکر ہوتی ہے۔

۱۰ رمئی ۱۹۳۶ء

عنایت اللہ خان المشرقی

کیمپ حیدرآباد سندھ میں علامہ مشرقی کا خطاب

مطبوعہ "الاصلاح"

۵ جون ۱۹۳۶ء مطابق ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ

میرے سندھی بھائیو! مسلمان دنیا میں تیرہ سو پچاس برس سے بنی نوع انسان کے لئے آیۂ رحمت رہا ہے، اس کے پیش نظر یہ رہا ہے کہ اپنے نفس کو درست کر کے دوسروں کو فائدہ پہنچائے، اس کا خدا ربُّ العٰلمین ہے، اُس کا رسُول رحمۃ للعٰلمین ہے، اُس کا قرآن ذکرٌ للعٰلمین اور شفاءٌ للناس ہے، ایسے مسلمان اور ایسے اسلام کا منہا ہر جگہ اور ہر وقت صلح، امن، آشتی، محبّت اور رافت چاہیئے۔ اگر آج مسلمان ایسا نہیں رہا تو اس کا باعث یہ ہے کہ اُس نے اپنے پہلے اسلام سے دُوری اختیار کی اور وُہ اپنے نفس کے پنجے میں گرفتار ہو گیا۔

اِس گرفتاری کا نتیجہ آج تم دیکھ رہے ہو۔ مسلمان آج ہر جگہ مصیبت میں ہے، اُس کے اپنے وجُود کے اندر فساد ہے، گھر اور محلّے کے اندر فساد ہے، ملک اور قوم کے اندر فساد ہے، اُس کی دُنیا خراب ہو گئی ہے، اُس کا دین مٹ رہا ہے، اُس کا بنی نوع انسان پر اثر زائل ہو گیا ہے۔
آج کئی قرنوں کی اِس سزا کے بعد مسلمانوں کو ہوش میں آنا چاہیئے کہ اپنے نفس سے صلح کرنے کے کیا نتائج ہیں۔

سندھی بھائیو! مسلمان جب سے دنیا میں آیا اُس کا پہلا فرض اپنے نفس سے جنگ کرنا تھا۔ وہ اس مطلب کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا اپنے نفس کو کبھی اپنے آپ پر غالب ہونے دیتا تھا آج نفس کے غلبے نے اُس کو دُنیا میں اس قدر ذلیل اور ناتوان کر دیا ہے کہ اُس کے لئے دُنیا میں چلنے کی کوئی راہ نہیں رہی۔

خاکسار تحریک جس میں اسلام کا ایک عظیم الشان منظر تم آج حیدر آباد سندھ میں کئی قرنوں کے بعد دیکھ رہے ہو اسی نفس پر قابو پانے کا ایک ادنیٰ نتیجہ ہے۔ سندھ کے اُنیس مختلف علاقوں کے سالار اور خاکسار آج اپنے نفس کو تھوڑا سا دُکھ دے کر، جان کو تھوڑی سی تکلیف میں ڈال کر، تکبّر کو تھوڑا سا توڑ کر، آرام کو تھوڑا سا چھوڑ کر، مال کو تھوڑا سا خرچ کر کے اذن و فرزند یا ماں باپ سے تھوڑا سا جُدا ہو کر، بدن کو تھوڑا سا سخت اور نفس کو تھوڑا سا پتلا کر کے جمع ہوئے ہیں اور اس ادنیٰ سے جہاد کا نتیجہ تمھاری جماعت ہے۔ اگر چھوٹے سے نفس پر جبر نے یہ چیز پیدا کر دی ہے تو سوچو کہ نفس پر بڑی سختی نفس کو بڑی تکلیف، نفس پر بڑے قابو پانے اور بڑے جہاد کا نتیجہ کیا عظیم الشّان ہو گا! سندھی بھائیو! اسلام کشمکش اور جہاد کا دُوسرا نام ہے۔ جبتک مسلمان اس کشمکش اور جہاد میں سب سے بڑھ کر رہے، وُہ قوّت اور عزّت میں بڑھ کر رہے جب سے مسلمانوں نے اپنے نفس کیساتھ بنائی، اُن کی دُنیا بگڑ گئی۔ آج اگر تم کو اتنی قرنوں کی بھُول کے بعد کوئی سبق دیا جا رہا ہے تو یہ کہ اے مُسلمانو! چوبیس گھنٹے اپنے نفس کے ساتھ جنگ کرو، جو نفس کہتا ہے اُس کو مانو! جس شے کی دل آرزو کر رہا ہے اُس سے دُور رہو! ایسا کرو گے تو تم میں نفس پر حکومت کرنے کی اہلیت پیدا ہو جائیگی اور جس قوم نے یہ کیا اُس کی دُنیا آباد ہے۔

سندھی بھائیو! خاکسار تحریک کا مقصد مسلمانوں کو پھر ایک بنانا ہے، مسلمانوں کے نفسوں کو تپلا کر کے ان کی قوت کو موٹا کرنا ہے۔ لوگوں کو نیک بنا کر ایک کرنا ہے۔ یاد رکھو تم ایک نہیں بن سکتے جب تک نیک نہ ہو گے۔ نہیں ایک بننا ہی نیک بننا ہے یہ اس لئے کہ تمہارا آپس میں فساد، ایک دوسرے سے جدائی، مذہبی فرقے، مولویوں اور لیڈروں کی لڑائی، آپس میں سر پھٹول، دشمن کی مار، الغرض تمہاری سب برائیاں اور کمزوریاں صرف اس لئے ہیں کہ تم نے اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کی، تکبر، ذاتی نفع، نفس کو آرام، جاہ پسندی، محبتِ زر، حبِ اولاد کو اپنا شیوہ بنالیا۔ اس بت پرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تم سے بگڑ گیا، تمہاری دنیا برباد کر دی۔ تم دنیا کے پیچھے لگ گئے اس لئے دنیا تم سے اچک لی گئی۔

اب مختصر یہ ہے کہ پھر اپنا عہد خدا سے باندھو، پھر اسلام کو مضبوط کرو، پھر نئے سرے سے نفس کے دشمن بنو، جو نفس نہیں کہتا کرو، جو نفس کہتا ہے نہ کرو تمہارا سب کچھ سنور جائیگا۔

خاکسار تحریک وُہی اسلام ہے جو تم کو کسی زمانے میں دیا گیا تھا۔ آج اس اسلام سے نفس پرستوں کی مخالفت ہے، اس کو "کفر" کہا جا رہا ہے، تمہاری آنکھوں کے سامنے مسلمانوں کا اتحاد پیدا ہو رہا ہے، فرقہ بندی دور ہو رہی ہے، روحانیت پیدا ہو رہی ہے، پہلے دو مسلمان آپس میں یکجا نہیں ہو سکتے تھے، اب ہزاروں متحد العمل ہو رہے ہیں، نیکی پیدا ہو رہی ہے، قوت کے منصوبے بندھ رہے ہیں، دشمن مرعوب ہو رہے ہیں، قَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ کا سماں بندھ رہا ہے، نیکیاں بڑھ رہی ہیں، مسلمان جو سب سے اکڑا رہتا تھا اب پھر کسی قانون، کسی انتظام، کسی قاعدے کا پابند ہو رہا ہے، لیکن نفس پرست، جاہ پرست اور غرض پرست مسلمان کے نزدیک یہ سب "کفر" ہے

افسوس کہ مسلمان کی آنکھ کی روشنی اس قدر کم ہے آنکھیں ہو ہو کر نہیں دیکھتے کہ خاکسار تحریک قوم کو کس منزل تک پہنچا سکتی ہے۔

مَیں خوش ہوں کہ صوبہ سندھ کے اِس پہلے مرکزی اجتماع میں کئی علاقوں کے سالار اور خاکسار شامل ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ خاکسار اور سالار کیمپ ختم ہونے کے بعد ایک نئے جوش، نئے ولولے، نئی اُمنگوں سے جائیں، اپنے اپنے علاقوں میں ہوا اور بادل کی طرح پھیل جائیں، ہر ایک مسلمان کو تحریک کا مقصد سمجھائیں، تیرہ سو برس پُرانے اسلام سے مسلمان کو پھر آگاہ کریں، ایک ایک سالار اور خاکسار کئی سپاہیوں کو بھرتی کرے، ان کی جماعت بندی ہو، سپاہیانہ قواعد چُست ہو، خدمتِ خلق عام ہو، نماز پر بڑی پابندی ہو، ہر ایک سے مُحبّت ہو، دُوسری قوموں سے رواداری ہو، الغرض ہر سالار اور خاکسار اپنے پر یہ فرض عائد کرلے کہ اِس سال کے اندر اندر اپنے علاقے میں اللہ کے سپاہیوں کی ایک عظیم الشّان تعداد پیدا کر کے رہنا ہے۔

یاد رکھو خاکسار کے سامنے یہ مقصد ہر وقت پیش پیش ہونا اسلام کی طرف پھر آنے کا دُوسرا نام ہے۔ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کی تکلیفوں کو سامنے رکھو اور دیکھو کہ اُنہوں نے کیسی مشکل سے اور کتنی مدّت میں، کیا کیا قربانیوں اور کیا کیا جانبازیوں سے اِسلام کو بلند کیا تھا۔ یاد رکھو کہ اِسلام کو بلند کرنے والوں کا اِسلام میں کیا درجہ ہے، یاد رکھو کہ قرآن میں جنّت ملنے کی شرط صرف یہ لکھی ہے کہ اسلام کی راہ میں اپنے مال اور جان کو صرف کر دیا جائے۔ اِن سب باتوں کو سامنے رکھ کر اِس کیمپ کے بعد عمل شروع کرو۔ پھر دیکھو کہ

نتائج کیا پیدا ہوتے ہیں۔

اس کیمپ کے بعد محترم نصیر محمد خان نظامانی سالارِ اکبر سندھ کے مشورے سے میں صوبہ سندھ میں سال کے اخیر تک حسب ذیل کیمپوں کے منعقد کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ ان کیمپوں میں اپنے اپنے علاقوں کے سپاہیوں اور سالاروں کی ایک عظیم الشان تعداد حاضر ہونی چاہیئے۔ نظم و نسق اس طریقے پر مفصّل اور مکمّل ہو کہ آپ اپنے اپنے علاقوں میں زندگی کی ایک نئی رُوح پیدا کردیں۔ سب مسلمان آپ کے طرزِ عمل کو دیکھ کر بیدار ہوجائیں۔ قوم سپاہیانہ زندگی کو جزوِ اسلام پھر سمجھنے لگے اور ضلالت و گمراہی کی بدلیاں کافور ہوجائیں۔ ان کیمپوں کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

حیدرآباد سندھ کے مقامی کیمپ اور ان کی تاریخیں

لاڑکانہ۔ جیکب آباد:۔ زیر قیادت پیر الٰہی بخش ۷، ۸، ۹ / اگست

ٹنڈو باگو۔ دابھاڑو:۔ زیر قیادت محمد حسین ۲۶، ۲۷، ۲۸ / جون

ھالا:۔ زیر قیادت مولوی شفیع محمد ۱۹، ۲۰، ۲۱ / جون

حیدرآباد۔ مغربی کچّا۔ خیر شاہ۔ ٹنڈو سمرو۔ ٹنڈو مام:۔ زیر قیادت نظام الدین نظامانی ۱۴، ۱۵، ۱۶ / اگست۔

ٹھٹھہ:۔ زیر قیادت سید یحیٰی شاہ ۲۱، ۲۲، ۲۳ / اگست

ماتلی۔ راجہ خان نظامانی۔ سونو خان عالمانی۔ باقر جوگوٹھ۔ ٹانڈو محمد خان، زیر

قیادت - میر محمد ۲۴، ۲۵، ۲۶ جولائی
نواب شاہ ہالانی - زیر قیادت حکیم محمد معاذ ۱۱، ۱۲، ۱۳ دسمبر
کراچی :- زیر قیادت - عبدالرحیم میمن حاجی میر خان ۱۸، ۱۹، ۲۰ دسمبر
میرپور خاص جھول رحم علی پلی جھنڈو کوٹ غازیخان :- زیر قیادت میر الٰہی بخش -
عبدالغفار وکیل - ۱۷، ۱۸، ۱۹ جولائی

ان کیمپوں کے بعد آپ خاکساروں کے پیش نظر دہلی کا عظیم الشان اجتماع ہونا چاہیے جس میں ہم تمام ہندوستان کے پچاس ہزار خاکسار سپاہیوں کے عظیم الشان اتحاد کا دہلی میں اعلان کیا گیا ہے یہ وہ منظر ہے کہ اگر اب کے سال ہندوستان کے مسلمانوں نے اس کو ہماری آنکھوں کے سامنے دکھا دیا تو یاد رکھو کہ مسلمان کی بہتری کی بنیاد آج کے سال سے شروع ہو جائیگی - میں تم سب کو مبارکباد دیتا ہوں - سالار اعظم شفیع محمد نظامانی کو سالار اعظم ہونیکی مبارکباد دیتا ہوں - سالار اول نظام الدین نظامانی کو مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اس کیمپ کا انعقاد خوبی سے کیا، سالار اکبر محترم نصیر محمد خان نظامانی کو مستحق مبارکباد سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اس کیمپ کے انعقاد میں باوجود بیماری کے عمدہ حصہ لیا - تم پر ہم سب کا سلام ہو، خدا تمہارے ساتھ ہو، اسلام تمہارا رہنما ہو - فتح و ظفر تمہارے ہمرکاب ہو -

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عنایت اللہ خان المشرقی

یہ کتاب ناظمِ دفتر تذکرہ کٹڑہ شیر سنگھ امرتسر سے

یا

دفتر "الاصلاح" اچھرہ لاہور سے مل سکتی ہے

باہتمام حافظ محمد اسمٰعیل پرنٹر اور فضل احمد پبلشر

حجازی پرنٹنگ پریس بیرون موری دروازہ لاہور میں بحسن زیبائش طبع ہوئی

کتبہ عبدالمجید صدیقی گوجرانوالیہ کاتب دفتر "الاصلاح"